تذکارِ صالحات
طالب ہاشمی
www.KitaboSunnat.com

تذکارِ صالحات

طالب ہاشمی

البدر پبلی کیشنز
اُردو بازار لاہور

☆ نام کتاب — تذکارِ صالحات

☆ مصنف — طالب الہاشمی

☆ ناشر — عبدالحفیظ احمد

☆ اشاعت دوم — اکتوبر 2008ء

☆ مطبع — علی اعجاز [illegible]

☆ ہدیہ — -/200 روپے

فہرست مضامین

فہرست اہم حواشی

سخنہائے گفتنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ
سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

گزشتہ دو تین سال سے بعض عوارض میری عمومی صحت اور دل و دماغ پر بُری طرح اثر انداز ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس صورتِ حال کے باوجود اُس ذات رحیم و کریم نے مجھے زیرِ نظر کتاب (تذکارِ صالحات) تالیف کرنے کی توفیق بخشی۔ میرا ایمان ہے کہ اُس ذاتِ بے ہمتا کے کرم اور توفیق کے بغیر کسی کے لئے ممکن نہیں کہ ایک لفظ بھی لکھ سکے۔ وہ خالقِ کائنات جس سے جو کام لینا چاہتا ہے لے لیتا ہے۔

ع
ہر کسے را بہرِ کارے ساختند

اس سے پہلے بھی میری جو تالیفات (دینی، سوانحی، تاریخی) منظرِ عام پر آئیں وہ بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل کی بدولت لکھی جا سکیں ورنہ اپنی علمی بے بضاعتی اور دوسری بے پناہ مصروفیات کے پیشِ نظر اس نوع کے کٹھن تحقیقی کام سے عہدہ برآ ہونا میرے بس میں نہیں تھا۔۔۔ سچی بات تو یہی ہے جو ان دو شعروں میں کہی گئی ہے۔

ے
کیا فائدہ فکرِ بیش و کم سے ہو گا
ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہو گا
جو کچھ کہ ہوا، ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہو گا ترے کرم سے ہو گا

آج سے تیس چالیس سال پہلے وطنِ عزیز میں خواتین کے لئے پاکیزہ کردار ساز لٹریچر کی شدید کمی تھی اور مخربِ اخلاق لٹریچر ملک میں کثرت سے پھیل رہا تھا۔ بعض دردمند اہلِ قلم نے اس صورتِ حال کو شدت سے محسوس کیا اور گزشتہ چند سالوں میں متعدد عمدہ کتابیں لکھ کر اس کمی کو دور کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں بھی اس کام میں حصہ لینے کا جذبہ پیدا کیا اور میں نے "تذکارِ صحابیات" ۔۔۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی

''تاریخِ اسلام کی چار سو باکمال خواتین'' بطورِ خاص خواتین کے لئے لکھیں۔ زیرِ نظر کتاب اس سلسلے کی چوتھی کڑی ہے۔

''بطورِ خاص خواتین کے لئے لکھنے'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کتابیں صرف خواتین ہی کے مطالعہ کے لئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکیزہ لٹریچر خواہ یہ کسی موضوع پر ہو اور کسی بھی صنف سے تعلق رکھتا ہو، اُس کا مطالعہ ذکور و اناث بھی کے لئے کسی نہ کسی صورت میں لازماً نفع بخش ہوتا ہے۔ ''بطورِ خاص خواتین کے لئے'' سے مراد یہ ہے کہ دورِ حاضر کی خواتین کے سامنے اُن خواتین کے نمونے پیش کیے جائیں جو اسلام کی خواتینِ مطلوب ہیں۔ اسلامی معاشرے میں اسلام نے عورت کو جو قابلِ تکریم مقام عطا کیا ہے اور اس کو جن حقوق سے نوازا ہے کسی دوسرے معاشرے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی معاشرے میں اعلیٰ سے اعلیٰ دینی، اخلاقی اور روحانی مدارج تک پہنچنے کے لئے جتنے مواقع مردوں کے لئے ہو سکتے ہیں اتنے ہی خواتین کے لئے موجود ہیں۔ اسلام اس معاشرے میں جن اوصاف کے حامل مردوں کو دیکھنا چاہتا ہے ویسی ہی خوبیوں سے متصف عورتوں کو دیکھنا چاہتا ہے۔ سورۃ الاحزاب میں یہ اوصاف اس طرح بیان کئے گئے ہیں:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَٰتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَٰنِتِينَ وَالْقَٰنِتَٰتِ وَالصَّٰدِقِينَ وَالصَّٰدِقَٰتِ وَالصَّٰبِرِينَ وَالصَّٰبِرَٰتِ وَالْخَٰشِعِينَ وَالْخَٰشِعَٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَٰتِ وَالصَّٰٓئِمِينَ وَالصَّٰٓئِمَٰتِ وَالْحَٰفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَٰفِظَٰتِ وَالذَّٰكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّٰكِرَٰتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝ (سورۃ الاحزاب آیۃ: ۳۵)

ترجمہ: ''بالیقین اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والے مرد اور خواتین، ایمان والے مرد اور عورتیں، مطیع فرمان مرد اور عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، اللہ کے آگے جھکنے والے مرد اور جھکنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے''

اسلام کے مطلوب اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے پسندیدہ مردوں اور عورتوں کے ان اوصاف کے علاوہ قرآنِ حکیم میں عورتوں کو بطورِ خاص بھی چند احکام دیے گئے ہیں۔ مثلاً سورۃ نِساء میں ارشاد ہوا ہے۔

ترجمہ: "جو صالح عورتیں (بیویاں) ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کی غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت اور نگرانی میں ان کے حقوق (عزت، آبرو اور مال) کی حفاظت کرتی ہیں"
(آیت ۳۴)

سورۃ النّور میں فرمایا گیا ہے

ترجمہ: "اے نبی! مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں سوائے اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں اور اپنے شوہر، باپ، سُسر، شوہر کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، اپنے میل جول کی عورتوں، اپنے مملوک اور وہ زیر دست مرد جو کوئی اور غرض (عورتوں کی خواہش) نہ رکھتے ہوں یا ایسے لڑکوں سے جو عورتوں کی پردے کی باتوں سے ابھی واقف نہ ہوں، سوائے ان کے اور کسی پر اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔
(آیت ۳۱)

سورۃ احزاب میں حکم دیا گیا ہے:

ترجمہ: "اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ (تمدنی ضرورت کے تحت اگر گھر سے باہر نکلنا پڑے) تو اپنے اوپر چادر کے پلو لٹکا لیا کریں (یا بُکّل مار لیا کریں)"

(آیت 59)

سورۃ احزاب ہی میں ازواجِ مُطہراتؓ کو خطاب کر کے یہ ہدایات دی گئی ہیں!

ترجمہ: اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو لہجہ میں نرمی اختیار نہ کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص کوئی غلط اُمید نہ پالنے لگے۔ بلکہ صاف سیدھی

(یعنی وقار سے) بات کرو۔ اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور دورِ جاہلیت کی سج دھج نہ دکھاتی پھرو اور نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ اے اہلِ بیتِ نبی! تم کو آلودگی سے دُور کردے اور تمہیں پوری طرح پاک کردے"

(آیت 32-33)

مفسرّین نے لکھا ہے کہ ان آیتوں میں جو ہدایات دی گئی ہیں وہ نہ صرف ازواجِ مُطہّرات" کے لئے تھیں بلکہ دوسری تمام اہلِ ایمان خواتین کے لیے بھی ان پر عمل کرنا لازم ہے۔ گویا یہ ہدایات ہر دَور کی تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہیں ان آیتوں سے یہ احکام نکلتے ہیں:

(۱) اہلِ ایمان عورتوں کو عام حالات میں نامحرم مردوں سے گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔ اگر کسی ضرورت کے تحت ایسا کرنا ناگزیر ہو تو وہ نرم اور لوچ دار آواز میں بات نہ کریں (کیونکہ اللہ نے عورت کی آواز میں بھی کشش رکھی ہے) اُن کے لئے ایسے لہجے سے خدشہ ہے کہ سننے والا (اگر اس کا دل روگی ہے) کسی طمعِ خام میں مبتلا ہو جائے۔ [1]

---

[1] اس حکم کی تشریح کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں!

"اس بنا پر عورت کے لئے اذان دینا ممنوع ہے۔ نیز اگر نماز با جماعت میں کوئی عورت موجود ہو اور امام کوئی غلطی کرے تو مرد کی طرح سبحان اللہ کہنے کی اسے اجازت نہیں ہے بلکہ اس کو صرف ہاتھ پر ہاتھ مار کر آواز پیدا کرنی چاہیے تاکہ امام متوجہ ہو جائے۔ اب یہ ذرا سوچنے کی بات ہے کہ جو دین عورت کو غیر مرد سے بات کرتے ہوئے بھی لوچدار اندازِ گفتگو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا کیا وہ کبھی اس کو پسند کر سکتا ہے کہ عورت اسٹیج پر آ کر گائے۔ ناچے تھرکے، بھاؤ بتائے اور ناز نخرے دکھائے؟ کیا وہ اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ ریڈیو پر عورت عاشقانہ گیت گائے اور سریلے نغموں کے ساتھ فحش مضامین سنا سنا کر لوگوں کے جذبات میں آگ لگائے؟ کیا وہ اسے جائز رکھ سکتا ہے کہ عورتیں ڈراموں میں کبھی کسی کی بیوی اور کبھی کسی کی معشوقہ کا پارٹ ادا کریں؟ یا ہوائی میزبان (ایئر ہوسٹس) بنائی جائیں اور انہیں خاص طور پر مسافروں کا دل لبھانے کی تربیت دی جائے؟ یا کلبوں اور اجتماعی تقریبات میں مخلوط مجالس میں بن ٹھن کر آئیں اور مردوں سے خوب گھل مل کر بات چیت اور ہنسی مذاق کریں؟ یہ کلچر آخر کس قرآن سے برآمد کیا گیا ہے؟ خدا کا نازل کردہ قرآن تو سب کے سامنے ہے اس میں کہیں اس کلچر کی گنجائش نظر آتی ہو تو اس مقام کی نشاندہی کر دی جائے"

(تفہیم القرآن جلد چہارم تفسیر سورۃ احزاب صفحہ 89-90 حاشیہ 47)

ب۔ مسلمان عورت کی اصل جگہ اس کا گھر ہے۔ اُس کو اپنے گھر میں سکون، وقار اور احساس ذمہ داری کے ساتھ رہنا چاہیے۔ اگر کسی ضرورت کے تحت اس کو گھر سے باہر نکلنا پڑے تو بن سنور کر بے حجاب نہیں نکلنا چاہیے۔ یعنی اپنی سج دھج یا زینت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے کہ ایسا کرنا زمانہ جاہلیت کی عورتوں کا دستور تھا۔ (باہر نکلتے وقت ان کو با حجاب ہونا چاہیے جیسا کہ الاحزاب کی آیت 59 میں حکم دیا گیا ہے)۔ اہلِ ایمان عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ گھر میں رہ کر اپنے دنیوی فرائض (شوہر کے حقوق کی حفاظت، بچوں کی پرورش اور تربیت اور گھر کے انتظام) کے ساتھ ساتھ دینی فرائض (نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ) کے ادا کرنے اور اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرنے میں بھی کوشاں رہیں۔ بعض مغرب زدہ خواتین کہتی ہیں کہ قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ "عورتوں کو گھروں میں بند رکھو" بلاشبہ قرآنِ پاک میں ایسا حکم کہیں موجود نہیں ہے لیکن عورتوں کو یہ حکم ضرور دیا گیا ہے کہ اپنے گھروں میں قرار پکڑو یا ٹِک کر رہو لیکن اس حکم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورتوں کو گھر میں بند رکھا جائے بلکہ جائز ضرورت کے وقت ان کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں رسول ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت ہے۔

قد اذن اللّٰہ لکنَّ ان تخرجن لحوائجکنّ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے تم (عورتوں) کو اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لیے گھر سے نکل سکتی ہو

حقیقت یہ ہے کہ اسلام عورتوں کے گھر سے نکلنے پر صرف دو شرطیں عائد کرتا ہے۔ ایک تو یہ کہ گھر سے اس کا نکلنا جائز ضرورت کے لئے ہو دوسری یہ کہ با حجاب ہو اور بن ٹھن کر اپنی زینت نامحرموں کو نہ دکھاتی پھرے۔

جہاں تک عورت کی (جائز) ضروریات کا تعلق ہے تو ان کا تعین قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلام کے مجموعی مزاج کے مطابق کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ فقہائے اسلام نے ایسی ضروریات کی وضاحت کر دی ہے۔ مثلاً شادی غمی میں شرکت، رشتے داروں، پڑوسیوں اور سہیلیوں سے میل ملاقات، عیادت، تعزیت، تعلیم و تعلم، علاج معالجہ، جہاد فی سبیل اللہ میں مجاہدین کی مدد، گھر میں کوئی کمانے والا مرد موجود نہ ہو یا وہ کسی بیماری کی وجہ سے معذور ہو تو گھر کی کفالت کے لئے محنت مزدوری وغیرہ جیسے کاموں پر "جائز ضروریات" کی تعریف کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

جو خواتین یہ پوچھتی ہیں قرآن میں "عورتوں کو گھروں میں بند رکھنے" کا حکم قرآن میں کہاں ہے وہ یہ بھی بتائیں کہ قرآن میں یہ کہاں لکھا ہے کہ بن سنور کر بے حجاب گھروں سے نکل کر نامحرموں کو دعوتِ نظارہ دو، ہاکی، والی بال، فٹ بال اور کرکٹ کھیلو، فلموں اور عشقیہ ڈراموں میں حصہ لو، بن ٹھن کر ٹی وی پر آؤ، اسٹیج پر ناچو گاؤ، تھرکو اور بھاؤ بتاؤ تھیئٹروں، سینماؤں اور کلبوں میں جاؤ، مختلف اشیاء کے اشتہاروں میں ماڈل بنو وغیرہ وغیرہ۔

وہ ذرا سوچیں کہ کیا سب کچھ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق ہے؟ بالیقین اس سوال کا جواب نفی ہی میں ہو سکتا ہے۔ اب ذرا وہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر بھی غور کریں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

(التحریم - آیت ۶)

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ۔

اس حکم کے مخاطب مرد اور عورت دونوں ہیں۔ یہ حکم اہل ایمان کو بتاتا ہے کہ کسی شخص کی ذمہ داری صرف اپنی ذات کو آتشِ جہنم سے بچانے تک محدود نہیں ہے بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی اللہ کے عذاب سے بچانے کی کوشش کرنا اس کا فرض ہے۔ یہ کوشش اسی طرح ہو سکتی ہے کہ وہ خود بھی اللہ اور اللہ کے رسول ؐ کے احکام پر عمل کرے اور اپنے گھر والوں کو بھی ان پر عمل کرنے کی ترغیب دے تا کہ وہ سچے مسلمان اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ انسان بنیں۔ ہدایت دینا یا نہ دینا تو بے شک اللہ تعالیٰ کا کام ہے لیکن کسی سربراہ خاندان کو اس سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ مرد کے ساتھ عورت بھی اپنے گھر والوں (بچوں) کو اللہ کے عذاب سے بچانے کی ذمہ دار ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے معاملے میں جواب دہ ہے۔ حکمران راعی ہے اور وہ اپنی رعیت کے معاملہ میں جواب دہ ہے۔ مرد اپنے گھر والوں کا راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے"

(تفہیم القرآن جلد ششم سورۃ التحریم صفحہ 29-30 حاشیہ 16)

آج وطنِ عزیز میں ہماری مغرب زدہ بہنیں مسلمان ہونے کا دعویٰ تو کرتی ہیں لیکن ہر وہ کام کر رہی ہیں جن سے اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے منع فرمایا ہے۔ وہ بڑے فخر کے ساتھ اپنے آپ کو اُن اداکار عورتوں (ایکٹریسوں) کی "پرستار" کہتی ہیں جو فلموں تھیٹروں اور ٹی وی وغیرہ میں نامحرموں کے سامنے ناچتی گاتی اور ڈراموں میں طرح طرح کے روپ دھارتی ہیں۔ جو شخص ان کو اسلامی تعلیمات کی طرف توجہ دلاتا ہے اس کو "دقیانوسی مُلّا" ، کودن، قدامت پرست، تاریک خیال، اجڈ، جاہل، وغیرہ کے خطابات سے نوازتی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ان گُم کردہ راہ بہنوں کو اُن خواتین کی سیرت و کردار کو مشعلِ راہ بنانے کی توفیق دے جن کا قرآن حکیم میں صالحات، مؤمنات، قانتات، صادقات، صابرات، خاشعات، صائمات، حافظات اور ذاکرات کے القاب کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ میں اپنی گزارشات کو عالمِ اسلام کے نامور عالمِ دین مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی (خواتین کے سامنے) ایک تقریر کے اس اقتباس پر ختم کرتا ہوں:

"ساری مشکلوں، مصیبتوں کا علاج ایک اللہ کا تعلق پیدا کرنا ہے، وہی سب کچھ کرتا ہے، اللہ کی نیک بندیوں کے حالات پڑھو کہ انہوں نے کسی چیز میں دل نہیں لگایا، نہ جوانی میں، نہ صحت میں، نہ طاقت اور حسن و جمال میں، انہوں نے صرف اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کیا، اللہ کا نام لینا، راتوں کو اُٹھنا، توبہ استغفار کرنا، درود شریف پڑھنا، تلاوت قرآن کرنا، اسلامی عقائد سکھانا، نیز بچوں کی پرورش کرنا، توحید کے بیج ان کے دل میں بونا، گناہ کی نفرت پیدا کرنا، اللہ کا نام سکھانا، اسلامی آداب و اخلاق کی تعلیم دینا، یہ اُن کے مشغلے رہے، نتیجہ یہ کہ گھر کا ماحول اسلامی، دل خوش اللہ راضی تو سب راضی اگر اللہ ناراض تو سب ناراض۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے فرماتا ہے۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ

(سورۃ احزاب رکوع 4)

(زمانہ جاہلیتِ قدیم کے مطابق اپنے کو دکھاتی نہ پھرو)

تمہارا دل گھر میں لگنا چاہیے، سینما گھروں میں نہیں، محفلوں اور بازاروں میں نہیں، تمہاری جگہ تمہاری سلطنت تمہارا گھر ہے، غریب ہو یا امیر، باہر نکلو گی تو تم وہ نہ رہو گی جو گھر میں ہو

گھر میں تمہارا حکم چلے گا، اولاد تمہاری خدمت کرے گی، گھر سکون واطمینان کی جگہ ہے۔

(خواتین اور دین کی خدمت ص ۶۲)

راجئ غفران وشفاعت
طالب الہاشمی
118۔ رضوان بلاک اعوان ٹاؤن لاہور

۲۳ ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ مطابق 8 مارچ 2002ء

مسلمان عورت سے

(ماہر القادریؒ)

یہ شرحِ آیۂ عصمت ہے جو ہے بیش نہ کم
دل و نظر کی تباہی ہے قُربِ نا محرم

سدا رہا وہ اسیرِ شکستِ تقدیر
کہ جس نے خود نہ بنائے عمل سے لوح و قلم

ہوس کا نام محبت رکھا ہے دنیا نے
ہوئی ہے مسخ یہاں تک تو فطرتِ آدم

ادب کی آڑ میں تزئین پا رہے ہیں گناہ
تراش رہے ہیں حرم میں بھی شاعری کے صنم

زمانہ لذتِ سوز یقین سے ہے محروم
کوئی خرابِ مسرّت، کوئی تباہِ الم

حیا ہے آنکھ میں باقی نہ دل میں خوفِ خدا
بہت دنوں سے نظامِ حیات ہے برہم

یہ نیم باز برقعے، یہ دیدہ زیب نقاب
جھلک رہا ہے جھلا جھل قمیص کا ریشم

تری حیات ہے کردارِ رابعہ بصری"
ترے فسانہ کا موضوع عصمتِ مریم"

نہ دیکھ! رشک سے تہذیب کی نمائش کو
کہ سارے پھول یہ کاغذ کے ہیں خدا کی قسم

وہی ہے راہ ترے عزم شوق کی منزل
جہاں ہیں عائشہؓ و فاطمہؓ کے نقشِ قدم

بارہ (۱۲) برگزیدہ خواتین

کے ایمان افروز تذکرے

جو

خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

سے پہلے گزری ہیں ان سب کا سابقہ انبیاء ، ورُسل علیہم السّلام سے کسی نہ کسی حیثیت میں قریبی رشتہ / تعلّق تھا اور ان کا شمار مسلمات، مومنات، صابرات، خاشعات، صالحات کسی بھی جماعت میں کیا جاسکتا ہے۔

حضرت حوّا علیہا السّلام

حضرت حوّا علیہا السّلام ابو البشر حضرت آدم علیہ السّلام کی زوجہ تھیں ۔ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان اور سب سے پہلے مسلمان تھے اسی طرح حضرت حوّا علیہا السّلام دنیا میں سب سے پہلی خاتون اور سب سے پہلی مسلمان تھیں اسی لیے مسلمان ان کو مائی حوّا کہتے ہیں یعنی وہ اُمّ البَشَر ہیں ۔ حضرت آدم علیہ السّلام صرف پہلے انسان ہی نہیں دنیا میں سب سے پہلے آنے والے پیغمبر بھی ہیں اس لحاظ سے حضرت حوّا کو ایک پیغمبر کی زوجہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کی تخلیق کے بعد ان کو جنّت میں رکھا ۔ [1] وہ ایک عرصہ تک جنّت میں رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیّت کے تحت ان کا ساتھ دینے کے لئے حضرت حوّا کو پیدا کیا ۔ [2] قرآنِ حکیم میں اس امر کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

> ”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اُس کا جوڑ ا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔“
>
> (سورۃ النساء ۔ ۱)

”تم کو ایک جان سے پیدا کیا“ کی تفسیر تو یہ ہے کہ نوعِ انسانی کی تخلیق ایک فرد سے ہوئی اور یہ فرد آدم علیہ السّلام تھے ۔ اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا ۔ اس کی تفصیلی کیفیت قرآنِ حکیم میں بیان نہیں کی گئی البتہ مفسّرین نے عام طور پر اس کی تشریح یہ کی ہے کہ حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السّلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا ۔ اس بیان کی تائید میں یہ حدیثیں پیش کی جاتی ہیں:

---

[1] حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کیسے ہوئی ؟ ابلیس (شیطان) کون تھا اور وہ آدم کے پتلے کو سجدہ کرنے سے انکار کے نتیجے میں کس طرح راندۂ درگاہ اور ملعون و مردود ہوا ، یہ ایک الگ موضوع ہے (اس کتاب کا موضوع نہیں) یہاں صرف حضرت حوّا علیہا السّلام سے متعلق امور ہی کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

[2] بعض مفسّرین نے حضرت حوّا کی پیدائش کا پسِ منظر یہ بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی بدم

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۱۔ ''حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کی ایک پسلی سے پیدا کیا گیا، اس حالت میں جب کہ وہ سوئے ہوئے تھے تو انہیں کسی قسم کے درد کا احساس بھی نہیں ہوا۔'' (ازواج الانبیا)

۲۔ ''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگو! عورتوں کے معاملے میں میری وصیت پر عمل کرو اور ان کے ساتھ نرم اور اچھا برتاؤ کرو کہ عورت کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی میں زیادہ کجی اس کے اوپر کے حصے میں ہوتی ہے اگر تم اس ٹیڑھی پسلی کو (زبردستی) بالکل سیدھی کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اسے یونہی اپنے حال پر چھوڑ دو گے (اور درست کرنے کی کوئی کوشش نہ کرو گے) تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی رہے گی۔ اس لئے عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔''

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

بائبل میں حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے!

''خداوند اس پسلی سے جو اس نے آدم سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر اسے آدم کے پاس لایا''

حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا!

''اے آدم! تو اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور یہاں بفراغت جو چاہو کھاؤ مگر اس درخت کا رُخ نہ کرنا (اس کے قریب نہ جانا) ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے'' (البقرہ۔۳۵)

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو جس درخت کے قریب نہ جانے کا حکم دیا گیا تھا، قرآنِ حکیم میں اس کا نام یا کسی قسم کی تفصیلات بیان نہیں کی گئیں اس لیے اس کے بارے میں تجسس کرنے یا خیالی گھوڑے دوڑانے کی ضرورت نہیں۔۔۔ دونوں میاں بیوی ایک مدت تک جنت کی نعمتوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۲۔ مونس اور ہمدم نہ پا کر اپنی زندگی میں ایک خلا محسوس کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے سکونِ قلب کے لئے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کیا لیکن قرآن کریم کی کئی آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حوا علیہا السلام کو پیدا کرنے کا مقصد افزائشِ نسلِ انسانی تھا۔ اس لیے مرد اور عورت دونوں کے درمیان باہمی کشش اور اُلفت اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوئی اور دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کا باعث بنے۔

مُتَمَتِّعْ ہوتے رہے اور اس عرصے میں کبھی اُس درخت کا رُخ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ ابلیس (شیطان) تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ تمہیں جنت سے نکلوا دے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ یہاں تو تمہیں یہ آسائشیں حاصل ہیں کہ نہ بھوکے ننگے رہتے ہو، نہ پیاس اور دھوپ تمہیں ستاتی ہے۔ (طٰہٰ آیات ۱۱۷ تا ۱۱۹)

لیکن تقدیر کا لکھا مٹ نہیں سکتا، ایک دن دونوں میاں بیوی کو تقدیر اس ممنوعہ درخت کے قریب لے گئی۔۔۔ قرآنِ حکیم میں اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

ترجمہ: "آخر کار شیطان نے ان دونوں کو اُس درخت کی ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اور انہیں اس حالت سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے۔ ہم نے حکم دیا کہ اب تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور وہیں گزر بسر کرنا ہے" (البقرہ۔۳۶)

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: "پھر شیطان نے ان کو بہکایا تا کہ اُن کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں، اُن کو سامنے کھول دے، اس نے ان سے کہا، تمہارے رب نے تمہیں جو اس درخت سے روکا ہے اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں حیاتِ دوام حاصل نہ ہو جائے اور اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔۔۔ پ۔ اس طرح دھوکا دے کر وہ ان دونوں کو آہستہ آہستہ اپنے ڈھب پر لے آیا۔ آخر کار جب انہوں نے اس درخت کا مزا چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنّت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔ تب ان کے رَبّ نے اُنہیں پکارا، کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا اور کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

"دونوں بول اُٹھے، اے ہمارے رَبّ ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اب اگر تم نے ہماری مغفرت نہ کی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے ایک خاص مدت تک زمین ہی میں جائے قرار اور سامانِ زیست ہے اور فرمایا، وہیں تمہیں جینا اور وہیں مرنا ہے اور اسی میں سے تم کو آخر کار نکالا جائے گا"

(الاحزاب آیات ۲۰ تا ۲۵)

بائیبل میں حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کے جنت سے نکالے جانے کا جو قصہ بیان ہوا ہے اس کے مطابق ممنوعہ درخت کا پھل پہلے حضرت حوّاؑ نے کھایا اور پھر حضرت آدمؑ کو کھلایا۔ حضرت حوّاؑ کے اس مبینہ جرم کے سبب عورتیں قیامت تک بچے جنتے وقت درد زہ کی تکلیف اُٹھاتی رہیں گی اور حضرت آدمؑ کی اس لغزش کے سبب ہر آدم گنہگار پیدا ہوگا۔۔۔۔صاف معلوم ہوتا ہے کہ بائیبل میں یہ روایت الحاقی ہے کیونکہ قرآن حکیم اس کی تائید نہیں کرتا۔۔۔۔اس عجیب و غریب الحاقی روایت کا خلاصہ یہ ہے۔

"خدا نے زمین کی مٹی سے انسان (آدم) کو بنایا اور اس کو باغ عدن میں رکھا۔ خدا نے اس باغ میں حیات کا درخت اور نیک و بد کی پہچان کا درخت بھی لگایا اور آدم کو حکم دیا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل کھا سکتا ہے لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل کبھی نہ کھانا اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اُس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر آدم کے پاس لایا۔ اور سانپ سب دشتی جانوروں سے جو خداوند خدا نے بنائے تھے، چالاک تھا۔ اس نے عورت کو ترغیب دی کہ جس دن تم اس ممنوعہ درخت کا پھل کھاؤ گے تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے بن جاؤ گے۔ چنانچہ عورت نے اس کا پھل لے کر کھایا اور اپنے شوہر کو بھی کھلایا۔ تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں انہوں نے اپنے آپ کو عریاں پا کر انجیر کے پتوں سے اپنے لئے لنگیاں بنائیں اور انہوں نے خداوند خدا کی آواز سنی تو اپنے آپ کو باغ کے درختوں میں چھپایا۔ پھر خدا نے آدم کو پکارا تو کہاں ہے۔ اس نے کہا، میں تیری آواز سن کر ڈرا اور چھپ گیا کیونکہ میں ننگا تھا۔ خدا نے کہا، ضرور تو نے اس درخت کا پھل کھایا ہوگا تبھی تجھے معلوم ہوا کہ تو ننگا ہے۔ آدم نے کہا کہ مجھے حوّا نے اس کا پھل کھلایا اور حوّا نے کہا، مجھے سانپ نے بہکایا تھا۔ اس پر خدا نے سانپ سے کہا، جو حرکت تو نے کی، اس کے سبب تو سب چوپاؤں اور دشتی جانوروں میں ملعون ہوگیا تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور عمر بھر خاک چاٹے گا اور میں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا۔ وہ تیرے سر کو کچلے گا۔ اور تو اس کی ایڑی پر کاٹے گا اور عورت کو یہ سزا دی کہ میں تیرے دردِ حمل کو بہت بڑھاؤں گا، تو درد کے ساتھ بچہ جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔۔۔۔اور آدم کے بارے میں یہ حکم دیا کہ تو نے میرے حکم کے خلاف اپنی بیوی کی بات مانی اس لئے زمین

تیرے سبب سے لعنتی ہوئی، مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس کی پیداوار کھائے گا، تو اپنے منہ کے پسینے کی روٹی کھائے گا۔۔۔۔پھر خداوند خدا نے ان کو باغ عدن سے باہر کر دیا"

(تفہیم القرآن جلد سوئم حاشیہ ۱۰۶ص ۱۳۴ بحوالہ پیدائش باب ۲ آیات ۷۔۲۵ باب ۳۔ آیات ا۔۲۴)

بائبل کے اس قصے کے برعکس قرآن حکیم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ حضرت حوا نے حضرت آدم کو ممنوعہ درخت کا پھل نہیں کھلایا بلکہ شیطان نے دونوں کو بہکایا (الاعراف۔۲۰)

"اور وہ دونوں کو دھوکا دے کر اپنے ڈھب پر لے آیا" (الاعراف۔۲۲)

حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو جو جنت سے اتر جانے کا حکم دیا گیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی لغزش یا بھول کی سزا دی۔۔۔۔قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر واضح کیا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ نے توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔۔۔۔مثلاً سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

ترجمہ:۔ "اس وقت آدم نے اپنے ربّ سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی جس کو اس کے ربّ نے قبول کر لیا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے"

(آیت ۳۷)

سورۃ طٰہٰ میں فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: "پھر اس کے رب نے اس کو برگزیدہ کیا اور اس کی توبہ قبول کر لی اور اسے ہدایت بخشی"

(آیت۔۱۲۲)

حضرت آدم علیہ السّلام کے توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حوا نے بھی ان کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کو معاف فرما دیا اور وہ اپنی بھول یا لغزش پر سزا کے مستحق نہ رہے۔ ان کو زمین پر اُتارنے کا مقصد اس منشاء کی تکمیل تھا جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا۔ جہاں تک خاص حضرت آدمؑ کی ذات کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کو معاف فرما دیا بلکہ منصب نبوت پر بھی سرفراز فرمایا جیسا کہ سورۃ آلِ عمران میں فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔

(آیت ۳۳)

ترجمہ: "اللہ نے آدم اور نوح اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر

(اپنی رسالت کے لئے) منتخب کیا تھا۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر زمین پر کس جگہ اُتارا؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں ایک قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جَبلِ صفا (مکہ) پر اتارا گیا اور حضرت حوا علیہا السلام کو جَبَلِ مَروَہ پر۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو ہندوستان (یا سری لنکا) میں اُتارا گیا اور حضرت حوّا کو جدہ میں۔ دونوں ایک دوسرے کو ڈھونڈتے ہوئے مزدلفہ کے مقام پر ایک دوسرے کے قریب آئے اور عرفات کے مقام پر دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا اور نہ یہ کوئی اعتقادی مسئلہ ہے کہ اس میں کوئی فتویٰ صادر کیا جائے۔ مختصر یہ کہ دنیا میں آکر حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی باڑی کو ذریعہء معاش بنایا۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے لوہا سازی کا کام بھی سیکھ لیا۔ حضرت حوّا نے ایک نیک بیوی کی طرح ان کا پورا پورا ساتھ دیا انہوں نے کھانا پکانا اور اون کاتنا سیکھ لیا اس طرح پیٹ بھرنے اور تن ڈھانپنے کا مسئلہ حل ہو گیا۔ (ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیج کر حضرت حوّا کو جُبہ کُرتا، دوپٹہ وغیرہ بنانے کا کام سکھایا)

ان دونوں ہستیوں کے ذریعے (حکمِ الٰہی کے مطابق) نسلِ انسانی کی افزائش کا یہ اہتمام ہوا کہ حضرت حوّا کے بطن سے توام (جوڑا) بچے پیدا ہوتے ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ حضرت آدم علیہ السلام ایک حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی کا عقد دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے بچوں (لڑکی اور لڑکے) کے ساتھ کر دیا کرتے اس طرح دنیا انسانوں سے آباد ہو گئی۔

دونوں میاں بیوی نے اپنے خالق و مالک کی عبادت کے لئے عبادت گاہ بھی بنائی۔ ایک روایت کے مطابق یہ عبادت گاہ اس جگہ تعمیر کی گئی جہاں آج کل کعبہ شریف ہے۔ گویا بیت اللہ پہلے پہل حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام نے تعمیر کیا)

(ازواج الانبیاء، صفحہ ۴۶ بحوالہ شفاء الغرام اخبار البلد الحرام للفاسیؒ)

اپنی زندگی کی مقررہ میعاد پوری کرنے کے بعد حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما لسلام نے سرزمینِ عرب ہی میں وفات پائی۔ پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے سفرِ آخرت اختیار کیا ان

کے انتقال کے کوئی ایک سال بعد حضرت حوا علیہا السلام نے بھی پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ جدہ (سعودی عرب) میں ایک پرانی قبر کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ حضرت حوا علیہا السلام کی ہے

واللہ اعلم بالصّواب

☆☆☆☆
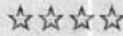
حضرت سارہ علیہا السّلام

حضرت سارہ علیہا السلام، جدّۂ الانبیا سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کی پہلی بیوی تھیں ۔ ایک روایت کے مطابق وہ آپؑ کے چچا ہارون الاکبر کی صاحبزادی تھیں ۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ حرّان کے بادشاہ کی بیٹی تھیں ۔ بہر صورت ان کا تعلق ایک نہایت معزّز خاندان سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہؑ کو حسنِ صورت اور حُسنِ سیرت دونوں سے نوازا تھا۔ وہ اپنے شوہرِ نامدار پر بلا تامّل ایمان لے آئیں اور دُکھ سُکھ ہر حال میں آخری دم تک ان کا ساتھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ۲۰۵۸ قبل مسیح میں اپنے وطن عراق سے شام وفلسطین کے علاقے حرّان (ارضِ کنعان) کی طرف ہجرت کی تو ان کے ساتھ صرف دو نفوس تھے، ایک ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السّلام اور دوسری ان کی اہلیہ حضرت سارہؑ۔[1]

---

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام ۲۱۶۰ قبل مسیح میں عراق کے شہر اُر میں پیدا ہوئے۔ شہر اُر اس زمانے میں نمرود خاندان کا دارالحکومت تھا (عراق کے اس خاندان کے تمام بادشاہوں کا لقب نمرود تھا)۔ اُر جنوبی عراق میں دریائے فُرات کے کنارے آباد تھا آج کل وہاں تل العبید نام کا شہر واقع ہے۔ اُر شہر تجارت وتمدن کا بہت بڑا مرکز تھا اور ساتھ ہی شرک کا بہت بڑا گڑھ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری قوم سورج، چاند، ستاروں اور بتوں کی پرستش کرتی تھی اور ان کا بادشاہ خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ لوگ اس کو بھی دیوتا سمجھ کر پوجتے تھے۔ حضرت

بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر

ہجرت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی۔انہوں نے چلتے وقت دُعا کی:
''میرے پروردگار مجھے صالح اولاد عطا فرما'' ان کی یہ دُعا طویل مدت کے بعد پوری ہوئی اُس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارضِ کنعان کے شہر حران میں قیام کیا۔ کچھ مدت کے بعد کنعان میں قحط پڑا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہؓ کے ساتھ مصر تشریف لے گئے۔اس وقت فراعنہ کے پہلے خاندان کا ایک فرعون مصر کا فرمانروا تھا۔فرعون نے حضرت سارہؓ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زبردستی چھین لیا اور اپنے محل میں لے گیا۔حضرت سارہؓ کے لئے یہ بڑی مصیبت اور آزمائش کا وقت تھا۔فرعون بُری نیت سے ان کی طرف بڑھا تو انہوں نے رو کر اللہ سے دُعا مانگی کہ اے پروردگار مجھے اس ظالم سے بچالے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول کر لی اور بادشاہ کو ایک ایسی بیماری میں مبتلا کر دیا جس سے وہ اپنے ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکتا تھا اور اسے یوں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

ابراہیم علیہ السلام نے جوان ہو کر اپنی قوم کو شرک سے باز آنے اور ایک اللہ کی پرستش کرنے کی تلقین کی (یعنی قوم کو توحید یا اسلام کی دعوت دی) تو ساری قوم مخالف ہو گئی کہ ان کا باپ بھی ان کا دشمن ہو گیا۔انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت ڈرایا دھمکایا کہ وہ دعوت الی اللہ کا کام چھوڑ دیں لیکن وہ برابر تبلیغ حق میں مشغول رہے۔ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام موقع پا کر اپنی قوم کے بڑے بُت کدے میں گئے اور وہاں رکھے ہوئے تمام بتوں کو توڑ ڈالا۔اس وقت شہر کے لوگ ایک میلے میں گئے ہوئے تھے انہوں نے میلے سے واپس آکر اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا تو آگ بگولا ہو گئے اور حضرت ابرہیم علیہ السلام سے جا کر پوچھا، کیوں ابراہیم ہمارے بتوں کو تم نے توڑا ہے؟ انہوں نے فرمایا، اس بڑے بت سے پوچھ لو۔۔۔۔حضرت ابراہیم کا مقصد اپنی قوم کے لوگوں پر ان بتوں کی بے بسی واضح کرنا تھا۔یہ بے بسی تو ان پر واضح ہو گئی لیکن وہ اپنی گمراہی ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور بادشاہ کو ساتھ ملا کر دہکتی ہوئی آگ کا ایک الاؤ تیار کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینک دیا۔اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے سلامتی (باغ) بنا دیا اور وہ اس میں سے زندہ سلامت نکل آئے اس واقعہ کے بعد (حکم الٰہی کے مطابق) وہ وطن سے ہجرت کر کے حران چلے گئے۔اسے اس زمانے میں کنعان کہا جاتا تھا۔ (رحمۃ للعالمین جلد۲ص ۴۵۔۴۶)

محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ اللہ کی پیاری کوئی بہت نیک خاتون ہے۔ اب اس نے بڑی لجاجت کے ساتھ ان سے معافی چاہی اور درخواست کی کہ وہ اس کی صحت کے لیے دُعا کریں۔ حضرت سارہؓ نے دعا کی کہ الٰہی یہ اپنے کیے پر پچھتا رہا ہے اس کو اپنی رحمت سے اچھا کردے۔ ان کی یہ دُعا بھی فوراً درِ اجابت پر پہنچ گئی اور بادشاہ اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔ ٹھیک ہو کر اس نے حضرت سارہؓ کی بہت تعظیم و تکریم کی اور نہ صرف انہیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو واپس دے دیا بلکہ ہاجرہ نامی اپنی بیٹی کی شادی بھی یہ کہہ کر حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے کر دی کہ میری بیٹی کا اس گھر (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت سارہؓ کے گھر میں) کنیز بن کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ بن کر رہنے سے بہتر ہے۔

اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے بہت سی کنیزیں غلام، مال، مویشی اور تحائف بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہؓ کی نذر کیے۔[1] (سیرت سرور عالم جلد ۲ صفحہ ۵۳)

مصر سے کنعان واپسی

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کچھ مدت مصر میں مقیم رہ کر تبلیغ حق کرتے رہے پھر وہ حضرت سارہؓ، حضرت ہاجرہؓ اور حضرت لُوطؑ کو ساتھ لے کر ملک کنعان کو واپس تشریف لائے اور فلسطین کے ایک گاؤں حَبرُوْن میں اقامت اختیار فرمائی۔ یہ گاؤں مسلمانوں کے قبلہ اوّل بیت المقدس کے قریب واقع ہے اور آج کل ''الخلیل'' کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام سالہا سال تک شام، فلسطین اور ریگستانِ عرب کے مختلف گوشوں تک گشت لگا کر لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے رہے۔ ان کے بھتیجے حضرت لُوط علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے منصب نبوّت پر فائز فرمایا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو سدوم بھیج دیا جو وادی اُردن میں

---

[1] ایک روایت کے مطابق حضرت ہاجرہ ان کنیزوں میں شامل تھیں جو بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہدیے میں دیں۔ وہ ایک قریہ کی رہنے والی تھیں جس کو ام العرب یا ام العریک کہتے ہیں یہ شرقی مصر میں فرما کے آگے بحرِ روم کے ساحل سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے آج کل اس کا نام تل الفرما ہے۔ بعض علماء نے اس روایت کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت ہاجرہ بادشاہ کی بیٹی تھیں۔

(سیرت سرور عالم ج ۲ ص ۵۳)

بحیرۂ مُر دار (بحرِ میّت) کے کنارے ایک بڑا شہر تھا۔ وہاں کے باشندے سخت بدکار تھے اور خلاف وضعِ فطری ''ہم جنسی یا لواطت'' میں مبتلا تھے۔ حضرت لوط علیہ السّلام ان لوگوں کی ہدایت پر مامور ہوئے۔ (ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے حضرت لوط علیہ السّلام کو مصر ہی سے سدوم بھیج دیا تھا)۔ [1]

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی ولادت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اسّی برس سے اُوپر ہو چکی تھی لیکن وہ ابھی تک بے اولاد تھے حالانکہ وطن سے ہجرت کرتے وقت وہ ایک صالح بیٹے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کر چکے تھے۔ آخر ان کی دُعا پوری ہونے کا وقت آ گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بشارت دی کہ ہم تجھے ایک بردبار بیٹا عطا کریں گے چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت ہاجرہ کے بطن سے ایک بیٹا عطا فرمایا جس کا نام انہوں نے اسمٰعیل رکھا۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی عمر چھیاسی ۸۶ برس کی تھی۔

اب تک تو حضرت سارہؓ اور حضرت ہاجرہؓ کا قیام ایک ہی گھر میں تھا لیکن تھوڑی ہی مدت کے بعد ان دونوں میں جدائی ہو گئی۔ حضرت سارہؓ تو مستقلاً حبرُون ہی میں مقیم رہیں مگر حضرت ہاجرہؓ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام وادی فاران میں چھوڑ آئے جہاں وہ اپنی وفات تک مقیم رہیں۔ وہیں شہر مکّہ آباد ہوا، کعبۃ اللہ تعمیر ہوا اور حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کا واقعہ پیش آیا۔ (ان واقعات کی تفصیل آگے حضرت ہاجرہؓ کے حالات میں آ رہی ہے)

---

[1] حضرت لوط علیہ السلام نے اہلِ سدوم کو بہت سمجھایا کہ اپنے فعلِ بد سے باز آ جاؤ لیکن انہوں نے اُن کی ایک نہ سنی بلکہ ان کو شہر سے نکال دینے کی دھمکیاں دیں۔ ان کی ڈھٹائی کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت لوط علیہ السّلام نے ان کو عذاب الٰہی سے ڈرایا تو کہنے لگے، اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔ (سورۃ عنکبوت ۲۹:) آخر ان پر عذاب نازل ہونے کا وقت آ پہنچا۔ ایک دن سورج نکلتے نکلتے ایک چنگھاڑ نے ان کو آ پکڑا اور ان پر کھنگروں (ایک قسم کے پتھروں) کی بارش ہوئی اور ساری بستی اپنے بدکار اور سرکش باشندوں سمیت آناً فاناً تباہ ہو گئی۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو پہلے ہی اللہ نے بستی سے نکال لیا، یوں ان کو بچا لیا۔

(الحجر ۷۲تا۷۶ ، القمر ۳۴۔۳۷۔۳۹)

حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت

حضرت ابراہیم علیہ السلام وقتاً فوقتاً حبرون سے مکہ معظمہ (حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے پاس) جاتے رہتے تھے۔ بیٹے (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) کی قربانی کے واقعہ (جس کی تفصیل حضرت ہاجرہ کے حالات میں دی گئی ہے) کے بعد وہ مکہ معظمہ سے واپس حبرون تشریف لائے تو چند دن کے بعد ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا وہ یہ کہ ایک دن جب وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، دو فرشتے انسانی صورت میں اُن کے پاس آئے اور عارضی طور پر اُن کے ہاں قیام کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے وہ اپنے ان مہمانوں کی ضیافت کے لئے ایک بھُنا ہوا بچھڑا لے آئے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ ان مہمانوں نے کھانے کی طرف مطلق ہاتھ نہیں بڑھایا تو وہ جان گئے کہ یہ فرشتے ہیں مگر یہ خیال کر کے ڈر گئے کہ شاید ان کی بستی سے کوئی ایسا قصور ہو گیا ہے جس کی گرفت کے لیے یہ انسانی صورت میں نازل ہوئے ہیں (کیونکہ فرشتوں کا علانیہ انسانی شکل میں آنا غیر معمولی حالات میں ہوا کرتا ہے) اس وقت دونوں فرشتے یوں گویا ہوئے:

"ڈریئے نہیں، ہم تو لُوطؑ کی مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسا دیں جو آپ کے ربّ کے ہاں حد سے گزر جانے والوں کے لئے نشان زدہ ہیں"

ساتھ ہی انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ذی علم لڑکے اسحاقؑ کی پیدائش اور اسحاق کے بعد یعقوبؑ کی پیدائش کا مژدہ سنایا۔ حضرت سارہ علیہا السلام قریب ہی کھڑی تھیں۔ اس وقت تک ان کی کوئی اولاد نہ ہوئی تھی اور وہ نوّے برس کی عمر کو پہنچ چکی تھیں۔ وہ فرشتوں کے منہ سے لڑکے کی پیدائش کی خوشخبری سن کر چیختی ہوئی آگے بڑھیں اور بولیں "ہائے میری کم بختی! کیا اب میرے ہاں اولاد ہوگی جبکہ میں بڑھیا پھونس (بانجھ) ہو گئی اور میرے میاں بھی بوڑھے ہو چکے (حضرت ابرہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت سَو برس کی تھی) یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔" فرشتوں نے کہا، اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو؟ ابراہیم کے گھر والو، تم لوگوں پر تو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں اور یقیناً اللہ نہایت قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے"

(سورۃ ہود، ۷۱ تا ۷۳، الذٰریٰت ۲۸۔۲۹)

حضرت ابراہیم علیہ السّلام یہ عظیم الشان خوشخبری سن کو خوش ہوئے [1]۔ پھر انہوں نے بارگاہ الٰہی میں باصرار التجا کی کہ قومِ لوطؑ پر سے عذاب ٹال دیا جائے مگر ان کو جواب ملا کہ یہ قوم اب خیر سے خالی ہو چکی ہے اور ان کے جرائم اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ اب ان پر عذاب آکر رہے گا یہ کسی طرح نہیں ٹل سکتا۔

اس کے بعد دونوں فرشتے اپنی منزلِ مقصود (سدوم) کی طرف روانہ ہو گئے۔ کوئی ایک سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو حضرت سارہ علیہا السّلام سے حضرت اسحٰق علیہ السّلام عطا کیے۔ حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السّلام کا دوسرا نام یا لقب اسرائیل تھا اسی نسبت سے ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تک بڑی تعداد میں پیغمبر ہوئے۔

حضرت سارہ علیہا السّلام کو اللہ تعالیٰ نے طویل زندگی عطا کی۔ ان کے سامنے حضرت اسحٰق علیہ السّلام جوان ہوئے، ان کی شادی ہوئی ان کے فرزند حضرت یعقوب علیہ السّلام حضرت سارہؑ کے سامنے ہی پیدا ہوئے۔ یوں انہوں نے اپنے پوتے سے بھی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ ان کی زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر و شکر سے ہر وقت تر رہتی یہاں تک کہ قانونِ قدرت کے مطابق ان کا وقتِ آخر آپہنچا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات ہی میں وفات پا گئیں۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن

ان کو فلسطین کے شہر الخلیل میں سپرد خاک کیا گیا۔

☆☆☆

---

[1] یہ کوئی معمولی خوشخبری نہیں تھی۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ کو اس وقت دی گئی جب وہ اس عمر کو پہنچ چکے تھے جس میں عام قوانینِ طبیعت کی رو سے اولاد پیدا نہیں ہوتی۔ سن رسیدہ حضرت سارہ علیہا السلام تمام عمر بے اولاد رہ کر اس کی طرف سے قطعی مایوس ہو چکی تھیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی شاندار اولاد دی جو دنیا میں آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام مسلسل تین پشتوں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام کی اولاد میں نبوت قائم رہی۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام

حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نکاح اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت کا ذکر حضرت سارہ علیہا السلام کے ترجمہ میں آ چکا ہے۔ اب ہم ان حالات و واقعات کا ذکر کریں گے جو حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت کے بعد پیش آئے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ابھی دودھ پیتے بچے ہی تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اپنی بیوی (ہاجرہؓ) اور بچے (حضرت اسمٰعیلؑ) کو عرب کی فلاں ناقابلِ کاشت وادی (وادغیر ذی زرع) میں چھوڑ آؤ اس وادی کو ''وادیٔ فاران'' بھی کہا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور ننھے بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر حبرون سے نکلے اور طویل سفر طے کر کے حجاز کی اس سنسان اور بنجر وادی میں داخل ہوئے جس میں بعد ازاں کعبۃ اللہ تعمیر ہوا اور شہر مکّہ آباد ہوا۔ انہوں نے بیوی اور بچے کو ایک درخت کے نیچے چھوڑ دیا جہاں بعد میں زم زم نکلا (یہ خاص جگہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اِلقا ہوئی)۔ اس سنسان وادی میں اس وقت نہ کوئی آبادی تھی اور نہ کہیں پانی موجود تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چمڑے کا ایک تھیلا جس میں کھجوریں تھیں اور پانی کا ایک مشکیزہ حضرت ہاجرہؓ کو دیا اور ان کو اللہ کے سہارے پر چھوڑ کر واپس چل دیے۔ حضرت ہاجرہؓ ان کے پیچھے چلیں اور پکار کر کہا، اے ابراہیم! آپ ہمیں اس ویرانے میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہ بات انہوں نے کئی مرتبہ کہی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر حضرت ہاجرہؓ نے کہا، کیا آپ کو اللہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، ہاں۔ یہ سن کر حضرت ہاجرہؓ بولیں، اگر یہ معاملہ ہے تو اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ پھر وہ لوٹ کر ننھے اسمٰعیلؑ کے پاس آ بیٹھیں۔

اُدھر حضرت ابرہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہو چکا تھا کہ جس جگہ انہوں نے بیوی بچے کو چھوڑا ہے، اسی کے قریب اللہ کا گھر تعمیر ہوگا۔ چنانچہ وہ پہاڑ کی اوٹ میں پہنچے جہاں سے یہ ماں بیٹے نظر نہ آتے تھے تو انہوں نے اُس جگہ کی طرف منہ کر کے دُعا کی۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ۔

(سورۃ ابراہیم آیت ۳۷)

(اے اللہ میں نے اس بے آب وگیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے تا کہ پروردگار یہ یہاں نماز قائم کریں لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے تا کہ یہ تیرے شکر گزار بندے بنیں)

اِدھر جب حضرت ہاجرہؓ کے پاس مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا تو ماں بیٹے کو پیاس نے سخت ستانا شروع کر دیا۔ ماں کا دودھ اُترنا بھی بند ہو گیا۔ حضرت ہاجرہؓ نے خود تو صبر کیا لیکن بچے نے بھوک پیاس سے تڑپنا شروع کر دیا۔ حضرت ہاجرہؓ بے قرار ہو کر پاس کی پہاڑی صفا پر چڑھ گئیں تا کہ کوئی آدمی یا قافلہ نظر آئے تو اس کو مدد کے لئے بلائیں مگر جب کوئی نظر نہ آیا تو وہ قریب کی دوسری پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں مگر وہاں سے بھی کوئی نظر نہ آیا۔ اس طرح سخت بے قراری کی حالت میں انہوں نے صفا اور مروہ کے درمیان سات پھیرے کیے اور اُن پر چڑھیں اتریں [1] آخری مرتبہ جب وہ مروہ کی پہاڑی پر چڑھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا دوسری مرتبہ پھر یہ آواز سنی تو پکار کر کہا ''اے اللہ کے بندے تو نے اپنی آواز تو سنا دی کیا تیرے پاس میری مصیبت دور کرنے کے لئے کچھ ہے؟''

یکا یک انہوں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اس مقام پر دیکھا جہاں آج کل زم زم کا کنواں ہے وہ اپنی ایڑی یا بازو سے زمین سے مٹی کھود رہے تھے یہاں تک کہ وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ بعض روایتوں میں حضرت جبریل علیہ السلام کا نام نہیں لیا گیا بلکہ ''ایک فرشتہ''

---

[1] صفا اور مروہ کی درمیان حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے سات پھیروں کو بارگاہ ربّ العزت میں یہ مرتبہ حاصل ہوا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سات پھیرے سعی کے نام سے ہر مسلمان کے لئے تا قیامت حج اور عمرہ کے لازمی رکن قرار پائے۔ کسی بڑی سے بڑی ہستی کو ''سعی'' سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔

کہا گیا ہے اس طرح ایک روایت یہ بھی ہے کہ جہاں ننھے اسمٰعیل اپنی ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں حضرت ہاجرہؑ کو کچھ نمی نظر آئی، انہوں نے وہاں سے مٹی ہٹائی تو زمین سے پانی اُبل اُبل کر باہر آنے لگا۔

زیادہ تر اربابِ سِیَر نے اس سلسلے میں "حضرت جبریلؑ" یا "ایک فرشتے" کا ذکر کیا ہے۔ صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو اللہ تعالیٰ کی مشیّت یہی تھی کہ وہ اس بے آب و گیاہ وادی میں اپنی قدرتِ کاملہ سے پانی جاری کر دے۔ حضرت ہاجرہؑ فوراً پہاڑی سے اتریں اور پانی نکلنے والی جگہ پہنچیں۔ انہوں نے پہلے بچے کو پانی پلایا پھر خود پیا۔ اس کے بعد لپ بھر بھر کر پانی مشکیزے میں بھرنے لگیں۔ جوں جوں وہ پانی بھرتی گئیں پانی اُبل اُبل کر اوپر آتا رہا۔ حضرت ہاجرہؑ نے اوپر آنے والے پانی کے چاروں طرف مٹی ڈال کر اسے گھیر لیا اور بولیں "زم زم" (یعنی رُک جا) پانی بہنے سے رُک گیا لیکن وہاں موجود رہا۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ اسمٰعیلؑ کی ماں پر رحمت فرمائے اگر وہ زم زم کو اسی حالت میں چھوڑ دیتیں تو زم زم بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔

اُس وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت ہاجرہؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تم اپنے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ کرو، یہاں یہ بچہ اور اس کا باپ دونوں مل کر اللہ کے گھر کی تعمیر کریں گے اور اللہ اس گھر کے لوگوں کو ضائع نہیں کرے گا"۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور حضرت ہاجرہؑ وہیں رہنے لگیں۔

زم زم کے اِرد گرد شہر مکّہ آباد ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد قحطانی عربوں کے ایک قبیلے جُرہُم کا ایک قافلہ اُدھر سے گزرا اس بیابان میں پانی دیکھ کر ان لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے حضرت ہاجرہؑ سے وہاں آباد ہونے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اس شرط پر اجازت دے دی کہ چشمے کی مالک وہی رہیں گی۔ چنانچہ جُرہُم کا قبیلہ وہیں آباد ہو گیا۔ آہستہ آہستہ ان کی آبادی بڑھتے بڑھتے ایک بڑی بستی کی صورت اختیار کر گئی جسے اللہ تعالیٰ نے بکّہ کا نام دیا۔ یہی اب مکّہ کے نام سے مشہور ہے اور ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے ہدایت کا مرکز ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بنی جُرہُم ہی میں پلے بڑھے اور اُنہی سے عربی زبان سیکھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بچے کو اس وادی میں چھوڑ کر واپس خیرو دن چلے گئے۔ ان کو پورا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ ان کی حفاظت کرے گا(کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کے مطابق ان کو اس بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑا تھا)۔ کچھ عرصہ بعد وہ اُن کو دیکھنے یہاں آئے تو وہاں پانی کے کنارے ایک بستی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد وہ کبھی کبھی حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی خبر گیری کے لئے مکہ آتے اور کچھ دن ان کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے۔

بیٹے کی قربانی

ایک دفعہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں ٹھہرے ہوئے تھے انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے پیارے (پہلوٹھے اور اکلوتے) بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ اُس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سیانے ہو چکے تھے اور والد کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ یہ خواب دیکھ کر حضرت ابراہیم سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنی سب سے پیاری چیز کی قربانی چاہتا ہے اور یہ سب سے پیاری چیز حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑھاپے میں عطا کیے تھے۔ اپنے رَبّ کا اشارہ پاتے ہیں وہ فوراً محبوب فرزند کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ قرآن حکیم میں دنیا کی تاریخ کے اس
عدیم المثال واقعہ کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

ترجمہ: ”جب وہ لڑکا اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک دن) ابراہیم نے اس سے کہا، بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب تم بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟ اس (بیٹے) نے کہا، ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، اسے کر ڈالیے، اِن شاء اللہ آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ جب دونوں نے حکمِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے کے لئے) پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے پکارا، اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں (بیٹے کی جگہ مینڈھے کی قربانی ہو گئی) بلاشبہ یہ ایک کھلی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا“
(الصّٰفّٰت ۱۰۲ تا ۱۰۷)

یہ واقعہ مکہ معظمہ میں منٰی کے مقام پر پیش آیا تھا۔ اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر ۱۳ سال

کی تھی اس کی مزید تفصیل کُتب حدیث میں دیکھی جاسکتی ہے۔

خانہ ءکعبہ کی تعمیر

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام جوان ہوئے تو اُن کی شادی بنو جُرہم کی ایک لڑکی سے ہوگئی مگر حضرت ابراہیم علیہ السّلام جب ایک دفعہ حبرُون سے مکّہ آئے تو اُن کو بہو کے خصائل پسند نہ آئے اس لیے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نے اسے چھوڑ کر ایک اور لڑکی سے شادی کر لی۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اس بہو کی سیرت و کردار کو پسند فرمایا۔ اس سے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے بارہ لڑکے پیدا ہوئے جن سے ان کی نسل چلی اور سارے عرب میں پھیل گئی۔

حضرت ہاجرہؑ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی پہلی شادی کے بعد ہی فوت ہوگئی تھیں تاہم حضرت ابراہیم علیہ السّلام وقتاً فوقتاً حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام سے ملنے کے لیے تشریف لاتے رہتے تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی عمر تیس برس کی ہوئی تو ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السّلام اچانک مکّہ تشریف لائے۔ اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام زم زم کے قریب ایک درخت کے نیچے اپنے تیر بنا رہے تھے۔ اپنے والدِ گرامی کو دیکھتے ہی تعظیماً کھڑے ہوگئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے انہیں گلے لگالیا اور فرمایا:

"اسمٰعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے"

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نے عرض کیا، ابا جان اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس کام کا حکم دیا ہے وہ ضرور کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے پوچھا، کیا اس کام کی انجام دہی میں تم میری مدد کرو گے؟

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے کہا، جی ہاں، میں آپ کی مدد کروں گا۔

اب حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے قریب کی ایک زمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، اللہ نے مجھے یہاں ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔

یہ جگہ اردگرد کی زمین سے کچھ بلند تھی۔ اس کے بعد دونوں باپ بیٹوں نے خانہ ءکعبہ (بیت اللہ) کی بنیادیں اٹھائیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام قریبی پہاڑوں سے پتھر اُٹھا کر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام انہیں ایک دوسرے کے اُوپر رکھ کر جوڑتے جاتے تھے جب دیواریں اتنی بلند ہوگئیں کہ وہاں سے اُوپر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ہاتھ نہیں پہنچتا تھا تو انہوں نے ایک

بڑا پتھر لا کر دیوار کے ساتھ رکھ دیا اور اس پر کھڑے ہو کر باقی کام پورا کیا۔ یہی پتھر ہے جو مقامِ ابراہیمؑ کے نام سے مشہور ہے۔

خانہء کعبہ ہی کی ایک دیوار میں ایک خاص بلندی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حجرِ اسود بھی نصب فرمایا۔ یہ بڑی برکت اور عزت والا پتھر ہے۔ خانہء کعبہ کا طواف کرتے وقت اس کو بوسہ دینا سُنّتِ نبویؐ ہے۔ خانہء کعبہ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بخوبی کیا جا سکتا ہے:

''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا جو بکّہ میں تعمیر ہوا، برکت والا گھر اور سارے جہان والوں کے لئے (مرکزِ ہدایت) اس میں (اللہ کی) کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیمؑ ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہو جاتا ہے اس کو امن مل جاتا ہے''

(آل عمران ۹۶۔۹۷)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی دُعا

جس وقت اللہ تعالیٰ کے دونوں جلیل القدر پیغمبر بیت اللہ شریف کی دیواریں اُٹھا رہے تھے تو ساتھ ساتھ یہ پُرسوز دُعا بھی کرتے جاتے تھے:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَ یُزَکِّیْهِمْ ؕ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ (البقرۃ:۱۲۷ تا ۱۲۹)

ترجمہ: ''اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اس گھر (خانہء کعبہ) کی دیواریں اُٹھا رہے تھے تو دُعا کرتے جاتے تھے، اے ہمارے پروردگار ہم سے ہماری یہ خدمت قبول فرما لے بے شک تو خوب سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنا پورا پورا فرمانبردار بنا لے، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری فرمانبردار ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا، اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اے

ہمارے پروردگار، ان لوگوں میں خود انہیں کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھا جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے، اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور اُن کی زندگیاں سنوارے۔ بے شک تو غالب اور بڑی حکمت والا ہے"

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں برگزیدہ ہستیوں کی دعائیں قبول فرمائی کہ تقریباً اڑھائی ہزار سال بعد ان کی اولاد سے ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے اور رسالت و نبوت کا سلسلہ آپؐ کے بعد قیامت تک کے لئے ختم ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو کعبہ کی دیکھ بھال اور اہل عرب کی ہدایت پر مامور فرمایا اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کو شام اور فلسطین کے لوگوں کی ہدایت پر۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حبرون میں ۱۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کی قبر بھی وہیں ہے۔ اس مقام کو اب "الخلیل" کہا جاتا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ:۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو پھلتے پھولتے دیکھا، ان کی اولاد کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور پھر ان کے سامنے ہی نوے سال کی عمر میں پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ ان کی آخری آرام گاہ حرم کی مقدس سرزمین ہی میں بنی۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت اسمٰعیل علیہ اسلام نے ایک سَو تین برس کی عمر میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ انہوں نے اپنے پیچھے بارہ بیٹے چھوڑے جن کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئی۔ باآخر ان کی نسل سے قبیلہ قریش نے مکہ کو اپنا مسکن بنایا اسی قبیلے اور شہر کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ اس میں خاتم الانبیا والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مُورثِ اعلیٰ ہیں ان کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"وہ وعدہ کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے نبی تھے
وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور اپنے
پروردگار کے ہاں پسندیدہ و برگزیدہ تھے"

(سورۃ مریم ۵۴-۵۵)

☆☆☆☆
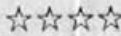
حضرت رفقہ بنتِ بتوئیل علیہا السّلام

حضرت رفقہ بنت بتوئیل علیہا السّلام کے کئی انبیاء علیہم السّلام سے قریبی رشتے تھے۔ وہ حضرت اسحٰق علیہ السّلام کی اہلیہ (حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی بہو)، حضرت یعقوب علیہ السّلام کی والدہ اور حضرت یوسف علیہ السّلام کی دادی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق وہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی بھتیجی اور حضرت اسحٰق علیہ السّلام کی عم زاد (چچا کی بیٹی) تھی۔ مؤرخین نے یہ تصریح نہیں کی کہ ان کے والد بتوئیل حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے حقیقی بھائی تھے یا کسی اور رشتے سے بھائی ہوتے تھے۔ بتوئیل کی مستقل اقامت حران میں تھی۔ حضرت اسحٰق علیہ السّلام نے اپنے والدِ گرامی کے حکم کے مطابق حران جاکر رفقہ سے شادی کی تھی۔ اُن سے ان کے دو جڑواں بچے پیدا ہوئے، العیص اور یعقوبؑ۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے منصبِ نبوت پر سرفراز فرمایا اور پھر ان کے فرزند حضرت یوسف علیہ السّلام کو بھی نبوت عطا فرمائی مؤرخین نے حضرت رفقہ کے حالاتِ زندگی پر روشنی نہیں ڈالی لیکن ایک ایسی خاتون جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کی بہو اور ایک جلیل القدر نبی کی اہلیہ ہو اور جس کی آغوشِ تربیت میں ایک نبی (حضرت یعقوب علیہ السّلام) نے پرورش پائی ہو، اس کی صالحیت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆

حضرت رعلہ علیہا السّلام

پیچھے بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے حبرون (فلسطین) کو اپنی مستقل قیام گاہ بنالیا تھا تاہم وہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل سے ملنے کے لیے گاہے بگاہے وادی فاران میں آتے رہتے تھے۔ اس طرح طویل عرصہ گزر گیا اس دوران میں شہر مکّہ آباد

ہو گیا، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بنو جُرہُم میں پلتے بڑھتے رہے، قربانی کا واقعہ پیش آیا جس میں دونوں باپ بیٹے آزمائش میں پورے اترے، کعبہ مشرفہ کی تعمیر بھی ہو گئی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی بھی بنو جُرہم کی ایک خاتون صدٰی بنتِ سعد سے ہو گئی۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام حَبرُون میں تھے (یعنی یہ شادی ان کی غیر حاضری میں ہوئی) کچھ عرصہ بعد وہ حَبرُون سے مکّہ معظمہ تشریف لائے۔ اب کی بار ان کے دورۂ مکّہ سے پہلے حضرت ہاجرہؓ کا قضائے الٰہی سے انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرزندِ گرامی کے گھر پہنچے اور دروازے پر کھڑے ہو کر بآوازِ بلند گھر والوں کو سلام کیا۔ اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر سے باہر اپنے کام پر گئے ہوئے تھے اور صرف ان کی اہلیہ صدٰی گھر میں موجود تھی۔ یہ خاتون اطوار و عادات اور مزاج کے اعتبار سے اُس بلند معیار پر پورا نہیں اترتی تھی جو ایک جلیل القدر پیغمبر کی اہلیہ کے شایانِ شان ہو۔ اُس نے دروازے پر آ کر بڑی رکھائی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلام کا جواب دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے پوچھا، اسمٰعیل کہاں ہے؟

اس نے بڑے خشک لہجے میں جواب دیا، ہمارے لئے رزق کے حصول کے لیے گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا، کیا تمہارے ہاں قیام کرنے کی جگہ ہے؟

صدٰی نے ناگواری کے ساتھ کہا، واللہ نہیں۔

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے پوچھا، اگر تمہارے ہاں کوئی مہمان آئے تو کیا تم لوگ اس کی خدمت کرتے ہو؟

صدٰی نے جواب دیا، ہم تو غریب لوگ ہیں بڑی مشکل سے گزر اوقات ہوتی ہے، مہمان کی کیا خدمت کریں گے۔

صدٰی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گھر کے اندر آ کر آرام کرنے کے لئے بھی نہ کہا۔ اس پر وہ بڑے دل برداشتہ ہوئے اور صدٰی سے کہا، اسمٰعیل گھر آئے تو اسے سلام دینا اور میرا یہ پیغام دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل ڈالے۔

یہ فرما کر حضرت ابراہیم علیہ السلام مکّہ سے حَبرُون روانہ ہو گئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر واپس آئے تو صدٰی نے انہیں بتایا کہ آپ کی غیر حاضری میں ایک بوڑھے آدمی یہاں آئے تھے اور آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سمجھ گئے کہ وہ

بوڑھے آدمی اُن کے والدِ گرامی تھے۔اب ان کے استفسار پر صدیٰ نے اس ساری گفتگو کی روداد سنائی جو اس کے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے درمیان ہوئی تھی۔اس کو سن کر حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کو بہت دُکھ پہنچا۔ان کو یہ اُمید نہیں تھی کہ ان کی بیوی ان کے والدِ گرامی کے ساتھ ایسی بدتمیزی سے پیش آئے گی ایسا رَویّہ تو کسی عام مہمان کے ساتھ بھی جائز نہ تھا اور پھر جب صدیٰ نے ان کو والدِ گرامی کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ بوڑھے آدمی میرے والدِ بزرگوار تھے اور جو پیغام انہوں نے دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمیں طلاق دے دوں لہٰذا میں ان کے حکم کی تعمیل میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔تم اپنے گھر والوں کے پاس جا سکتی ہو۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نے بنی جرہم کی ایک اور خاتون رعلہ بنتِ مضاض سے شادی کر لی۔وہ نہایت نیک سیرت اور خوش اطوار خاتون تھیں۔انہوں نے چند دنوں کے اندر ہی ثابت کر دیا کہ وہ حقیقی معنوں میں اللہ کے ایک جلیل القدر نبی کی اہلیہ بننے کی اہل ہیں۔اس شادی کے کافی عرصہ کے بعد ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السّلام اچانک مکّہ معظمہ تشریف لائے اور سیدھے اپنے فرزندِ گرامی کے گھر پہنچے۔اتفاق سے اس دن بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام گھر پر نہیں تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا، اے گھر والو! تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔حضرت رعلہ اپنی فراستِ باطنی سے پہچان گئیں کہ یہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں اور ان کا حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام سے قریبی تعلق ہے۔انہوں نے بڑے تپاک سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے سلام کا جواب دیا اور ان کو گھر کے اندر تشریف لانے کی دعوت دی۔حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے بارے میں پوچھا تو حضرت رعلہؓ نے بڑے ادب سے کہا کہ وہ رزقِ حلال کی تلاش میں گئے ہیں۔

اس کے بعد جلیل القدر خسر اور بہو میں اس طرح گفتگو ہوئی:

حضرت ابراہیم علیہ السّلام: تم لوگ کس حال میں ہو؟

حضرت رعلہ علیہا السّلام: الحمدللہ، ہم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت نعمتیں دے رکھی ہیں۔آپ کچھ دیر آرام فرمالیں پھر میں کھانا پیش کروں گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام: تم لوگ بالعموم کیا کھاتے پیتے ہو؟

حضرت رعلہؓ: الحمدللہ ہماری خوراک میں گوشت، دودھ، پانی سب نعمتیں ہوتی ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ: کیا تمہیں اناج آسانی سے میسر ہو جاتا ہے؟

حضرت رعلہؓ: اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت کچھ دے رکھا ہے۔ اِن شاء اللہ اناج بھی جلد ہی آسانی سے میسر ہونے لگے گا۔

اپنی نیک طینت بہو کی باتیں سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت خوش ہوئے۔ ان کے حسنِ سلوک اور مؤدبانہ طرزِ عمل سے ان کو اطمینان ہو گیا کہ میری یہ بہو واقعی ایک نبی کی بیوی بننے کے اہل ہے۔ انہوں نے میاں بیوی کے حق میں دعائے خیر کی اور بہو سے فرمایا، میں زیادہ دیر یہاں قیام نہیں کر سکتا، جب اسمٰعیل گھر لوٹے تو اس کو میرا سلام کہنا اور پیغام دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ قائم رکھو، اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس مخزن تشریف لے گئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر لوٹے تو حضرت رعلہؓ نے انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تشریف آوری کا حال تفصیل کے ساتھ سنایا۔ اسے سن کر حضرت اسمٰعیلؑ کو دلی مسرت ہوئی اور جب حضرت رعلہؓ نے ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام دیا تو ان کی خوشی دوبالا ہو گئی اور انہوں حضرت رعلہؓ کو بتایا کہ میرے والد صاحب مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں ہمیشہ تمہیں اپنی رفیقہ حیات بنائے رکھوں۔ چوکھٹ سے ان کی مراد تمہاری ذات ہے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت رعلہ علیہا السلام کی عائلی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت دی۔ حضرت رعلہؓ کو ایسی نیک نسل ماں بننے کا شرف حاصل ہوا جسے اللہ جلّ شانہٗ نے ایک عظیم منصب اور مقصد کے لیے منتخب فرمایا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت رعلہ علیہا السّلام کو اللہ تعالیٰ نے بارہ بیٹے عطا کیے جن کی اولاد عرب کے مختلف علاقوں میں پھیل گئی۔ قریشِ مکّہ بھی ان کی نسل تھے۔ خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت اسی قبیلے میں ہوئی۔ حضرت رعلہ علیہا السّلام اللہ سے ڈرنے والی بڑی عبادت گزار خاتون تھیں انہوں نے اپنے شوہرِ نامدار کا ساتھ عمر بھر نہایت وفاداری کے ساتھ نبھایا اور اپنی زندگی کی مقرّرہ میعاد پوری ہونے پر مکّہ معظمہ میں وفات پائی۔

☆☆☆☆

حضرت راحیل علیہا السّلام

حضرت راحیل بنتِ لابان علیہا السّلام ، حضرت یعقوب علیہ السّلام (بن حضرت اسحٰق علیہ السّلام ، بن حضرت ابراہیم علیہ السّلام) کی زوجہ تھیں اور حضرت یوسف علیہ السّلام کی والدہ ماجدہ۔ حضرت راحیل علیہا السّلام کے والد لابان حضرت یعقوب علیہ السّلام کے ماموں تھے اور حران میں رہتے تھے۔ حضرت راحیل علیہا السّلام کی زندگی کے بارے میں چند روایات مختلف کتابوں میں ملتی ہیں لیکن ان میں سے کسی روایت کے بارے میں وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ صحیح اور مصدّقہ ہے یا یہ کہ اس روایت میں کس حد تک آمیزش کی گئی ہے اور اسے ''بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیبِ داستان کے لیے'' کا مصداق بنا دیا گیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السّلام اپنے والدِ گرامی حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے حکم کے مطابق ماموں کی بیٹی کا رشتہ مانگنے بیت المقدس سے حران گئے۔ جب انہوں نے ماموں سے رشتے کی بات کی تو انہوں نے یہ شرط رکھی کہ تم اتنے سال میرے یہاں کام کرو گے تو پھر میں تمہیں اپنا داماد بناؤں گا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ شرط منظور کر لی اور طویل عرصے تک ماموں کی خدمت کرتے رہے۔ اس کے بعد ان کی شادی حضرت راحیلؒ سے ہو گئی۔ ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو بیٹے پیدا ہوئے، حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین۔ اس روایت کے کئی پہلو کمزور ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام کی تو اور بیویاں بھی تھیں اور ان سے ان کی اولاد بھی تھی۔ (حضرت یوسف علیہ السّلام اور بنیامین کے بھائیوں کا قرآن حکیم میں بھی ذکر آتا ہے) پھر ان کو کارِ نبوت چھوڑ کر ماموں کی بیٹی سے شادی کے لیے طویل عرصے تک ان کے ہاں کام کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصل حقیقت کچھ اور ہے اور دوسری بے شمار اسرائیلی روایتوں کی طرح اس روایت میں بھی آمیزش کر دی گئی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السّلام کی والدین سے جدائی کے قصے کو قرآنِ حکیم میں ''احسن القصص'' کہا گیا ہے سالہا سال پر محیط یہ طویل عرصہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت راحیل علیہا السلام کے لئے سخت امتحان تھا۔ وہ دونوں اس امتحان (آزمائش) میں پورے اترے اور اس تمام مدت میں صبرِ جمیل سے کام لیا۔ پھر جب بنیامین کو بھی مصر میں روک لیا گیا تو اس وقت بھی انہوں نے صبر و شکر کا دامن ہاتھ

سے نہ چھوڑا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں برسرِ اقتدار آکر اپنے والدین کو مصر بلا بھیجا۔ جب اُن کے والدین اور دوسرے اہلِ خاندان مصر پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو نہایت عزت واکرام کے ساتھ اپنے پاس جگہ دی، ان کو تخت پر بٹھایا اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سب کے سب یعنی گیارہ بھائی اور ماں باپ سجدے میں گر پڑے (مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہاں سجدے سے مراد تعظیماً جھکنا ہے پیشانی زمین پر رکھنا نہیں) یہ سارا واقعہ سورۃ یوسف میں بیان ہوا ہے۔ تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں بھی اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السّلام اور حضرت راحیل علیہا السّلام نے باقی زندگی مصر ہی میں نہایت آرام اور سکون کے ساتھ گزاری اور اسی جگہ سفرِ آخرت اختیار کیا۔

☆☆☆☆

حضرت لَیّا علیہا السّلام

بعض روایتوں میں ان کا نام رحمتہ (رحمت) بھی آیا ہے لیکن جمہور اربابِ سیَر نے ”لَیّا“ نام ہی کو ترجیح دی ہے۔ یہ صالحہ خاتون اللہ کے جلیل القدر نبی حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ تھیں۔ انہوں نے گوناگوں مصائب وآلام میں جس صبر وشکر کا مظاہرہ کیا اور پھر اپنے شوہرِ نامدار کی طویل بیماری کے دوران میں ان کی خدمت اور فرماں برداری کا جو عدیم المثال نمونہ پیش کیا، وہ رہتی دنیا تک اُن کا نام زندہ تابندہ رکھے گا۔

قرآنِ حکیم میں حضرت ایُوب علیہ السّلام کا ذکر بہت اختصار کے ساتھ ہوا ہے [1] ان کی ابتدائی زندگی اور دوسرے احوال کی تفصیل بیان نہیں کی گئی تفسیر، سیرت اور تاریخ کے علماء نے مختلف کتابوں میں ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے:

حضرت ایُوب علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے بے انتہا دولت، مال مویشی (اونٹ، گھوڑے، بکریاں) بے شمار باغات، زراعتی زمین اور کثیر اولاد سے نواز رکھا تھا۔ ہر طرح کی نعمتوں کی فراوانی کے

---

[1] ”قرآنِ حکیم میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر چار مقامات پر ہوا ہے۔ سورۃ النساء،

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

لئے وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہتے تھے لیکن انہوں نے ان چیزوں میں کبھی دل نہ لگایا، ہر وقت یادِ خدا اور مخلوق خدا کی خدمت میں مشغول رہتے تھے، صدقہ و خیرات بہت کثرت سے کرتے تھے دستر خوان بہت وسیع تھا۔ اس پر سینکڑوں غرباء و مساکین پرورش پاتے تھے۔ یتیموں اور بیواؤں کی کفالت، مسافروں اور مہمانوں کی خدمت کو انہوں نے اپنا روزمرہ کا معمول بنا رکھا تھا۔

حضرت لیّا بھی عبادتِ الٰہی، صدقہ و خیرات اور نیکی کے دوسرے کاموں میں اپنے شوہرِ نامدار کے نقشِ قدم پر چلتی تھیں۔ کرنا خدا کا ایک دفعہ حضرت ایوب علیہ السّلام پر سخت آزمائش کا وقت آپڑا۔ ان کے کھیت اور باغات آفاتِ آسمانی سے برباد ہو گئے، غلہ خانوں کو آگ لگ گئی اور اناج کا دانہ تک نہ بچا، سارے مویشی ایک وبا میں ہلاک ہو گئے۔ تمام بچے ایک چھت کے نیچے سو رہے تھے کہ زوردار آندھی یا کسی اور سبب سے چھت اُن پر گر گئی اور بچے فوت ہو گئے۔ حضرت ایوب علیہ السّلام کو جب بھی کسی سانحے یا نقصان کی اطلاع دی جاتی، وہ فرماتے، اس کی امانت تھی اُس نے لے لی میرا کیا ہے۔ الحمد للہ!

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

کی آیت ۱۶۳ اور سورۃ انعام کی آیت ۸۴ میں ان کا اسمِ گرامی دوسرے انبیائے کرام کے ساتھ آیا ہے۔ سورۃ الانبیا کی آیت ۸۳-۸۴ میں بیماری سے شفا پانے کے لئے ان کی دعا اور اس کی قبولیت کا ذکر ہے۔ سورۃ ص کی آیات ۴۱ تا ۴۴ میں اختصار کے ساتھ ان کے مصائب اور ان سے چھٹکارا پانے کا بیان ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے زمانے اور قومیت کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ان کا زمانہ سولہ سو سال قبل مسیح کا ہے دوسری روایت میں ان کے زمانے کا اندازہ نو سو سال یا اس سے کچھ زیادہ قبل مسیح کا کیا گیا ہے۔ وہب بن منبہؒ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حضرت اسحٰق علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے عیسو کی نسل سے بتایا ہے جبکہ بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام بن اسحٰق علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ بہر صورت وہ اللہ کے نبی تھے اور قرآن پاک نے ان کو اس شان سے پیش کیا ہے کہ وہ صبر کی تصویر نظر آتے ہیں۔"

(قصص القرآن۔ تفہیم القرآن جلد ۳۔ انبیائے قرآن)

حضرت لیا علیہا السلام کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بھی ہر نقصان اور سانحے کو نہایت صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کیے جا رہی تھیں۔ ان کی زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر شکر سے تر رہتی تھی۔ آزمائش کا یہ دَور پانچ سال پر محیط تھا۔ اس کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش کا دوسرا دَور شروع ہوا اور وہ ایک تکلیف دہ جِلدی بیماری میں مبتلا ہو گئے[1] اس بیماری کا سلسلہ تیرہ برس تک چلتا رہا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی طویل علالت حضرت لیا کے لئے زبردست آزمائش تھی۔ وہ اس آزمائش میں اس طرح پوری اتریں کہ شوہر کے طویل ابتلا میں برابر ان کی خدمت میں مصروف رہیں اور وفا شعاری، اخلاص، ہمت اور صبر و استقامت کے تحیّر خیز نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے۔ وہ محنت مزدوری کر کے اپنا اور شوہر کا پیٹ پالتیں، ان کو کھانا کھلاتیں، پانی پلاتیں، اور ان کے زخموں پر مرہم رکھتیں۔ دونوں میاں بیوی کو آزمائش پر پڑے ہوئے (مجموعی طور پر) اٹھارہ

---

[1] "قرآن حکیم میں اس بیماری کی صراحت نہیں کی گئی۔ کتب تفسیر و سیر میں اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ان کا سارا جسم پھوڑوں سے بھر گیا تھا جو کسی علاج سے ٹھیک ہونے میں نہیں آتے تھے یہاں تک کہ ان میں پیپ پڑ گئی اور ان سے سخت بدبو آنے لگی۔ جب اُن کی اس حالت کو زیادہ عرصہ گزر گیا تو لوگوں نے انہیں شہر سے نکال دیا۔ وہاں بی بی لیا نے ایک جھونپڑی بنائی اور شب و روز شوہر کی خدمت اور دیکھ بھال میں مصروف رہنے لگیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے زخموں میں کیڑے پڑ گئے اور جسم گل سڑ گیا۔ صرف ان کی زبان سلامت تھی جس پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہتا تھا۔ وہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئے اور ایک لوتھڑے کی طرح جھونپڑی میں پڑے رہتے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ان کو جلد کی کوئی سخت بیماری تھی جس کی نوعیت کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تیسری روایت یہ ہے کہ ان کی بیماری اس قسم کی تھی جس میں شدید اذیت ہوتی ہے، دُکھ اور درد کی کوئی انتہا نہیں ہوتی لیکن جلد یا جسم پر اس کا کوئی اثر نظر نہیں آتا مثلاً ہڈیوں اور جوڑوں کا درد یا مختلف قسم کے عصبی امراض۔ بعض جدید سیرت نگار اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو جذام چیچک اور دوسرے گندے اور خوفناک امراض سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ ایسی بیماریاں فریضۂ تبلیغ ادا کرنے میں مانع ہوتی ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا مرض تکلیف دہ تو تھا لیکن ایسا نہیں کہ لوگ ان سے نفرت کرنے لگیں"

برس گزر گئے تو ایک دن حضرت ایوب علیہ السّلام نے دعا کی (اپنے رب کو پکارا) الٰہی مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے (الانبیاء۔۸۳) ان کی دعا کے جواب میں رحمتِ الٰہی جوش میں آگئی۔ اپنے صابر نبی کی دُعا قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا، اپنا پاؤں زمین پر مار، یہ ہے ٹھنڈا پانی نہانے کے لئے اور پینے کے لیے (سورۃ صٓ۔آیۃ۔۴۲) حضرت ایوب علیہ السّلام نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو وہاں سے ٹھنڈے اور شیریں پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا۔ انہوں نے یہ پانی پیا اور اس سے غسل کیا تو وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو گئے۔ اسی موقع پر ان کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ تنکوں کا ایک مُٹھا لے اور اس سے مار دے، اپنی قسم نہ توڑ۔ قرآنِ حکیم میں اس حکم کا پس منظر بیان نہیں کیا گیا البتہ مفسّرین نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ یہ حکم ان کی وفا شعار و صالحہ بیوی حضرت لیّا کے بارے میں تھا کیونکہ ان کی طویل بیماری میں صرف حضرت لیّا ہی ان کے ساتھ رہی تھیں باقی سب نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا (ان میں سب عزیز و اقارب شامل تھے) حضرت لیّا سے غلط فہمی میں کوئی غلطی ہو گئی تھی جس پر حضرت ایوبؑ نے ناراض ہو کر قسم کھائی تھی کہ تجھے سَو کوڑے (یا چھڑیاں) ماروں گا[1]۔
اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ ہوا کہ اس نیک بی بی کو سَو کوڑے پڑیں اور حضرت ایوبؑ اپنی قسم توڑ دیں۔ اس پر ذاتِ رحیم و کریم نے حضرت ایوبؑ کی قسم یوں پوری کر دی کہ سَو تنکوں یا سینکوں والی جھاڑو کو سَو کوڑوں یا چھڑیوں میں بدل بنا دیا جس کے مارنے سے قسم کا کفّارہ ہو گیا۔ حضرت ایوبؑ کے صحت

---

[1] حضرت لیّا کی غلطی کیا تھی؟ اس کے بارے میں ایک روایت تو یہ ہے کہ ابلیس (شیطان) انہیں ایک بوڑھے دانا یا طبیب کی شکل میں ملا اور ان سے کہا کہ تمہارے شوہر کو شیطان نے بیماری لگائی ہے۔ اگر وہ شیطان سے مدد طلب کرلے یا اس کے نام کی قربانی ہی کرلے تو اس کی بیماری دور ہو جائے گی۔ حضرت لیّا بہت بھولی بھالی خاتون تھیں۔ انہوں نے یہ مشورہ شوہر کو دیا تو وہ ناراض ہو گئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ شیطان نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ تمہارا شوہر اگر خنزیر کا گوشت کھا کر اوپر سے شراب کا ایک پیالہ پی لے تو وہ صحت یاب ہو جائے گا۔ حضرت لیّا نے حضرت ایوب علیہ السلام تک یہ بات پہنچائی تو انہوں نے ناراض ہو کر قسم کھائی کہ ایسے ناجائز کام کا مشورہ دینے پر میں تمہیں سَو کوڑے ماروں گا۔ لیکن یہ روایتیں مستند نہیں ہیں اس لیے اس معاملے کو اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے اور غلطی کی کرید نہیں کرنی چاہیے۔

یاب ہونے کے بعد سارے عزیز و اقارب ان کے پاس پلٹ آئے ۔اللہ تعالیٰ نے ان کو مزید اولاد عطا فرمائی اور پہلے کی طرح مال و منال کی نعمتیں بھی ۔حضرت ایوبؑ کا عدیم المثال صبر ایک کہاوت کی صورت اختیار کر گیا۔آج بھی جب کوئی "صبرِ ایوب" کے الفاظ استعمال کرتا ہے تو اس سے مراد صبر کا وہ اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے جو حضرت ایوبؑ نے پیش کیا۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِّ موسیٰ علیہا السّلام

حضرت اُمِ موسیٰ علیہا السّلام سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السّلام (1520 قبل مسیح تا 1400 قبل مسیح) کی والدہ ماجدہ تھیں ۔ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔کسی نے یوحانہ کسی نے نوخائیل اور کسی نے یوکابدیا یوکید بتایا ہے۔قرآن حکیم میں ان کا نام نہیں لیا گیا بلکہ صرف اُمِ موسیٰ (موسیٰ کی ماں) کہا گیا ہے۔ان کے شوہر کا نام عمران تھا۔دونوں میاں بیوی حضرت یعقوب (اسرائیل)علیہ السّلام بن اسحاق علیہ السّلام بن ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد سے تھے۔قرآنِ حکیم میں حضرت اُمِ موسیٰؑ کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور پرورش کے سلسلے میں آیا ہے۔یہ ذکر بہت مختصر ہے لیکن اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی باعظمت خاتون تھیں اتنی باعظمت کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی ولادت کے موقع پر ان کی طرف وحی بھیج کر مناسب ہدایات دیں۔

قدیم مصر کے قبطی بادشاہوں کا لقب فرعون ہوا کرتا تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ ولادت میں جو قبطی فرعون مصر کا حکمران تھا،اس نے اللہ تعالیٰ سے سرکشی اختیار کر کے ملک میں بڑا فساد مچا رکھا تھا۔وہ ایک طرف تو اپنے آپ کو مصر کے باشندوں کا رب کہتا تھا اور دوسری طرف بنی اسرائیل کا سخت دشمن تھا اور ان کی تذلیل اور ایذا رسانی میں اس نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

حضرت موسیٰؑ کی ولادت سے قبل اس نے حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے کسی گھر میں

کوئی لڑکا پیدا ہو تو اُس کو فوراً مار دیا جائے اور لڑکی پیدا ہو تو اسے رہنے دیا جائے۔ اس حکم سے اس کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی تعداد اور طاقت بڑھنے نہ پائے اور وہ اس کی بادشاہی کے لیے خطرہ نہ بن جائیں۔ فرعون کے اس ظالمانہ حکم کے نتیجے میں اسرائیلیوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے بے شمار معصوم لڑکے مار ڈالے گئے۔ ان ناگفتہ حالات میں عمران اور اُم موسیٰؑ کے اسرائیلی گھرانے میں حضرت موسیٰؑ کی ولادت ہوئی۔ ماں کو فرعون کے ظلم سے بچے کو قتل کیے جانے کا شدید اندیشہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا کہ فرعون کے آدمیوں کو حضرت موسیٰؑ کے پیدا ہونے کا علم نہ ہوا ادھر اللہ تعالیٰ نے اُمِ موسیٰ کی طرف وحی بھیج کر ان کو تسلی دی کہ بچے کو کسی ڈر کے بغیر دودھ پلاتی رہو ہاں جب دیکھو کہ بچے کی جان کو خطرہ ہے تو اس کو دریا میں ڈال دینا ہم اسے تیرے پاس واپس لے آئیں گے۔ سورۃ القصص میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْکِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔

(القصص آیت ۷)

ترجمہ: ہم نے موسیٰ کی ماں کو (وحی کے ذریعے) اشارہ کیا کہ اس کو دودھ پلا پھر جب تجھے اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم نہ کر ہم اسے تیرے ہی پاس لے آئیں گے اور اس کو پیغمبروں میں شامل کریں گے۔

چنانچہ اُمِ موسیٰؑ نے تین مہینے تک بچے کو اپنے پاس ہی چھپائے رکھا۔ اس کے بعد جب ان کو ڈر پیدا ہوا کہ اب زیادہ عرصہ بچے کو چھپانا ممکن نہیں رہا (کیونکہ فرعون کی چھوڑی ہوئی جاسوس عورتیں بنو اسرائیل کے گھر گھر میں بچوں کی ٹوہ لیتی پھرتی تھیں۔) تو انہوں نے اپنے لختِ جگر کی جان بچانے کیلیے سرکنڈوں کا ایک صندوق یا ٹوکرا بنایا اور اسے چکنی مٹی اور رال سے لیپ کر پانی سے محفوظ کر دیا۔ (سورہ طٰہٰ میں اس صندوق یا ٹوکرے کو تابوت کہا گیا ہے۔ ان اقذفیہ فی التابوت یعنی اس بچے کو تابوت میں رکھ دے) پھر انہوں نے بچے کو اس میں لٹا کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اُمِ موسیٰؑ کو اطمینان دلا دیا تھا کہ اس طریقے پر عمل کرنے سے نہ صرف بچہ محفوظ رہے گا پھر بھی۔ بچے کو جدا کر کے ماں کو ممتا نے بے قرار کر دیا۔ ان کی اس حالت کو قرآنِ حکیم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

”اور موسیٰ کی ماں کا دل اڑا جا رہا تھا وہ اس کا راز فاش کر بیٹھتی اگر ہم اس کا دل مضبوط نہ کر دیتے تا کہ وہ (ہمارے وعدے پر) ایمان لانے والوں میں سے ہو“ (القصص آیت۔۱۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذہین بہن

حضرت موسیٰ کی ولادت سے پہلے اُمّ موسیٰ کے ہاں دو بچے ہو چکے تھے۔ سب سے بڑی لڑکی مریم (Miriam) نامی تھی۔ ان سے چھوٹے حضرت ہارون علیہ السلام تھے جو حضرت موسیٰ سے تین سال بڑے تھے جبکہ مریم ان سے دس بارہ سال بڑی تھیں۔

بچے کو دریا میں ڈالنے کے بعد اُمِ موسیٰ نے ممتا سے مجبور ہو کر مریم کو اشارہ کیا کہ اس کے پیچھے پیچھے جا یعنی دریا کے کنارے اس صندوق کے ساتھ ساتھ چلتی جا اور دیکھتی رہ کہ اسے کوئی پانی سے نکالتا ہے یا نہیں۔ مریم نے اسی طرح کیا اور صندوق کے ساتھ ساتھ اس انداز سے چلتی گئی کہ دشمنوں کو اس کا پتا نہ چلا۔

اُدھر صندوق یا تابوت دریا میں بہتا ہوا جب فرعون کے محلات کے قریب پہنچا تو شاہی ملازموں نے اسے دریا سے نکال لیا اور لے جا کر بادشاہ اور اس کی ملکہ کے سامنے پیش کر دیا۔ بروایتِ دیگر بادشاہ اور ملکہ دریا کے کنارے سیر کر رہے تھے کہ ان کی نظر اس صندوق پر پڑی۔ انہوں نے حکم دیا کہ اسے دریا سے نکال کر ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ ملازموں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ بادشاہ اور ملکہ کے سامنے صندوق کھولا گیا تو اس میں ایک نہایت خوب صورت بچہ پڑا پایا۔ فرعون کے ملازموں نے کہا کہ یہ بچہ کسی اسرائیلی کا معلوم ہوتا ہے، اس کو قتل کر دینا چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی (ملکہ) کے دل میں بچے کی محبت پیدا کر دی۔ اس نے فرعون سے کہا یہ بچہ میری اور تمہاری دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اس کو قتل نہ کراؤ ہو سکتا ہے یہ ہمارے کام آئے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں۔

فرعون نے اپنی ملکہ کی بات مان لی اور بچے کو زندہ سلامت محل کے اندر لے جانے کا حکم دیا۔ اب ملکہ کو بچے کے لیے دودھ پلانے کی فکر ہوئی تو اس نے کئی عورتیں بلائیں لیکن بچے نے کسی کے دودھ کو منہ نہ لگایا۔ بی بی مریم شروع سے سب کچھ دیکھ رہی تھی، بچے کے محل کے اندر لے جانے کے بعد بھی گھر واپس نہ گئی بلکہ ہوشیاری کے ساتھ محل کے آس پاس چکر لگاتی رہی جب اس کو معلوم ہوا کہ اس کا ننھا بھائی کسی کا دودھ نہیں پی رہا اور ملکہ اس سلسلے میں بہت فکر مند ہے تو وہ

سیدھی محل کے اندر جا کر ملکہ کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور اس سے کہا میں آپ کو ایک اچھی انا کا پتا دیتی ہوں جو اس کو بڑی محبت اور خیر خواہی کے ساتھ دودھ پلائے گی۔۔۔ ملکہ فوراً راضی ہو گئی اور مریم سے کہا کہ اس عورت کو ابھی جا کر ساتھ لے آؤ اگر بچے نے اس کا دودھ پی لیا تو ہم اس کو ملازم رکھ لیں گے۔

حضرت موسیٰؑ پھر آغوشِ مادر میں

مریم اسی وقت اپنے گھر گئی والدہ کو سارا قصہ سنایا اور پھر انہیں ساتھ لے کر ملکہ کے پاس پہنچ گئی۔ ملکہ نے ننھے موسیٰؑ کو اُمِ موسیٰ کی گود میں ڈال کر ان سے کہا کہ اسے دودھ پلاؤ۔۔۔ بچے نے ماں کی گود میں آتے ہی ان کا دودھ پینا شروع کر دیا۔ ملکہ خوش ہو گئی اور اس نے اُمِ موسیٰ کو بچے کی انا مقرر کر دیا۔ اس طرح حضرت موسیٰؑ پھر اپنی ماں کے پاس پہنچ گئے۔ وہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلاتی تھیں لیکن ملکہ ان کو انا سمجھ کر اجرت دیتی تھی۔ قرآنِ حکیم میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: "اور ہم نے بچے پر دودھ پلانے والیوں کی چھاتیاں حرام کر رکھی تھیں (یہ حالت دیکھ کر) لڑکی (حضرت موسیٰؑ کی بہن) نے اُن (ملکہ اور فرعون) سے کہا میں تمہیں ایسے گھر کا پتا بتاؤں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں اور خیر خواہی کے ساتھ رکھیں؟ اس طرح ہم موسیٰؑ کو اس کی ماں کے پاس پلٹا لائے تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

(القصص ۱۲۔۱۳)

حضرت موسیٰؑ نے بچپن سے لیکر جوانی تک فرعون کے محل میں شہزادوں کی طرح پرورش پائی اس عرصے میں ان کا اپنے ماں باپ کے ساتھ بھی تعلق قائم رہا اور ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ فرعون کے خاندان سے نہیں بلکہ اسرائیلی ہیں۔

قرآنِ حکیم میں حضرت موسیٰؑ کی والدہ اور بہن کے صرف اتنے ہی حالات ملتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ حضرت اُمِ موسیٰ ایک صالحہ اور برگزیدہ خاتون تھیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایک موقع پر حضرت موسیٰؑ سے مخاطب ہو کر ان کی والدہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔

اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّکَ مَا یُوْحٰٓی ○ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ۔

(طٰہٰ۔۳۸۔۳۹)

ترجمہ: (اے موسیٰ) یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے تیری ماں کو اشارہ کیا ایسا اشارہ جو وحی کے ذریعہ ہی سے کیا جاتا ہے کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے اور صندوق کو دریا میں ڈال دے۔

حضرت اُمِ موسیٰؑ نے کب اور کہاں وفات پائی' اس کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔

☆☆☆☆

حضرت آسیہ علیہا السّلام

حضرت اُمِ موسیٰؑ کے حالات میں ننھے موسیٰؑ کی سرپرستی کرنے والی جس ملکہ کا ذکر کیا گیا ہے، قرآنِ حکیم میں ان کا نام نہیں بتایا گیا اور انہیں صرف امراۃ فرعون (فرعون کی بیوی) کہا گیا ہے[1]۔ البتہ بعض مفسّرین اور اربابِ سِیَر وحدیث نے ان کا نام آسیہ بتایا ہے۔ ایک روایت میں ان کے والد کا نام "مزاحم" آیا ہے۔

حضرت آسیہ علیہا السّلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت اور عظمت بخشی اور ان کو ایک مثالی خاتون قرار دیا۔ سورۃ التحریم میں ارشاد ہوا ہے۔

---

[1] مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن جلد سوم میں لکھا ہے۔

"بائبل اور تلمود میں لکھا ہے کہ وہ عورت جس نے حضرت موسیٰؑ کو پالنے اور بیٹا بنانے کے لیے کہا تھا فرعون کی بیٹی تھی لیکن قرآن صاف الفاظ میں امراۃ فرعون (فرعون کی بیوی) کہتا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ صدیوں بعد مرتب کہ ہوئی زبانی روایات کے مقابلے میں براہِ راست اللہ تعالیٰ کا بیان ہی قابلِ اعتماد ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ اسرائیلی روایات سے مطابقت پیدا کرنے کی خاطر عربی محاورہ و استعمال کے خلاف امراۃ فرعون کے معنی فرعون کے خاندان کی عورت کیے جائیں۔

(تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۶۱۸ سورۃ القصص حاشیہ ۱۲)

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ م اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (سُوْرَةُ التَّحْرِيْم: ١١)

ترجمہ: "اور اہلِ ایمان کے معاملہ میں اللہ فرعون کی بیوی کی مثال پیش کرتا ہے جبکہ اس نے دعا کی' اے میرے رب' میرے لیے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنادے اور مجھے فرعون اور اسکے عمل سے بچالے اور ظالم قوم سے مجھ کو نجات دے"

بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت آسیہ ان پر فوراً ایمان لے آئیں۔ فرعونِ وقت کو معلوم ہوا تو اس نے ان کو طرح طرح کی ایذائیں دیں لیکن وہ اپنے ایمان پر ثابت قدمی سے جمی رہیں۔ کوئی سختی اور مصیبت ان کے پائے استقامت میں جنبش نہ لاسکی یہاں تک کہ انہوں نے جان' جان آفریں کے سپرد کردی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانۂ ولادت والا فرعون (حضرت آسیہ کا شوہر) وفات پاچکا تھا اور جس وقت وہ ایمان لائیں ایک اور فرعون مصر کا حکمران تھا۔

☆☆☆☆

حضرت صفورا علیہا السّلام

حضرت صفورا (بعض روایات کے مطابق صفورہ) علیہا السّلام حضرت موسیٰؑ کی زوجہ تھیں۔ ان کا ازدواجی تعلق حضرت موسیٰؑ سے کیسے قائم ہوا؟ یہ ایک دلچسپ قصہ ہے جس کا ذکر قرآنِ حکیم میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے یہ قصہ اس طرح ہے۔

"حضرت موسیٰؑ (فرعون کے محل میں پرورش پاکر) جوان ہوئے اور ان کا نشوونما مکمل ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم (حکمت' دانائی' فراست اور قوتِ فیصلہ) سے نوازا نیز علم (دینی و دنیوی) عطا کیا" (القصص۔۱۴)

''اسی زمانے میں وہ ایک دن شہر آئے تو دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک ان کی اپنی قوم (بنی اسرائیل) کا تھا اور دوسرا ان کی دشمن قوم سے تعلق رکھتا تھا (یعنی قبطی تھا)۔ اسرائیلی نے انہیں قبطی کے خلاف مدد کے لیے پکارا۔ حضرت موسیٰؑ نے قبطی کو ایک گھونسا مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ اسے مرتے دیکھ کر حضرت موسیٰؑ پشیمان ہوئے (کیونکہ ان کا ارادہ اس کو قتل کرنے کا نہ تھا) اور کہا 'یہ شیطان کی کارفرمائی ہے، وہ سخت دشمن اور کھلا گمراہ کن ہے' اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا' میری مغفرت فرما دے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو بخش دیا'' (القصص۔ ۱۶)

دوسرے روز حضرت موسیٰؑ صبح سویرے (بہت محتاط طریقے سے) شہر میں آئے تو دیکھا کہ وہی شخص جس نے کل انہیں مدد کے لیے پکارا تھا' آج پھر انہیں مدد کے لیے پکار رہا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے اس سے کہا 'تو تو بڑا بہکا ہوا آدمی ہے (یعنی تو جھگڑالو آدمی معلوم ہوتا ہے) تاہم انہوں نے اس کی حمایت میں قبطی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے چیخ کر کہا ''اے موسیٰ کیا تو مجھے اسی طرح قتل کرنے لگا ہے' جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر چکا ہے' تو اس ملک میں جابر بن کر رہنا چاہتا ہے' اصلاح کرنا نہیں چاہتا۔'' اتنے میں ایک آدمی شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا ہوا آیا اور اس نے حضرت موسیٰؑ کو بتایا کہ شہر کے سردار آپ کے خلاف ہو گئے ہیں اور آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اس شہر سے فوراً نکل جائیں۔ میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ یہ سنتے ہی حضرت موسیٰؑ شہر سے یہ دعا کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔

''اے میرے رب مجھے ظالموں سے بچا''

مصر سے نکل کر حضرت موسیٰؑ سیدھے مدین پہنچے۔ یہ شہر فرعون کی سلطنت سے باہر تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس زمانے میں خلیج عقبہ کے مشرقی اور مغربی سواحل جن پر بنی مدیان آباد تھے، مصری اثر و اقتدار سے بالکل آزاد تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے اسی لیے مدین کا رخ کیا تھا جو اس علاقے کا مرکزی شہر تھا اور مصر سے قریب ترین تھا۔ [1] حضرت موسیٰؑ نے مدین میں داخل ہو

---

[1] ایک روایت کے مطابق مدین خلیج عقبہ کے مغربی ساحل پر مقنا سے چند میل شمال کی جانب واقع تھا۔ آج کل وہاں ایک چھوٹا سا قصبہ آباد ہے جسے البدع کہتے ہیں۔ (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۶۲۶ حاشیہ ۳۳)

کر دیکھا کہ ایک کنوئیں پر بہت سے لوگ اپنے مال مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے الگ دو عورتیں اپنا گلّہ لیے ایک طرف کھڑی ہیں اور اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں حضرت موسیٰ نے ان عورتوں سے پوچھا، تمہیں کیا پریشانی ہے؟ انہوں نے کہا، جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر یہاں سے لے نہ جائیں ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں۔ ہمارے والد بہت بوڑھے آدمی ہیں وہ خود یہ مشقت نہیں اٹھا سکتے (گھر میں کوئی دوسرا مرد نہیں اس لیے یہ کام ہمیں ہی کرنا پڑتا ہے) یہ سن کر حضرت موسیٰ آگے بڑھے اور ان عورتوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا پھر وہ ایک سایہ دار جگہ میں جا بیٹھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے خیر کی دعا مانگی۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی حضرت موسیٰ کے پاس آئی اور کہنے لگی "میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے لیے جانوروں کو پانی جو پلایا ہے، اس کا اجر آپ کو دیں۔ موسیٰ اسی وقت اس عورت کے ساتھ اس کے والد کے پاس پہنچے اور اپنا سارا قصہ انہیں سنایا[1]۔ وہ بزرگ یہ قصہ سن کر بولے" کچھ خوف نہ کرو اب تم ظالم لوگوں سے بچ نکلے ہو" ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے اپنے والد سے کہا۔

---

[1] قرآنِ حکیم میں ان خواتین کے والد کا نام نہیں لیا گیا لیکن عام طور پر مشہور ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے جو سولہ سو سال قبل مسیح میں قوم مدین اور اصحاب الایکہ کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ بلاشبہ بعض احادیث میں حضرت شعیبؑ کا نام لیا گیا ہے لیکن ابنِ جریر طبریؒ اور حافظ ابنِ کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ان میں سے کسی حدیث کی سند صحیح نہیں ہے۔ اسرائیلی روایات میں ان کا نام ایک جگہ رعوایل اور دوسری جگہ یترو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ مدین کے کاہن تھے۔ اس سلسلے کی تمام روایات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان خواتین کے والد بہر صورت ایک نہایت معزز اور معتبر آدمی تھے۔ حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پہلے وہ فرعون کے ہاں آتے جاتے رہتے تھے اور وہ ان کے علم اور اصابتِ رائے پر اعتماد رکھتا تھا مگر جب اس نے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اس کو اس ظالمانہ فعل سے روکا۔ اس پر فرعون ان سے بگڑ گیا اور ان کو اپنے دربار سے نکلوا دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے وطن مدین ہی میں مستقلاً مقیم ہو گئے تھے۔ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ ایک مسلمان آدمی تھے انہوں نے حضرت شعیبؑ کا دین قبول کر لیا تھا۔ (یعنی حضرت شعیبؑ کی طرح وہ دینِ ابراہیمی کے پیروکار تھے) ایک روایت کے مطابق وہ اہلِ مدین کو بت پرستی سے روکا کرتے تھے۔ (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۶۲۷ حاشیہ ۳۴)

"ابا جان! اس شخص کو اپنے پاس ملازم رکھ لیجیے۔ کیونکہ بہترین ملازم وہی شخص ہوسکتا ہے جو دیانت دار اور توانا ہو"

اس خاتون کے والد نے حضرت موسیٰؑ سے کہا۔

"میری خواہش ہے کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں مگر شرط یہ ہے کہ تم آٹھ سال میرے ہاں ملازمت کرو' اور اگر دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری مرضی ہے۔ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا تم ان شاءاللہ مجھے نیک آدمی پاؤ گے"

حضرت موسیٰؑ نے یہ شرط منظور کر لی اور آٹھ سال کے بجائے (اپنی خوشی سے) دس سال تک ان کے لیے کام کیا۔ مردِ بزرگ نے صفورا نامی اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح حضرت موسیٰ سے کر دیا۔ حضرت صفورا سے نکاح کے بعد حضرت موسیٰؑ کتنا عرصہ مدین میں رہے' قرآن حکیم میں اس کی تصریح نہیں کی گئی۔ صرف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر مدین سے روانہ ہوئے تو طور کی جانب ان کو ایک آگ نظر آئی (مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ رات کا وقت اور سردی کا موسم تھا) انہوں نے اپنے اہلِ خانہ سے کہا تم 'ذرا ٹھہرو' مجھے آگ نظر آئی ہے شاید میں وہاں سے راستے کے بارے میں کوئی خبر لے آؤں یا آگ کا کوئی انگارا ہی لے آؤں تاکہ تم تاپو (گرم ہوسکو)۔[1] (القصص۔۲۹)

حضرت موسیٰؑ اس وقت جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی علاقے سے گزر رہے تھے۔ جب وہ اس طرف گئے جہاں آگ نظر آئی تھی تو وادی کے داہنے کنارے پر (مبارک خطے میں) ایک درخت پر سے آواز آئی:

---

[1] طور کی جانب آگ نظر آنے سے مفسرین نے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ حضرت موسیٰ مصر (اپنے اہل خاندان کے پاس) جانے کے ارادے سے مدین سے روانہ ہوئے تھے کیونکہ کوہ طور اسی راستے پر واقع ہے جو مدین سے مصر کی طرف جاتا ہے اس وقت وہ فرعون مر چکا تھا جس کے عہدِ حکومت میں وہ مصر سے نکلے تھے۔ غالباً حضرت موسیٰ کا خیال ہوگا کہ اتنی مدت کے بعد لوگ قبطی کے قتل کا واقعہ بھلا چکے ہوں گے اور اب خاموشی سے مصر جانے میں کوئی خطرہ نہیں۔

ترجمہ: ''اے موسیٰ! میں ہی تیرا پروردگار ہوں' اپنی جوتیاں اتار دو تم پاک وادی طویٰ میں ہو' مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے ماحول میں ہے۔ پاک ہے اللہ جو سب جہانوں کا رب ہے۔ اے موسیٰ میں ہوں اللہ زبردست اور دانا'' (النمل۔۸۔۹)

پھر ارشاد ہوا

ترجمہ: اے موسیٰ! میں نے تجھ کو (منصب نبوت کے لیے) چن لیا ہے۔ جو کچھ وحی کیا جاتا ہے وہ سنو، میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی اللہ نہیں پس تو میری عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔ قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے میں اس کا وقت پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔

اور اے موسیٰ! یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: [1]

''یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر ٹیک لگا کر چلتا ہوں، اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور بھی بہت سے کام اس سے لیتا ہوں'' (طٰہٰ ۱۳ تا ۱۵' ۱۷۔۱۸)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''پھینک دے اس کو اے موسیٰ''

انہوں نے تعمیل ارشاد کی تو دیکھا کہ لاٹھی سانپ بن کر دوڑ رہی ہے۔

حکم ہوا: ''اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں' ہم اسے ویسا ہی کر دیں گے جیسی یہ تھی اور ذرا اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا' چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے۔ یہ دوسری نشانی ہے۔ اس لیے کہ ہم تجھے اپنی بڑی نشانیاں دکھانے والے ہیں اب تو فرعون کے پاس جا۔ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے''

حضرت موسیٰ نے عرض کیا:

ترجمہ: پروردگار! میرا سینہ کھول دے، میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے لیے میرے خاندان سے ایک وزیر مقرر کر دے،

---

[1] اس موقع پر حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ سے جو شرف کلام حاصل ہوا، قرآن حکیم میں اس کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے۔ وَنَادَيْنَاهُ مِن جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا (ہم نے اس کو طور کی داہنی جانب سے پکارا اور راز کی گفتگو سے اس کو تقرب عطا کیا)

ہارون جو میرا بھائی ہے، اس کے ذریعہ سے میرا ہاتھ مضبوط کر اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے تاکہ ہم خوب تیری پاکی بیان کریں اور خوب تیرا چرچا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "دیا گیا تجھ کو جو تو نے مانگا اے موسیٰ" (سورہ مریم۔۵۶)

اس کے بعد حضرت موسیٰؑ واپس اپنے خیمے میں آئے جہاں ان کے اہلِ خانہ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰؑ ان کو ساتھ لے کر مصر کی جانب روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کو بھی نبوت عطا کی اور وہ ان کے وزیر، معاون اور خلیفہ مقرر ہوئے۔

مصر میں حضرت موسیٰؑ کو جو واقعات پیش آئے (فرعون سے ان کا مکالمہ، جادوگروں سے مقابلہ اور جادوگروں کا ایمان لانا، مصر سے بنی اسرائیل کا اخراج، فرعون کی غرقابی، صحرائے سینا کی پُر صعوبت زندگی وغیرہ) ان کی داستان بہت طویل ہے۔ اس کو قرآنِ حکیم، تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ حضرت صفورہؓ کی باقی زندگی کیسے گزری اس کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔ قیاس یہی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ان کی زندگی کا سفر خوشگوار اور ایک جلیل القدر پیغمبر کی زوجہ کے شایانِ شان رہا ہوگا۔

☆☆☆☆

حضرت اَلِیشَبعُ عَلَیہَا السَّلام

حضرت الیشبع (Elizbeth) جن کا نام بعض روایات میں ایشاع آیا ہے بڑی باعظمت خاتون تھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے ایک عظیم معجزہ ظاہر فرمایا۔ وہ ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت زکریاؑ کی زوجہ، ایک منفرد نام والے اولوالعزم نبی حضرت یحییٰؑ کی والدہ اور ایک عظیم المرتبت خاتون حضرت مریم صدیقہؑ (اُمِ عیسیٰؑ) کی خالہ اور سرپرست تھیں[1] دونوں

[1] اکثر اربابِ سیر و تاریخ نے حضرت الیشبعؑ کو حضرت مریم کی خالہ بتایا ہے لیکن عرب سیرت نگار احمد خلیل جمعہ نے اپنی تالیف "نساء الانبیا" میں ان کا نام ایشاع لکھا ہے اور ان کو حضرت عیسیٰؑ کی خالہ لکھا ہے یعنی حضرت مریمؑ کی بہن۔ (ہم نے جمہور اربابِ سیر کی روایت کو ترجیح دی ہے) (ازواج الانبیاء ص ۲۱۵)

میاں بیوی کا تعلق بنواسرائیل سے تھا۔ بائبل میں حضرت زکریاؑ کو مقدس (ہیکل سلیمانی) کے ایک کاہن کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے لیکن قرآنِ حکیم کی رُو سے وہ ایک برگزیدہ نبی تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ بنی ہارون کے ۲۴ دوسرے خاندانوں کی طرح وہ بھی اپنی باری کے دنوں میں ہیکل (مقدس) میں بخور (خوشبویات) جلانے کی خدمت انجام دیا کرتے تھے یعنی مقدس کے متولیوں میں سے ایک تھے۔

حضرت مریمؑ کی والدہ نے جب حضرت مریمؑ کو ہیکل کی نذر کر دیا (اس کی تفصیل حضرت مریمؑ کے حالات میں دیکھیے) تو حضرت زکریاؑ ان کے کفیل اور سرپرست بن گئے۔ دونوں میاں بیوی نے بڑی شفقت کے ساتھ حضرت مریمؑ کی پرورش اور تربیت کی۔ جب وہ جوان ہوئیں تو ایک محراب (حجرۂ عبادت) میں معتکف ہو کر شب و روز مصروفِ عبادت رہنے لگیں۔ حضرت زکریاؑ جب بھی ان کے محراب میں جاتے تو انکے پاس کھانے پینے کی کچھ اشیاء موجود پاتے وہ پوچھتے کہ یہ کہاں سے آئیں تو حضرت مریمؑ جواب دیتیں اللہ کے پاس سے۔ حضرت زکریاؑ اس وقت تک بے اولاد تھے کیونکہ ان کی اہلیہ حضرت الیشبع بانجھ تھیں اور اب وہ خود بھی اسی یا نوے برس کے تھے حضرت مریمؑ کی صالحیت اور بارگاہِ الٰہی میں ان کی مقبولیت کو دیکھ کر ان کے دل میں بھی تمنا پیدا ہوئی کہ کاش اللہ انہیں بھی ایسی نیک اولاد عطا کرے چنانچہ انہوں نے بارگاہِ ربُ العزت میں دعا کی:

''اے پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے اے میرے ربّ میں کبھی تجھ سے مانگ کر محروم نہیں رہا مجھے اپنے بعد اپنے بھائی بندوں کی برائیوں کا خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے۔ تو مجھے اپنے فضلِ خاص سے ایک وارث عطا کر دے جو میرا وارث بھی ہو اور آلِ یعقوب کی میراث کا بھی مالک ہو اور اے میرے ربّ اس کو ایک پسندیدہ انسان بنائیو''

ان کی دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے زکریاؑ! ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہو گا۔ ہم نے اس نام کا کوئی آدمی پہلے پیدا نہیں کیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا۔

''اے میرے رب! بھلا میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو کر سوکھ گیا ہوں''

جواب ملا: ''ایسا ہی ہوگا۔ تیرا ربّ فرماتا ہے کہ یہ میرے لیے ایک بالکل معمولی بات ہے آخر اس سے پہلے میں تمہیں بھی پیدا کر چکا ہوں جبکہ تم کوئی چیز نہ تھے''

حضرت زکریاؑ نے عرض کیا:

''اے پروردگار میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے۔ ارشاد ہوا تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ تم متواتر تین دن تک لوگوں سے اشارہ کے سوا بات نہ کر سکو گے'' (سورۃ مریم:۱۰)

چنانچہ وہ محراب (حجرۂ عبادت) سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور اشارے سے ان کو ہدایت کی کہ صبح و شام اللہ کی تسبیح کرو۔ اس واقعہ کے بعد حضرت الیشبع امید سے ہو گئیں اور مقررہ مہینوں کے بعد ان کے ہاں حضرت یحیٰی علیہ السّلام پیدا ہوئے۔

قرآنِ حکیم میں ان کی ولادت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

ترجمہ: ''اور زکریا کو جبکہ اس نے اپنے ربّ کو پکارا، کہ اے پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور بہترین وارث تو ہی ہے'' پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحیٰی عطا کیا اور اسکی بیوی کو (ولادت کے) قابل بنایا'' (الانبیاء۔۹)

حضرت مریمؑ کی والدہ نے اپنی مَنّت پوری کرنے کے لیے جب اِن کو ہیکل کی نذر کر دیا تو ان کی کفالت نگرانی اور تربیت حضرت زکریاؑ اور حضرت الیشبعؑ ہی نے کی۔

حضرت یحیٰی علیہ السّلام کے بارے میں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔

ترجمہ: ''ہم نے اسے بچپن ہی میں غیر معمولی دانائی سے نوازا اور اپنی طرف سے اس کو نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی اور وہ بڑا پرہیزگار اور اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا تھا۔ وہ جبار نہ تھا اور نہ نافرمان۔ سلام اس پر جس روز کہ وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس روز وہ زندہ کرکے اٹھایا جائے'' (سورۂ مریم۔۱۴۔۱۵)

حضرت یحیٰی علیہ السّلام عمر میں حضرت عیسٰیؑ سے ۶ مہینے بڑے تھے۔ قدیم کتب میں ان کو ''منادِ مسیح'' کہا گیا ہے کیونکہ انہوں نے حضرت عیسٰیؑ کی تصدیق کی۔ وہ لوگوں سے گناہوں کی توبہ کراتے تھے اور توبہ کرنے والوں کو بپتسمہ دیتے تھے۔ (یعنی روح اور جسم کی پاکیزگی کے

لیے توبہ کے بعد غسل کراتے تھے) اسی لیے وہ "یوحنا بپتسمہ دینے والے" کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ ان کی زندگی نہایت زاہدانہ تھی۔ اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنتے اور چمڑے کا پٹکا کمر سے باندھتے۔ عورتوں کی طرف انکو مطلق کوئی رغبت نہیں تھی۔ وہ حکومت کے سپاہیوں سے کہتے تھے کہ کسی پر ظلم نہ کرو، کسی سے ناحق کچھ نہ لو اور اپنے مشاہرے پر کفایت کرو۔ عام لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ نماز روزے کی پابندی کرو۔ جس کے پاس دو کرتے ہوں وہ اس کو جس کے پاس نہ ہو بانٹ دے۔

محصول لینے والوں نے ان سے رہنمائی چاہی تو ان سے کہا' جو تمہارے لیے مقرر ہے وہی لو، اس سے زیادہ ہرگز نہ لینا۔ وہ لوگوں میں اعلان کرتے پھرتے تھے کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی قریب آ گئی ہے (یعنی حضرت عیسیٰؑ عنقریب دعوت الی اللہ کا آغاز کرنے والے ہیں)

جس زمانے میں حضرت یحییٰ علیہ السلام تبلیغ حق میں مشغول تھے ان کے ملک کا یہودی فرمانروا ہیرود اینٹی پاس سخت بدکردار شخص تھا۔ اس کی عیاشی کی وجہ سے سارے ملک میں فسق و فجور کی گرم بازاری تھی۔ اس بدمعاش نے اپنے بھائی فلپ کی بیوی ہیرودیاس کو اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا اس پر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ہیرود کو ملامت کی اور اس کو اپنی اصلاح کرنے کی ہدایت کی۔ ہیرود نے اپنا رویہ تبدیل کرنے کی بجائے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ اُدھر ہیرودیاس بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کے خون کی پیاسی ہو گئی کیونکہ ان کی اخلاقی تعلیمات نے اس جیسی عورتوں کو عامۃ الناس کی نظروں میں ذلیل کر دیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ہیرود نے اپنی سالگرہ کا جشن منایا تو ہیرودیاس کی رقاصہ بیٹی نے جشن کے دربار میں خوب رقص کیا۔ ہیرود اس کا رقص دیکھ کر اتنا خوش ہوا کہ اس نے رقاصہ سے کہا، مانگ کیا مانگتی ہے" بیٹی نے اپنی فاحشہ ماں کے اشارے پر کہا!

"مجھے یوحنا بپتسمہ دینے والا کا سر چاہیے، اسے ایک تھال میں رکھوا کر منگوا دیں"

بدبخت ہیرود نے اسی وقت حکم دیا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر کاٹ کر میرے پاس لایا جائے۔ چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر کاٹ کر ہیرود کے پاس لایا گیا۔ اس نے اسے ایک تھال میں رکھوا کر رقاصہ کی نذر کر دیا یوں حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت الیشبع علیہا السلام کے پاکباز فرزند جن کو رتبہ نبوت پہلے ہی حاصل تھا، اب رتبہ شہادت پر بھی فائز

ہو گئے۔ (قرآنِ حکیم، انبیائے قرآن۔ تفہیم القرآن جلد سوم)

☆☆☆☆

حضرت مریم علیہا السّلام

حضرت مریم علیہا السّلام وہ عظیم المرتبت خاتون ہیں جن کی پاکبازی زہد تقویٰ اور طہارت کی قرآنِ حکیم نے شہادت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو برگزیدہ کیا' پاکیزگی عطا کی اور تمام جہانوں کی عورتوں پر ترجیح دے کر اپنی خدمت کے لئے چُن لیا۔ (آل عمران۔۴۲)
ان کو ایک جلیل القدر پیغمبر کی ماں ہونے کا شرف بخشا اور ان کو یہ ارشاد فرما کر اہلِ ایمان خواتین میں سے ایک مثالی خاتون قرار دیا۔

وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۔ (سُوْرَةُ التَّحْرِيْم: ۱۲)

ترجمہ: ''اور (اللہ) عمران کی بیٹی مریم کی مثال دیتا ہے جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تھی۔ پھر ہم نے اس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے ارشادات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزار لوگوں میں سے تھی''
سورۃ آل عمران اور سورۃ مریم میں حضرت مریم کے حالات اس طرح بیان ہوئے ہیں:
''(اللہ اس وقت سن رہا تھا) جب عمران کی بیوی کہہ رہی تھی کہ میرے پروردگار! میں اس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے تیری نذر کرتی ہوں وہ تیرے ہی کام کے لیے وقف ہوگا، میری اس پیشکش کو قبول فرما، تو سننے اور جاننے والا ہے۔ پھر جب وہ بچی اس کے ہاں پیدا ہوئی تو اس نے کہا،' اے میرے رب! میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہوگئی ہے۔ (حالانکہ اللہ جانتا تھا کہ اس نے کس کو جنم دیا ہے) اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا' خیر میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا ہے اور اس سے

اور اس کی آئندہ نسل کو شیطان مردود کے فتنے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ آخر کار اس کے رب نے اس لڑکی کو بخوشی قبول فرما لیا' اسے بڑی اچھی لڑکی بنا کر اٹھایا اور زکریا کو اس کا سرپرست بنا دیا۔ زکریا جب کبھی اس کے پاس محراب میں جاتا تو اس کے پاس کچھ کھانے پینے کا سامان پاتا۔[1]

پوچھتا مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ وہ جواب دیتی اللہ کے پاس سے آیا ہے' اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔ (آل عمران ۳۵ تا ۳۷)

حضرت مریم کے محراب میں معتکف ہونے کے بعد جو واقعات پیش آئے سورہ مریم میں ان کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

"(اور اے محمد) اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرقی جانب گوشہ نشین ہو گئی تھی اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تھی۔ اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح (یعنی فرشتے) کو بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی صورت میں ظاہر ہو گیا۔ مریم یکا یک بول اٹھی کہ اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں"

اس نے کہا' میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں[2]۔ مریم نے کہا' میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔ فرشتے نے کہا' ایسا ہی ہوگا' تیرا رب فرماتا ہے ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لیے کریں گے۔ کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں

۱۔ محراب سے مراد وہ کمرے ہیں جو صوامع اور کنیسوں میں اصل عبادت گاہ کی عمارت سے متصل سطح زمین سے کافی بلندی پر بنائے جاتے ہیں۔ ان میں عبادت گاہ کے مجاور خدام اور معتکف لوگ رہتے ہیں اسی قسم کے ایک کمرے میں جو ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) کے مشرقی جانب واقع تھا' حضرت مریم معتکف (مصروف عبادت) تھیں۔

۲۔ سورہ آل عمران سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرشتے کے علاوہ دوسرے فرشتوں نے بھی اسی موقع پر حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ کے بارے میں بشارت دی۔ اس سورۃ کی آیات ۴۵ تا ۴۸ میں ارشاد ہوا ہے!

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ کام ہو کر رہنا ہے۔ مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کو لیے ہوئے ایک دُور کے مقام پر چلی گئی۔ پھر زچگی کی تکلیف نے اسے ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگی' کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور میرا نام ونشان نہ رہتا۔ فرشتہ نے پائنتی سے اس کو پکار کر کہا' غم نہ کر تیرے رَبّ نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور ذرا اس درخت کے تنے کو ہلا، تیرے اوپر تر و تازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔ پھر اگر کوئی آدمی تجھے نظر آئے تو اس سے کہہ دینا کہ میں نے رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے اس لیے آج میں کسی سے نہیں بولوں گی۔ پھر وہ اس بچے کو لیے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے' اے مریم! یہ تو تُو نے بہت بُرا کام کیا' اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار عورت تھی۔ مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔

لوگوں نے کہا' ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے۔ بچہ بول اٹھا، میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی رہوں' اور نماز اور زکوۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں' اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور جبکہ میں پیدا ہوا اور جبکہ میں مروں اور جبکہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں۔

یہ ہے عیسٰی ابنِ مریم اور یہ ہے اسکے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں۔ اللہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ذات ہے وہ جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور بس وہ ہو جاتا ہے۔ (سورۃ مریم آیات ۱۶ تا ۳۵)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

اور جب فرشتوں نے کہا' اے مریمؑ! اللہ تجھے اپنے ایک فرمان کی بشارت دیتا ہے اس کا نام عیسٰی ابنِ مریم ہوگا، دنیا اور آخرت میں معزز ہوگا' اللہ کے مقرب بندوں میں شمار ہوگا' لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی، اور وہ ایک مردِ صالح ہوگا' یہ سن کر مریم بولی پروردگار میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا، مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ جواب ملا' ایسا ہی ہوگا اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ اور اللہ اسے (عیسٰی مسیح کو) کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا' تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کرے گا۔

قرآنِ حکیم میں حضرت مریم علیہا السّلام کے اتنے ہی حالات ملتے ہیں۔ تفسیر اور تاریخ وسِیَر کی کتابیں ان کے بارے میں جو مزید معلومات مہیا کرتی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

''حضرت مریم کے والد کا نام عمران اور والدہ کا نام حنّہ تھا۔ دونوں کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ ایک دفعہ حنّہ نے منّت مانی کہ اس کے ہاں جو بچہ پیدا ہوگا وہ اسے ہیکلِ سلیمانی (بیت المقدس) کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی (یعنی اسے بیتِ مقدس کی نذر کر دیں گی)۔ ایک روایت میں ہے کہ حنہ کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی اسی لیے انہوں یہ منّت مانی تھی کہ شاید اللہ تعالیٰ یہ منّت قبول فرما کر اس کی گود ہری کر دے لیکن بعض علماء نے اس روایت کو قیاسی قرار دیا ہے۔ حنّہ کو اللہ تعالیٰ نے لڑکی عطا کی جس کا نام انہوں نے مریمؑ رکھا اور اسے بیت المقدس کی نذر کر دیا تاکہ بڑی ہو کر اس کی خدمت کرے۔ ننھی مریم کو حضرت زکریّا نے اپنی تولیت اور سرپرستی میں لے لیا۔ حضرت زکریّا اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی اور بیت المقدس کے متولی خاندانوں میں سے ایک خاندان کے سربراہ تھے۔ ان کی اہلیہ حضرت مریم کی والدہ کی حقیقی یا کسی اور رشتے سے بہن تھیں گویا وہ حضرت مریم کی خالہ اور حضرت زکریّا اُن کے خالو ہوتے تھے۔ انہوں نے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ حضرت مریم کی پرورش اور تربیت کی یہاں تک کہ وہ جوان ہو گئیں اور ایک محراب میں معتکف ہو کر مصروفِ عبادت رہنے لگیں۔ وہ بچپن ہی سے نہایت پاکباز عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ طبیعت میں شوخی کا نام بھی نہ تھا۔ ان کے معتکف ہونے کے دوران میں جو واقعات پیش آئے قرآنِ حکیم میں ان کا ذکر آگیا ہے۔ سورۃ مریم میں جس فرشتے کا ذکر آیا ہے بعض روایات کے مطابق وہ حضرت جبریلؑ تھے۔ لوگوں کی بہتان تراشی کے خوف سے جس دُور کے مقام پر حضرت مریم کے چلے جانے کا ذکر آیا ہے، اکثر روایتوں میں اس کا نام بیتِ لحم آیا ہے اس وقت یہ بیت المقدس سے نو میل دُور کوہ سراط (ساطیہ) کے سلسلے کا ایک ٹیلہ تھا۔ سورہ مومنون میں اس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ترجمہ: ''ہم نے ابنِ مریم کو اور ان کی والدہ کو اپنی نشانی بنایا تھا اور ان کو ایک بلند جگہ پناہ دی تھی جو رہنے کے لائق تھی اور جہاں پانی جاری تھا۔'' (آیۃ۔۵۰)

حضرت مریم نے کتنی زندگی پائی وہ کب اور کہاں فوت ہوئیں؟ مستند کُتُبِ حدیث وسِیَر سے اس کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ قرآنِ حکیم میں حضرت مریم کو ''صِدّیقہ'' کا مہتم بالشان لقب دیا گیا ہے۔ (المائدہ۔ آیۃ ۷۵)

ذِکرِ صحابیاتؓ

ذکرِ صحابیاتؓ

اگلے صفحات خاتم الانبیاؑ و المرسلین ﷺ کی صحابیاتؓ کے ذکر کے لیے مختص کیے گئے ہیں ۔اس موضوع پر راقم الحروف کی ایک تالیف پچیس سال پہلے 'تذکارِ صحابیات کے نام سے منصۂ شہود پر آچکی ہے۔اب تک اس کے چوبیس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ۔یہ کتاب ازواجِ مُطَہَّراتؓ ، بناتِ طاہراتؓ اور تقریباً دوسو دوسری معروف صحابیاتؓ کے تذکار پر مشتمل ہے۔تحدیثِ نعمت کے طور پر یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ اردو زبان میں اس موضوع پر لکھی جانے والی کسی اور کتاب میں اتنی زیادہ تعداد میں صحابیات کے حالات نہیں ملیں گے۔اگلے صفحات میں جن صحابیاتؓ کا ذکر آرہا ہے ان میں سے بیشتر غیر معروف ہیں ان کا نہ حسب ونسب معلوم ہے اور نہ زندگی کے دوسرے حالات مگر ان کا زمرۂ صحابیات میں ہونا کسی شک وشبہ سے بالا ہے۔ان مقدس ہستیوں کا صحابیات کی برگزیدہ جماعت میں شامل ہونا ہی بڑا شرف اور اعزاز ہے۔ان کے حالاتِ زندگی کی کمیابی یا ان کا غیر معروف ہونا ایسی باتیں نہیں ہیں جن کی بناء پر ان کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے اور قوم کو ان سے متعارف نہ کرایا جائے چنانچہ ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ ان صحابیات کے تھوڑے یا بہت جتنے حالات بھی دستیاب ہیں انہیں ایک مبسوط تعارفی مقالے کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔اسوۂ صحابیات کے زیرِ عنوان اس مقالے سے کسی قدر اندازہ کیا جاسکے گا کہ صحابیاتِ رسول ﷺ نے کیا کارنامے سرانجام دیے اور تاریخ اسلام میں ان کا کیا مقام ومرتبہ ہے۔قطع نظر اس کے کہ کسی صحابیہؓ کا تذکرہ مختصر ہے یا مفصل، ہمیں یقین ہے کہ اس کا مطالعہ قارئین کے لیے انشراحِ قلب کا باعث ہوگا۔

اُسوۂ صحابیاتؓ

جس طرح رحمتِ عالم ختمی مرتبت جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ اقدس تمام کمالات و صفات کی جامع اور انسانیت کی معراج ہے اسی طرح صحابہ کرامؓ سیرت و کردار کے اعتبار سے اتنے ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز ہیں کہ انبیا علیہم السلام کو چھوڑ کر آج تک ان سے بہتر کسی انسان پر آفتاب طلوع نہیں ہوا۔ یہ آسمانِ ہدایت کے وہ روشن ستارے تھے جن کے صدق و اخلاص، دیانت و امانت، خیر و ایثار اور زہد و اتقا کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ ان کے نفسِ گرم سے آج تک فوز و سعادت کے چراغ روشن ہیں۔ تہذیب و تمدن کی زلفوں کو انھوں نے سنوارا، سیاست و معیشت کے چہرے کو انھوں نے نکھارا، جہالت کے اندھیروں اور کفر و شرک کی ظلمتوں میں انھوں نے ہدایت کی شمعیں روشن کیں۔ اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے جان، مال، اولاد جس شے کی ضرورت پڑی، حاضر کر دی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کوئی شخص تم میں سے مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے میرے ساتھ ماں باپ اولاد اور باقی سب لوگوں سے بڑھ کر محبت نہ ہو۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کی تصدیق آپ کے صحابہ کرامؓ نے اپنے عمل سے جس طرح کی تاریخِ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ شمعِ رسالت ﷺ کے ان پروانوں نے راہِ حق میں جو مصائب و آلام برداشت کیے ان کا حال پڑھ کر جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ان پروانوں کی دل سوزی اور جاں گدازی کی عجیب شان تھی۔ دینِ حنیف کی ترویج و اشاعت اور پرچم حق کی سربلندی کے لیے انھوں نے زندگی کے ہر میدان میں وہ قربانیاں دیں کہ انکا اجتماعی و انفرادی کردار قیامت تک تمام فرزندانِ توحید کے لیے مشعلِ راہ بن گیا۔ ان قدسی صفات انسانوں نے رضائے الٰہی کی خاطر ماں باپ کو چھوڑا، اہل و عیال سے جدائی اختیار کی، قبیلے اور وطنِ عزیز کو خیر باد کہا، گھر بار لٹایا، فاقے سہے، ہر قسم کی جسمانی اذیتیں برداشت کیں یہاں تک کہ ضرورت پڑنے پر راہِ حق میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا۔ سرورِ عالم ﷺ کے سامنے ہی نہیں، آپ کی وفات کے بعد بھی صحابۂ کرامؓ اور صحابیاتؓ نے اللہ کے دین کی جس دردمندی اور خلوص کیساتھ خدمت، حفاظت اور اشاعت کی اس کا اعتراف کرنا ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ یہ نفوسِ قدسیہ اُمتِ

اسلامیہ کے محسنین ہیں اور یہ اُمّت اُن کے احسانات کے بارِگراں سے تاابد سبک دوش نہیں ہو سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر صحابی اپنی ذات میں آیتِ الٰہی تھا۔ کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ انہی عظیم رِجال کار کے واسطہ سے ہم تک پہنچی ہے۔ ان کے نقوشِ سیرت' دینی جذبہ اور قوتِ ایمانی کے ایسے قوی سرچشمے ہیں جن کی بدولت یہ اُمّت فوز و فلاح کے راستے پر گامزن ہو سکتی ہے۔ آسمانِ صداقت کے یہ وہ روشن ستارے ہیں جنھیں دیکھ کر اُمّت کے سفینہ کے لیے منزل مقصود کا رُخ متعیّن کیا جا سکتا ہے۔ اس مقالے کا موضوعِ گفتگو ہے اسوۂ صحابیاتؓ۔ صحابیاتؓ وہ مقدس خواتین ہیں جو نہ صرف سبقت اِلَی الاسلام میں مردوں کے دوش بدوش رہیں بلکہ لوائے توحید تھام کر انھوں نے سیرت و کردار اور نسائیت کے وہ ایمان افروز نمونے پیش کیے جن کی مکمل اور جامع نظیر انسانی تمدّن کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہاں یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ بعثتِ نبوی سے پہلے عورت کو دنیا کی حقیر ترین مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ نہ اس کے کوئی حقوق تھے اور نہ معاشرے میں اس کی کوئی عزت تھی۔ اسے کوئی آئینی اور عمرانی حیثیت مطلق حاصل نہ تھی۔ یونانی اس کو شیطان کہتے تھے۔ یہودی اس کو ابدی لعنت کا مستحق سمجھتے تھے۔ عیسائی اس کو گلشنِ انسانیت کا کانٹا اور گناہ کے ہم معنی مخلوق سمجھتے تھے۔ رومی تہذیب میں اس کی حیثیت ایک لونڈی کی تھی۔ ہندو اس کو روحانیت کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ گردانتے تھے۔ سرزمینِ عرب میں اس کے ساتھ بدترین سلوک روا رکھا جاتا تھا یہاں تک کہ بعض سنگدل لوگ بیٹی کے پیدا ہوتے ہی اسے زندہ زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے۔

رحمتِ عالم ﷺ اللہ کا آخری پیغام لے کر دنیا میں تشریف لائے تو انسانیت کے بے برگ و بار خزاں رسیدہ شجر پر بہار تازہ آ گئی۔ آپ ﷺ نے دوسرے مظلوموں کی طرح خواتین کی مظلوم صنف کی بھی دادرسی فرمائی اور اس کو ماں' بہن' بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے وہ بلند مقام عطا فرمایا کہ دنیا کے کسی دوسرے معاشرے میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے دنیا کو بتایا کہ عورت نوعِ انسانی کا وہ نصف حصہ ہے جو اس کے اخلاقی' روحانی اور ذہنی قویٰ کی توسیع و ترقی کا ذمہ دار ہے۔ اگر یہ نصف حصہ ذلیل ہو اور عزتِ نفس سے محروم ہو تو معاشرہ نہ صرف تنزل و انحطاط کا شکار ہو جائے گا بلکہ خدا کے غضب کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ آپؐ نے دنیا پر واضح فرمایا کہ عورت بھی ویسی ہی انسان ہے جیسا مرد ہے' ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ روحانی ترقی کے جو

درجات مرد کومل سکتے ہیں وہی عورت کے لیے بھی کھلے ہوئے ہیں۔غرض آپ ﷺ نے عورت کو ذلت وعار کے مقام سے اٹھا کر عزت اور احترام کے مقام پر پہنچا دیا۔ یہ حضور ﷺ ہی ہیں جنھوں نے باپ کو بتایا کہ بیٹی کا وجود تیرے لیے ننگ وعار کا باعث نہیں بلکہ اس کی پرورش اور حق رسانی تجھے جنت کا مستحق بناتی ہے۔مُسندِ احمد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جس کے ہاں لڑکی پیدا ہو پھر وہ اسے نہ تو کوئی ایذا پہنچائے اور نہ اس کی توہین اور ناقدری کرے اور نہ محبت اور برتاؤ میں لڑکوں کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ لڑکی کے ساتھ اس حُسنِ سلوک کے صلے میں اس کو جنت عطا فرمائے گا۔

آنحضور ﷺ ہی نے شوہر کو بتایا کہ نیک بیوی تیرے لیے دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہے۔جامع ترمذی میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں اُس آدمی کا ایمان زیادہ کام کا ہے جس کا اخلاقی برتاؤ سب سے بہت اچھا ہو خاص کر بیوی کیساتھ جس کا رویہ لطف ومحبت کا ہو۔ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ ایمان میں سب سے کامل وہ شخص ہوتا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور تم میں سے سب سے بہتر وہ شخص ہے جو بیوی کے حق میں بہتر ہو۔

آپ ﷺ ہمیشہ مسلمانوں کو بیویوں کیساتھ حُسنِ سلوک اور احترام کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے خطبے میں بھی آپ نے خواتین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی نصیحت فرمائی۔

آنحضور ﷺ نے مسلمان بیٹے کو بتایا کہ اللہ اور رسولؐ کے بعد سب سے زیادہ عزت واحترام اور حسنِ سلوک کی مستحق تیری ماں ہے اور جنت تمہاری ماں کے قدموں تلے ہے۔

اب ہم عہدِ رسالت کی خواتینِ اسلام یعنی صحابیاتؓ کی دینی' اخلاقی معاشرتی اور علمی زندگی پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ان پاک نہاد باہمت خواتین نے صفحہءتاریخ پر اپنی سیرت وکردار کے جو نقوش ثبت کیے ان کا ہر پہلو سعادت مند روحوں کے لئے درسِ ہدایت ہے۔رسولِ اکرم ﷺ پر غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ کے قلب اطہر میں بے چینی سی پیدا ہوئی۔گھر تشریف لائے تو اپنی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے فرمایا۔ زَمِّلُوْنِي زَمِّلُوْنِي یعنی مجھے کپڑا اوڑھاؤ مجھے کپڑا اوڑھاؤ۔حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو کپڑا

اوڑھایا اور تسلی کے طور پر عرض کیا' آپ کنبہ پرور ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں' محتاجوں کا سہارا ہیں، بے کسوں کی دستگیری کرتے ہیں' مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں، اور مصیبت زدوں کے کام آتے ہیں' اللہ آپ کو تنہا نہیں چھوڑے گا۔ پھر ان کو یہ شرف عظیم حاصل ہوا کہ سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور آخری دم تک آپ کی خدمت، اعانت اور غمگساری میں مشغول رہیں۔ آنحضور ﷺ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے، جب لوگوں نے انکار کیا تو وہ ایمان لائی' جب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے تو اُس نے میری تصدیق کی، جب لوگ مجھے اپنی امداد سے محروم کر رہے تھے تو اُس نے اپنی دولت سے میری اعانت اور غم خواری کی، اللہ تعالیٰ نے اُس سے مجھے اولاد دی۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد جن خواتین نے قبولِ اسلام میں سبقت کا شرف حاصل کیا' ان کی فہرست خاصی طویل ہے۔ اس پُر آشوب زمانے میں اسلام قبول کرنا مصائب و آلام کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ لیکن اللہ کی ان نیک بندیوں نے ہر قسم کے نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر دعوتِ حق پر لبیک کہا ۔ کفار نے قبولِ حق کے جرم میں ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے لیکن ان کے پائے استقامت میں لمحہ بھر کے لیے بھی لغزش نہ آئی۔

چند مثالیں

حضرت سمیہؓ بنت خیاط بنو مخزوم کی لونڈی تھیں۔ ابو جہل ان کو ہر روز طرح طرح کی اذیتیں دیتا' کبھی ڈنڈے سے زدوکوب کرتا' کبھی مکہ کی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتا لیکن ان کو اسلام سے منہ موڑنا گوارا نہ تھا۔ آخر ایک دن ابو جہل نے جوشِ غضب میں ان کو برچھی مار کر شہید کر دیا۔ یوں ایک خاتون کو سب سے پہلے شرفِ شہادت حاصل ہوا۔

حضرت لبینہؓ قریش کے خاندان بنو عدی کی لونڈی تھیں۔ بعثتِ نبوی کے ابتدائی سالوں میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں۔ اس پر حضرت عمرؓ بن خطاب (اپنے زمانۂ جاہلیت میں) اس قدر برافروختہ ہوئے کہ ان کو روزانہ زدوکوب کیا کرتے تھے۔ جب مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے میں تھک گیا ہوں اس لیے تجھے چھوڑا ہے، اب بھی اس نئے دین کو ترک کر دے۔ وہ جواب میں

کہتیں: ہرگز نہیں تو جتنا ظلم ڈھا سکتا ہے ڈھا لے۔ آخر انھیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خرید کر آزاد کیا۔ حضرت نہدیہؓ اور ان کی بیٹی بنو عبدالدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں۔ ان دونوں نے اسلام قبول کیا تو ان کی مالکہ نے ان پر سخت ظلم ڈھائے لیکن وہ برابر راہِ حق پر گامزن رہیں۔

حضرت امِ عُبَیسؓ بنو زہرہ کی لونڈی تھیں۔ دعوتِ حق کے اوائل میں مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ اس جرم میں رئیسِ خاندان اسود بن عبدِ یغوث نے ان پر ایسے ایسے ظلم توڑے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی لیکن وہ کسی صورت میں اسلام سے منحرف نہ ہوئیں۔ آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو اسود کے پنجۂ ستم سے رہائی دلائی۔

حضرت زِنّیرہؓ بنو مخزوم کی لونڈی تھیں۔ دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے میں نعمتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں تو ابوجہل ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھانے لگا یہاں تک کہ نت نئے مظالم سہتے سہتے حضرت زنّیرہؓ کی بینائی جاتی رہی۔ اس پر ابوجہل نے انھیں طعنہ دیا کہ لات وعزّیٰ نے تجھے اندھا کر دیا۔ انھوں نے بے دھڑک جواب دیا، لات وعزّیٰ پتھر کے بت ہیں وہ کیا جانیں کہ انہیں کون پوج رہا ہے اگر میری بینائی جاتی رہی ہے تو یہ مصیبت میرے اللہ کی طرف سے ہے اگر وہ چاہے تو میری بینائی واپس بھی دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی شانِ صبر واستقامت اس قدر پسند آئی کہ دوسرے دن سو کر اٹھیں تو ان کی بینائی بحال ہو چکی تھی۔ اب ابوجہل ان پر پہلے سے بڑھ کر ظلم ڈھانے لگا۔ آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ تحمّلِ شدائد کے ساتھ صحابیات کے دلوں میں اشاعتِ اسلام کی بھی سچی تڑپ تھی۔ حضرت امِ شریکؓ قریش کی عورتوں میں رازداری کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کیا کرتی تھیں۔ مشرکینِ قریش کو کسی طرح پتا چل گیا۔ وہ ان کو مکّہ کی ہولناک دھوپ میں کھڑا کر دیا کرتے تھے۔ امِ شریکؓ گرمی اور پیاس کی شدت سے بے ہوش ہو جاتی تھیں لیکن زبان پر ہر وقت اللہ کا نام رہتا تھا۔ آخر مشرکین نے ان کو مکّہ سے نکال دیا۔

حضرت فاطمہؓ بنتِ خطاب نے اپنا خون بہا کر جس طرح اپنے بھائی حضرت عمرؓ کو اسلام کی طرف راغب کیا وہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ فاطمہؓ کی استقامت اور جراءت ہی تھی جس نے عمر کو فاروقِ اعظمؓ بنا دیا۔ عکرمہؓ بن ابی جہل کو ان کی اہلیہ امِ حکیمؓ دائرۂ اسلام میں لائیں اور پھر وہ آخری دم تک اسلام کے دست وبازو بنے رہے۔ حضرت عثمانِ غنیؓ کو سعدیٰ بنتِ کریز کی تبلیغ نے

حلقہ بگوش اسلام بنا دیا۔ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ سے حضرت اُمِ سُلَیمؓ نے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ اپنے لکڑی کے بت کی پوجا چھوڑ کر اللہ وَحدَہٗ لاشریک اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائیں گے۔ اس طرح صحابیات کی تبلیغی مساعی کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ اسلام میں افضل ترین عمل ہے۔ صحابیات اس عمل میں بھی مردوں سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی تھیں۔ ان کے لیے سب سے زیادہ موزوں کام شہیدوں اور زخمیوں کو میدانِ جہاد سے اٹھا کر لانا، زخمیوں کو پانی پلانا، ان کی مرہم پٹی کرنا، تیر اٹھا کر لانا، شہدا کی قبریں کھودنا، کھانا پکانا، مشکیزوں میں پانی بھر کر لانا، سامان کی حفاظت کرنا، جانوروں کی دیکھ بھال کرنا، پہرہ دینا اور قیدیوں کی نگرانی کرنا وغیرہ۔ وہ ان خدمات کو نہایت خلوص اور دل سوزی سے انجام دیتی تھیں۔ ضرورت پڑنے پر وہ تلوار بھی اٹھا لیتی تھیں اور سرفروشی کے ایسے جوہر دکھاتی تھیں کہ بعض اوقات مردوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتی تھیں۔ دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

غزوۂ اُحد میں جب ایک اتفاقی غلطی سے مسلمانوں میں انتشار پھیلا تو حضرت اُمِ عمارہؓ رسول اکرم ﷺ کے آگے سپر بن کر کھڑی ہو گئیں اور حضور ﷺ کی حفاظت کی خاطر سردھڑ کی بازی لگا دی۔ جو کافر آپ ﷺ کی طرف بڑھتا، وہ اپنی تلوار سے اس کو مار گراتیں۔ کندھے پر گہرا زخم آیا لیکن میدان جنگ سے پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیا یہاں تک کہ کچھ دوسرے صحابہ ان کی مدد کے لیے پہنچ گئے۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ یومِ اُحد کو میں جدھر نظر اٹھاتا تھا، اُمِ عمارہ ہی تلوار چلاتی نظر آتی تھیں۔ اسی سرفروشی کی بنا پر انھوں نے ''خاتونِ اُحد'' کا لقب پایا۔ جنگِ یرموک میں ایک موقع پر مسلمانوں کے ایک دستے کے قدم اکھڑے اور اس نے پیچھے کا رُخ کیا تو مسلمان خواتین نے جن میں بہت سی صحابیات بھی شامل تھیں، اپنے خیموں کی چوبیں اکھاڑ لیں۔ ایک طرف تو پیچھے ہٹنے والے مجاہدین کو غیرت دلائی اور دوسری طرف تعاقب کرنے والے رومیوں کے سر توڑنے شروع کر دیے۔ ان کی جانبازی نے آناً فاناً لڑائی کا نقشہ بدل دیا۔

علمی یا تعلیم و تعلّم کے میدان میں صحابیات نے جو خدمات انجام دیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ صحابیات میں ازواجِ مُطہّرات کو آنحضور ﷺ کے ساتھ زیادہ خصوصیت حاصل تھی۔ اس لیے اس سلسلہ میں ان کی خدمات سب سے زیادہ ہیں۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ

صدیقہؓ سے دو ہزار دو سو دس احادیث مروی ہیں اور احکام شریعت کا ایک چوتھائی انہی سے منقول ہے۔قرآن' فرائض' حلال و حرام' فقہ، عرب کی تاریخ اور نسب کی واقفیت میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔ان کے خوانِ علم سے سیکڑوں لوگ فیضیاب ہوئے جن میں متعدد جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے علاوہ بیسیوں تابعین بھی تھے اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ سے ۳۷۸، اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ سے ساٹھ' حضرت اُمِّ حبیبہؓ سے ۶۵' اور حضرت میمونہؓ سے ۴۶ احادیث مروی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابیاتؓ میں مشکل ہی سے کوئی صحابیہ ایسی ہوں گی جن سے کوئی نہ کوئی روایت موجود نہ ہو۔ مثلاً حضرت اسماءؓ بنتِ ابی بکرؓ سے ۵۶' حضرت اسماءؓ بنتِ عُمیس سے ۶۰ حضرت اُمّ الفضلؓ سے ۳۰' حضرت رُبیّع بنت مُعَوِّذؓ سے ۳۱' حضرت اُمِّ ہانیؓ سے ۴۰ احادیث مروی ہیں۔اگر ان تمام صحابیات کی روایتیں جمع کی جائیں تو ان کی مسانید کے لیے کئی جلدیں درکار ہوں گی۔صحابیات سے کسبِ فیض کرنے والی خواتین کو تابعیات کہا جاتا ہے اور ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔ان خواتین نے صحابیات سے حاصل کیے ہوئے علم کو چار دانگِ عالم میں پھیلا دیا۔صحابیات کو روایتِ حدیث کے ساتھ احادیث سے استدلال' استنباطِ مسائل اور ان کے اسباب و علل کی تلاش و تحقیق میں بھی خاص امتیاز حاصل تھا۔دو مثالیں۔۔۔

ایک دفعہ لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تین چیزوں میں بدشگونی ہے' عورت میں' گھوڑے میں اور گھر میں۔حضرت عائشہؓ نے جب یہ سنا تو فرمایا' اللہ ابو ہریرہ پر رحم کرے انھوں نے پوری حدیث نہیں سنی۔پوری حدیث یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے وہ کہتے ہیں کہ بدشگونی تین چیزوں میں ہے عورت میں گھوڑے میں اور گھر میں۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ کھایا جائے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ نے اسے دائمی حکم سمجھا۔حضرت عائشہؓ کو علم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حکم واجب اور دائمی نہیں بلکہ مستحب ہے۔اس حکم سے آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ قربانی کا گوشت لوگ بے تحاشا جمع نہ کریں بلکہ دوسروں کو کھلا دیا کریں۔

مختصر یہ کہ صحابیاتؓ نے حصولِ علم میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر دل و جان سے عمل کیا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کا فریضہ ہے۔پھر انھوں نے علم کی توسیع و اشاعت

میں جو کارنامے سرانجام دیے وہ ہماری تاریخ کا ایک زرّیں باب ہے۔

صحابیاتؓ کو عبادات سے اس قدر شغف تھا کہ وہ فرض اور واجب عبادات کے علاوہ نفلی عبادات بھی نہایت ذوق وشوق سے کیا کرتی تھیں مثلاً رات بھر نمازیں پڑھنا' اشراق اور تہجد کی نمازوں کی پابندی کرنا' کثرت سے روزے رکھنا' ہر سال حج یا عمرہ کرنا وغیرہ۔

جہاں تک فضائلِ اخلاق کا تعلق ہے تو صحابیات میں وہ تمام اوصاف ومحاسن جمع ہو گئے تھے جو حسنِ سیرت اور حسنِ معاشرت کا لازمہ ہوتے ہیں مثلاً سخاوت' ایثار' عفوودرگزر' عزتِ نفس، صبر و ثبات' صلہء رحمی' شرم وحیا' مہمان نوازی' اعانتِ اقربا' پرورشِ یتامیٰ' باہمی اعانت' اعانتِ غربا' انفاق فی سبیل اللہ' غیرتِ دینی' امانت ودیانت' راست بازی' خانہ داری، عیادت' تعزیت' شوہر کی رضاجوئی' خادموں کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ وغیرہ۔ ان کے اخلاقِ حسنہ کی مثالیں پیش کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ یوں سمجھیے کہ سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے۔ ہم یہاں صرف چند مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

ایک دفعہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ میں لوگوں کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دی۔ صحابیات نے آپ کا ارشاد سنا تو اپنے کانوں کی بالیاں گلے کے ہار اور انگلیوں کے چھلے تک اتار کر راہِ حق میں دے دیے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا ؓ گھر کا سب کام اپنے ہاتھوں سے کیا کرتی تھیں۔ بعض دفعہ سارا سارا دن چکی پیستے گزر جاتا تھا۔ غربت کے باوجود سائل کو کبھی اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جانے دیتی تھیں۔ ایک دن ایک شخص نے دروازے پر آ کر سوال کیا تو اسے دینے کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کو بلا بھیجا اور انھیں اپنی چادر دے کر فرمایا کہ شمعون یہودی کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ یہ فاطمہ بنتِ محمد ﷺ کی چادر ہے اسے رکھ لو اور سائل کو اس کے عوض اناج دے دو۔

حضرت اُمِ خلادؓ کے فرزند غزوۂ بنی قریظہ میں شہید ہو گئے۔ وہ ان کی شہادت کا واقعہ پوچھنے بارگاہِ رسالت میں اس طرح حاضر ہوئیں کہ چہرہ نقاب سے ڈھانپ رکھا تھا۔ ایک صاحب نے کہا، بی بی غم واندوہ کے عالم میں بھی نقاب کا خیال کیسے رہا؟ بولیں' میں نے بیٹا کھویا ہے' شرم وحیا تو نہیں کھوئی۔

غزوۂ احد میں عقبی درے سے دشمن کے اچانک حملے کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا، تقریباً ستر مسلمان شہید ہو گئے اور اسی قدر زخمی۔ بنو دینار کی ایک صحابیہ تک یہ خبر پہنچی تو وہ شہیدوں اور زخمیوں کا حال معلوم کرنے کے لیے مدینہ شہر سے میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے میں کسی نے انھیں بتایا کہ تمہارے والد لڑائی میں شہید ہو گئے۔ وہ خاموش رہیں، آگے بڑھیں تو کسی نے بتایا کہ تمہارے شوہر نے شہادت پائی۔ اب بھی وہ کچھ نہ بولیں۔ کچھ اور آگے گئیں تو لوگوں نے بتایا کہ تمہارے بھائی نے شہادت پائی۔ اب وہ بولیں لوگو! تم نے مجھے میرے والد، شوہر، بھائی کی شہادت کی خبر تو دے دی لیکن یہ نہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ الحمدللہ آپ ﷺ بخیریت ہیں۔ یہ سن کر ان کا چہرہ کھل اٹھا اور بولیں رسول اللہ سلامت ہیں تو باقی سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔۔۔ یعنی:

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی اور برادر بھی

اے شہِ دیں تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

حضرت رُبیعؓ بنت نضر کے فرزند حضرت حارثہ غزوہ بدر میں شہید ہو گئے۔ وہ آنحضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! حارثہ میرا نہایت فرمانبردار بیٹا تھا اور مجھے اس سے بے حد محبت تھی، اگر وہ جنت میں گیا ہے تو میں صبر کروں گی ورنہ آپ دیکھیں گے میں کیا کرتی ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، وہ جنت میں کیا جنت الفردوس میں ہے۔ یہ سن کر حضرت رُبیعؓ باغ باغ ہو گئیں اور بے اختیار بولیں بَخٍ بَخٍ یا حارثہ یعنی واہ واہ اے حارثہ!

حضرت خنساءؓ کے چار فرزند جنگِ قادسیہ میں شہید ہو گئے۔ وہ میدان جنگ میں موجود تھیں۔ یہ خبر سنی تو سجدۂ شکر میں گر پڑیں اور کہا، اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے چار شہیدوں کی ماں ہونے کا شرف بخشا۔ اوائلِ بعثت میں جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے وہ کفار کے مظالم کا ہدف بن جاتے تھے اور انھیں گھر بار، اہل وعیال اور مال جائداد سے دست بردار ہونا پڑتا تھا۔ اس وقت ان نومسلموں کی کفالت اسلام کی سب سے بڑی خدمت تھی۔ حضرت اُمِ شریکؓ نے اپنے گھر کو ان نومسلموں کیلیے مہمان خانۂ عام بنا دیا تھا۔ وہ ہر وقت ان کی خدمت میں مصروف رہتی تھیں۔ حضرت ناجیہؓ کو اسلام اور بیماروں کی تیمارداری کا بے حد شوق تھا۔ وہ ہر ماہ دو مرتبہ مختلف قبائل میں سفر کر کے خواتین کو اسلام کی دعوت دیتی تھیں اور اگر کسی قبیلے میں کوئی عورت بیمار ہوتی تو

اس کی خدمت میں لگ جاتیں اور جب تک وہ تندرست نہ ہو جاتی وہ برابر اس کی تیمارداری میں مصروف رہتیں۔ غرض صحابیات کے کون کون سے وصف کا ذکر کیا جائے۔ حق تو یہ ہے کہ یہی مقدس خواتین اسلام کی خواتینِ مطلوب تھیں اور ان کے اسوہ کو مشعلِ راہ بنا کر ہماری مائیں، بہنیں، بیٹیاں اور بیبیاں اللہ اور رسول ﷺ کی خوشنودی حاصل کر سکتی ہیں اور یوں دین و دنیا میں سُرخرُو ہو سکتی ہیں۔

وہی ہے راہ تیرے عزم و شوق کی منزل
جہاں ہیں عائشہؓ و فاطمہؓ کے نقشِ قدم

☆☆☆☆

نوٹ:

اگلے صفحات میں بیشتر صحابیات کے تذکرے علامہ ابنِ اثیر جزریؒ کی تالیف اُسدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (جلد ۱۰) سے اخذ کیے گئے ہیں۔

طالب الہاشمی

حضرت اُمَیمہ بنتِ بشیر رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج کی شاخ حارث بن خزرج سے تھا۔نسب نامہ یہ ہے۔
امیمہ بنتِ بشیرؓ بن سعد بن ثعلبہ بن خلاص بن زید بن مالک بن اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج الاکبر۔

حضرت اُمیمہؓ کے والد حضرت بشیرؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔وہ انصار کے سابقین اوّلین میں سے تھے۔عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں ان کو رسول اللہ ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا۔حضرت اُمیمہؓ کی والدہ حضرت عمرہؓ بنتِ رواحہ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہؓ بن رواحہ (شہیدِ مؤتہ) کی ہمشیر تھیں۔اس نسبت سے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ ان کے ماموں تھے۔مشہور صحابی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما حضرت امیمہؓ کے حقیقی بھائی تھے گویا یہ سارا خاندان ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق تھا۔اسی پاکیزہ ماحول میں حضرت امیمہ نے پرورش پائی اور شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئیں۔بڑی صالحہ اور خدا ترس خاتون تھیں۔غزوۂ خندق کے دوران کا واقعہ ہے کہ ایک دن ان کی والدہ نے انکو کچھ کھجوریں کپڑے میں لپیٹ کر دیں کہ انہیں اپنے والد اور ماموں (عبداللہؓ بن رواحہ) کو دے آؤ۔وہ والد اور ماموں کی تلاش میں رسولِ اکرم ﷺ کے پاس سے گزریں تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا'بیٹی یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا'یا رسول اللہ! یہ کھجوریں ہیں جو میں اپنے والد اور ماموں کے لیے لے جا رہی ہوں۔حضور ﷺ نے فرمایا'ادھر لاؤ۔انہوں نے کھجوریں حضور ﷺ کے دونوں ہاتھوں میں انڈیل دیں۔آپ نے فرمایا' کپڑا زمین پر بچھا دو۔انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی پھر آپؐ نے کھجوریں اس کپڑے پر ڈال دیں اور انہیں بکھیر کر ایک صحابی سے فرمایا کہ تمام اہلِ خندق کو کھانے کے لیے آواز دو۔تمام اصحاب جن کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ تھی انہوں نے سیر ہو کر کھجوریں کھائیں لیکن ان میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کھجوروں میں غیر معمولی برکت دی ہے اور وہ کم ہونے کے بجائے بڑھ گئی ہیں۔(کھجوریں تناول کرنے والوں میں حضرت اُمیمہؓ کے والد اور ماموں بھی شامل تھے یوں ان کا مقصد بھی پورا ہو گیا)

حضرت اُمَیمہؓ بنتِ عبد رضی اللہ عنہا

قریش کی معزز شاخ بنو تیم سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے۔

امیمہ بنتِ عبد بن بجاد بن عمیر بن حارث بن حارثہ بن سعد بن تیم بن مُرّہ۔

ان کی والدہ کا نام رُقَیقہ تھا جو اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی بہن تھیں اس نسبت سے حضرت امیمہؓ اُمّ المومنینؓ کی بھانجی تھیں۔ حضرت امیمہؓ سے روایت ہے کہ (مجھ سمیت) کچھ عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تو آپ نے پوچھا' تم کس کی اطاعت کرنے کی تمنا کرو گی اور کس کی اطاعت کرو گی۔ ہم نے جواب دیا' اللہ اور اس کا رسول ہمیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہیں۔

☆☆☆☆
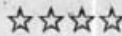
حضرت رمیثہ رضی اللہ عنہا

قریش کے خاندان بنو مُطّلِب سے تھیں نسب نامہ یہ ہے:

رمیثہ بنتِ عمرو بن ہاشم بن مُطّلِب بن عبدِ مناف

ان سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سماع حدیث کیا اور اس وقت میں آپؐ کے بہت قریب تھی یہاں تک کہ اگر چاہتی تو آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان مُہرِ نبوت کا بوسہ لے لیتی۔ جس دن سعدؓ بن معاذ فوت ہوئے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اس صدمے سے عرشِ الٰہی لرز اٹھا ہو گا۔

☆☆☆☆
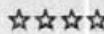
حضرت اُنیسہؓ بنتِ خُبَیبؓ

جلیل القدر صحابی حضرت خُبَیب بن یساف[1] (اساف) انصاری کی صاحبزادی تھیں۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

اُنیسہؓ بنتِ خبیبؓ بن یساف (اساف) بن عتبہ بن عمرو بن خدیج بن عامر بن جشم بن حارث بن خزرج بن ثعلبہ خزرجی

ان کا شمار اہلِ بصرہ میں ہوتا ہے۔ ان سے ان کے بھتیجے خبیب بن عبدالرحمٰنؒ نے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنی پھوپھی سے سنا (انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ حج کیا تھا) کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ ابن اُمِ مکتومؓ (رمضان کی) راتوں کے دوران میں منادی کرتے تھے کہ بلال کے منادی کرنے تک کھاتے پیتے رہو اور کبھی اس کے برعکس ہوتا اسی طرح کبھی ایک اترتا کبھی دوسرا (یعنی کبھی ابنِ اُمِ مکتومؓ لوگوں کو سحری کے وقت جگاتے اور حضرت بلال سحری کا وقت ختم ہونے کا اعلان کرتے۔ کبھی حضرت بلال سحری ہونے کا اعلان کرتے اور حضرت ابنِ اُمِ مکتوم سحری کا وقت ختم ہونے کا اعلان کرتے) اس طرح ہم اپنا دھیان ان کی طرف لگائے رکھتے اور سحری کرتے۔

---

[1] حضرت خُبَیبؓ بن یساف غزوۂ بدر (رمضان ۲ھ) سے پہلے اسلام لائے (اس وقت رسولِ اکرم ﷺ غزوۂ بدر کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت خبیبؓ نے اثنائے راہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا) پھر وہ غزوۂ بدر میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ لڑائی میں ان کو شدید چوٹ لگ گئی اور ان کا ایک پہلو جھک گیا۔ حضور ﷺ نے اس پر اپنا لُعابِ دہن ڈالا اور ہاتھ پھیرا اور اس کو اٹھادیا تو وہ چلنے لگے۔ بدر کے بعد وہ غزوۂ اُحد اور خندق میں بھی شریک ہوئے۔ دوسرے غزوات کے بارے میں اہلِ سیر نے وضاحت نہیں کی۔ عدم شرکت کا کوئی سبب نظر نہیں آتا۔ قیاس یہی ہے کہ ضرور شریک ہوئے ہوں گے۔ انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ (اُسد الغابہ)

حضرت برزہ بنتِ مسعود ثقفی رضی اللہ عنہا

صحابیؓ رسول حضرت مسعودؓ بن عمرو ثقفی کی صاحبزادی تھیں۔ اپنے والد کے ساتھ وطن (طائف) سے نکل کر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ غزوۂ اُحُد سے پہلے اسلام قبول کر کے شرفِ صحابیت حاصل کیا اور پھر غزوۂ احد میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں جن میں زخمیوں کی مرہم پٹی، مجاہدین کو پانی پلانا، میدانِ جنگ سے تیر اٹھا کر لانا جیسے کام شامل تھے۔ بڑی عبادت گزار اور باہمت خاتون تھیں۔ ان کا نکاح صفوانؓ بن امیہ جُمَحی سے ہوا تھا۔ ان سے ایک بیٹے عبداللہ پیدا ہوئے۔ ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔

☆☆☆☆

حضرت برصا رضی اللہ عنہا

صحابیؓ رسول ﷺ حضرت ابو عمرہ انصاریؓ [1] کی اہلیہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمرہؓ کی والدہ تھیں۔ ان کا نام باختلافِ روایت کبشہ یا کیشہ تھا، برصا ان کا عرف یا لقب ہے۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے یہاں تشریف لائے اور کھڑے کھڑے ایک مشکیزے سے پانی نوش فرمایا۔

---

[1] ان کا نام باختلاف روایت بشر، بشیر یا ثعلبہ تھا۔ خاندانی تعلق مالک بن نجار سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: ابو عمرہ بشرؓ (بشیر، ثعلبہ) بن عمرو بن محصن بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن مبذول (عامر) بن مالک بن نجار انصاری خزرجی۔ ابن اسحاقؒ نے ان کو اصحاب بدر میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ اور ابو نعیمؒ کا بیان ہے کہ وہ غزوۂ اُحُد اور دوسرے غزوات میں بھی شریک رہے۔ جنگ صفّین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ ان کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ اور بھائی ابو عبیدہؓ بن عمرو بن محصن کو بھی شرف صحابیت حاصل ہوا۔ ابو عبیدہؓ بن عمرو نے سانحہ بئر معونہ میں شہادت پائی۔ (الاستیعاب۔ اسد الغابہ)

حضرت خیرہ رضی اللہ عنہا

جلیل القدر صحابی حضرت کعب بن مالک انصاریؓ کی زوجہ تھیں [1]۔ نہایت مخیر اور صالحہ خاتون تھیں۔ ان سے روایت ہے کہ وہ اپنا زیور لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں اپنا یہ زیور فی سبیل اللہ صدقہ کرنا چاہتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' کیا تو نے اس کے لیے اپنے شوہر سے اجازت لی ہے کیونکہ اس کی رضامندی کے بغیر تو ایسا نہیں کر سکتی۔ انہوں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! میں شوہر کی اجازت ہی سے یہ زیور صدقہ کر رہی ہوں۔

آپ ﷺ نے کعبؓ کو طلب فرما کر تصدیق کی اور زیور لے لیا (تاکہ اسے راہِ حق میں صدقہ کیا جائے) حضرت کعب بن مالکؓ کی ایک زوجہ کا نام خولہ بنتِ حکیم (بن اُمیہ بن حارثہ)

---

[1] حضرت کعب بن مالک انصاریؓ کا شمار نہایت جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق خزرج کے خاندان بنو سلمہ سے تھا۔ ہجرتِ نبوی سے پہلے اسلام قبول کیا اور بیعت لیلۃ العقبہ میں شریک ہوئے۔ وہ بہت اونچے درجے کے شاعر تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد اپنے اشعار میں مشرکین کی ہجوگوئی کا جواب نہایت مؤثر انداز میں دیا کرتے تھے۔ ان کے اشعار سن کر ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کفار پر کعب بن مالک کے اشعار کی زد تیر سے بھی زیادہ سخت ہے۔ بدر اور تبوک کے سوا عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ غزوۂ اُحد میں گیارہ زخم کھائے۔ غزوۂ بدر میں ان کی عدم شرکت کا سبب یہ تھا کہ حضور ﷺ ان کے تیار ہونے سے پہلے ہی مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ غزوۂ تبوک میں وہ اور دو دوسرے سچے مسلمان (حضرت مرارہؓ بن ربیع اور حضرت ہلالؓ بن امیہ) محض کاہلی کی بنا پر حضور ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل نہ کر سکے۔ حضور ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے تو ان تینوں کا معاشرتی مقاطعہ کرنے کا حکم دیا۔ اس مقاطعہ کے پچاسویں دن اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ حضور ﷺ نے انہیں یہ خوشخبری سنائی تو حضرت کعبؓ نے اپنی جائداد کا ایک حصہ راہِ حق میں صدقہ کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت کعبؓ بن مالک نے ۵۰ھ میں ۷۷ برس کی عمر میں وفات پائی ان سے ۸۰ احادیث مروی ہیں۔ (صحیح بخاری۔ طبقات ابن سعد)

تھا۔ان کا تعلق بنو سُلَیم سے تھا۔وہ بھی نہایت پارسا خاتون تھیں ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جو آدمی سفر میں کسی منزل پر قیام کرے اور یہ دعا پڑھے جب تک وہ وہاں قیام کرے گا ہر دکھ سے محفوظ رہے گا۔

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ مَا خَلَقَ

حضرت خیرہ ؓ کا نسب نامہ کسی نے بیان نہیں کیا۔ہو سکتا ہے کہ نام میں التباس ہو گیا ہو اور خیرہ اور خولہ ایک ہی ہوں۔واللہ اعلم۔

☆☆☆☆

حضرت آمنہ بنتِ ارقم رضی اللہ عنہا

اہل سِیَر نے ان کا حسب ونسب بیان نہیں کیا صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کو شرف صحابیت حاصل ہوا اور انہوں نے ہجرت کی۔حضرت آمنہ بنتِ ارقم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں وادیٔ عقیق میں ایک کنواں عطا فرمایا جو بعد میں بئرِ آمنہ کے نام سے مشہور رہا اور حضور ﷺ نے ان کے لیے دعائے برکت فرمائی۔

☆☆☆☆

حضرت بسرہ بنتِ صفوان رضی اللہ عنہا

قریش کے خاندان بنو اسد بن عبد العزّیٰ سے تھیں سلسلہ نسب یہ ہے۔

بسرہ ؓ بنتِ صفوان بن نوفل بن اسد بن عبد العزّیٰ بن قُصَی بن کلاب۔

والدہ کا نام سالمہ بنتِ امیہ تھا۔حضرت بسرہ کی شادی مغیرہ بن ابو العاص سے ہوئی تھی۔ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی شرم گاہ کو چھوئے وہ وضو کیے بغیر نماز نہ پڑھے۔

حضرت نویلہ بنتِ اسلم انصاریہ رضی اللہ عنہا

ان کے نام میں اختلاف ہے بعض نے بدیلہ لکھا ہے اور بعض نے تویلہ، بہر صورت نام ایک ہی ہے باقی تصحیفات ہیں انصار کے کسی خاندان (بقولِ بعض بنو حارثہ) سے تھیں۔ ان کے بیٹے حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہٗ (شہیدِ خیبر) مشہور صحابی ہیں۔ حضرت نویلہ (تویلہ) سے روایت ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ بنو حارثہ کی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عباد بن بشر نے ہمیں بتایا کہ تحویلِ قبلہ کا حکم آ گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف سے کعبے کی طرف منہ پھیر لیا ہے۔ مردوں کی جگہ عورتیں آ گئیں اور عورتوں کی جگہ مردوں نے لے لی۔ چونکہ تحویل قبلہ کا حکم دورانِ نماز میں نازل ہوا تھا اس لیے باقی دو سجدے ہم نے کعبے کی طرف رخ کر کے ادا کیے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

☆☆☆☆

حضرت سلمیٰ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا

انصار کے خاندان عدی بن نجّار سے تھیں نسب نامہ یہ ہے: سلمیٰ بنتِ قیس بن عبید بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجّار۔ ان کی کنیت ام المنذر تھی۔ نام کی بجائے اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ ہجرتِ نبوی ﷺ کے بعد چند دوسری خواتین کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان امور پر آپ ﷺ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ شرک نہ کریں گی چوری نہ کریں گی' زنا کا ارتکاب نہ کریں گی' اولاد کو قتل نہ کریں گی' کسی پر بہتان نہ باندھیں گی' اپنے شوہروں کو دھوکا نہ دیں گی۔

ان کا بیان ہے کہ بیعت کے بعد جب سب خواتین بارگاہ رسالت سے اٹھ کر باہر آئیں تو میں نے ساتھ کی ایک خاتون سے کہا کہ دھوکے کے لفظ سے رسول اللہ کی کیا مراد تھی جاؤ اور آپ ﷺ سے پوچھ کر آؤ۔ انہوں نے جا کر حضور ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"تو اپنے خاوند کا مال لے لے اور کوئی دوسرا اس سے فائدہ اٹھائے"

آنحضور ﷺ کے دادا جناب عبدالمطلب کی والدہ بنو عدی بن نجار سے تھیں۔ اس نسبت سے حضور ﷺ ام المنذر سلمیٰؓ کو آپ ﷺ کی پھوپھی بھی کہا جاتا ہے ان کو حضور ﷺ سے کمال درجے کی محبت اور عقیدت تھی۔ آپ ﷺ کو بھی ان پر بہت اعتماد تھا۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ غزوہ بنی قریظہ میں حضرت ریحانہؓ اسیر ہو کر آئیں تو حضور ﷺ نے ان کو حضرت ام المنذرؓ کے گھر میں ٹھہرایا (کیونکہ انہوں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا) جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے نکاح کے بعد حرم نبوی میں داخل کر لیا یا بروایت دیگر اپنی ملک میں رکھا۔ ابن ماجہ نے حضرت اُمّ المنذرؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے جو کسی بیماری سے اٹھے تھے اور ابھی کمزور تھے۔ ہمارے یہاں کھجور کے خوشے لٹک رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کچھ کھجوریں تناول فرمائیں۔ حضرت علیؓ نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو آپ ﷺ نے فرمایا "علی! ٹھہرو تم ابھی کمزور ہو" (یعنی کھجور کا استعمال تمہارے لیے مناسب نہیں)۔

پھر میں نے حضور ﷺ کیلیے چقندر اور جَو کا سالن پکایا۔ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ "اس میں سے کھاؤ' یہ تم کو زیادہ مفید ہے"

حضرت اُمّ المنذرؓ نے دونوں قبلوں (بیت المقدس اور کعبہ شریف) کی طرف نماز پڑھی۔ وہ بیعتِ رضوان کے موقع پر بھی موجود تھیں۔

☆☆☆☆
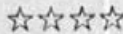
حضرت سہیمہ بنتِ عمیر (عویمر) رضی اللہ عنہا

مشہور عرب قبیلے بنومزینہ سے تھیں۔ ان کی شادی رُکانہ بن عبد یزید (بن ہاشم بن مُطَلِب بن عبدِ مناف بن قُصَیّ) سے ہوئی۔[1] دونوں میاں بیوی غزوۂ خیبر (محرم ۷ ہجری) کے بعد قبولِ اسلام اور صحابیت کے شرف سے بہرہ ور ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پچاس وسق (ایک وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے اور ایک صاع ۲ کلو ۱۷۶ گرام گیہوں کے وزن کے برابر) کھجوریں عنایت فرمائیں۔

سنہ ۱۰ ہجری میں دونوں میاں بیوی کو حجۃ الوداع میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت سہیمہؓ سے روایت ہے کہ جب ہم لوگ منیٰ میں تھے تو آپؐ سے سوال کیا گیا کہ اس آیت کے کیا معنی ہیں **وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ** (الفجر)

تو آپؐ نے فرمایا، الشفع سے مراد دس تاریخ یا قربانی کا دن ہے اور اور الوتر سے مراد یومِ عرفہ یا قربانی کے دن کی رات ہے۔

حضرت سہیمہؓ کو دینی مسائل پوچھنے کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا، عورت کا دین ناقص کیسے ہوسکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب عورت حیض کی حالت میں ہوتی ہے تو کیا وہ نماز روزہ نہیں چھوڑ دیتی یہی اس کے دین کا ناقص ہونا ہے۔ حضرت سہیمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا!

"اے عورتو! جب تم مہندی لگاؤ تو خبردار نقش ونگار اور بیل بوٹے مت بنانا اور جب بھی مہندی لگاؤ تو یہاں تک لگاؤ (کلائی کی طرف اشارہ کر کے)

---

[1] حضرت رُکانہ رضی اللہ عنہ جاہلیت میں بڑے شہزور پہلوان تھے اسی زمانے میں انہوں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے تین بار کشتی لڑی اور تینوں بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گرالیا لیکن وہ وعدہ کے مطابق اُس وقت مسلمان نہ ہوئے اور یہ شرف کئی سال کے بعد حاصل کیا۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر دین کا ایک خُلق ہوتا ہے اور اس دین کا خُلق حیا ہے۔ حضرت رکانہؓ نے حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت کے دوران یا ۴۲ھ میں وفات پائی۔

حضرت سہیمہؓ نے طویل زندگی پائی۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں بھی موجود تھیں۔ ایک دفعہ انہوں نے امیر المومنین حضرت عثمانؓ سے تہجد کی نماز کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے "جس نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی تو گویا آدھی رات عبادت کی اور جس نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی تو گویا ساری رات عبادت میں مشغول رہا"

(افسوس کہ بعض وجوہ کی بنا پر دونوں میاں بیوی کا نباہ نہ ہو سکا اور حضرت رُکانہؓ نے حضرت سہیمہؓ کو طلاق دے دی) حضرت سہیمہؓ کا سالِ وفات کسی نے بیان نہیں کیا۔

☆☆☆☆

حضرت امۃ بنتِ ابوالحکم رضی اللہ عنہا

ان کا خاندانی تعلق بنو غِفار سے تھا۔ کُتبِ سِیَر میں ان کا پورا نسب نامہ نہیں دیا گیا۔ صرف ان کے والد کا نام ابوالحکم غِفاری بیان کیا گیا ہے۔ حضرت امۃؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی جنت کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ ان میں صرف ایک ہاتھ (بروایتِ دیگر گز) بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر وہ کوئی ایسی بات کر دیتا ہے کہ اس میں اور جنت میں اتنا فاصلہ حائل ہو جاتا ہے جتنا مدینے سے صنعاء (یمن) کا۔

☆☆☆☆
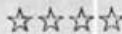
حضرت ثبیتہ بنتِ ضحاک رضی اللہ عنہا

ان کے نام میں اختلاف ہے۔ کسی نے بثینہ کسی نے بنیشہ اور کسی نے نبعیہ تحریر کیا ہے لیکن زیادہ تر علماء نے "ثبیتہ" کو ترجیح دی ہے۔ ان کا خاندانی تعلق انصار کے قبیلے اوس کی معزز شاخ بنو عبد الاشہل سے تھا۔ وہ حضرت ضحاکؓ بن خلیفہ اشہلی کی صاحبزادی تھیں۔

سہلؓ بن ابی حثمہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت محمدؓ بن مسلمہ کو دیکھا کہ وہ ثبیتہ نامی ایک خاتون کو (جو بالا خانے میں تھی) بغور دیکھ رہے ہیں۔

میں نے محمدؓ بن مسلمہ سے کہا، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو اور ایک غیر محرم عورت کو تاڑ رہے ہو۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کے دل میں کسی عورت سے نکاح کا خیال ڈال دے تو اسے اس عورت کو (نکاح سے پہلے) دیکھنے کی اجازت ہے۔ اس روایت میں جس ثبیتہ کا ذکر آیا ہے وہ ثبیتہ بنتِ ضحاک اشہلیہ ہی تھیں۔ ان کو شرف صحابیت حاصل تھا۔

☆☆☆☆
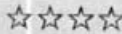
اختِ عقبہؓ بن عامر رضی اللہ عنہا

نام معلوم نہیں۔ جلیل القدر صحابی حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی ہمشیر تھیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ بیت اللہ تک چل کر جائے گی اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروں کہ آپؐ کیا فرماتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا، کبھی چل لے اور کبھی سوار ہو لے۔ اختِ عقبہؓ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

اختِ عقبہ بن عامر بن عبس بن عمرو بن عدی بن عمرو بن رفاعہ بن مودوعہ بن عدی بن غنم جہنی۔

بنتِ ثابتؓ بن قیس رضی اللہ عنہا

خطیب رسول اللہ حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ کی صاحبزادی تھیں۔ نام معلوم نہیں سلسلہ نسب یہ ہے۔ بنت ثابت بن قیس بن شماس بن زہیر بن مالک بن امرء القیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج۔ ان سے روایت ہے کہ جب یہ حکم نازل ہوا کہ اے ایمان والو اپنی آوازیں نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو، تو حضرت ثابت بن قیس نے گھر کا دروانہ بند کر لیا اور رونا شروع کر دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں چند دن نہ گئے اور آپؐ کو اطلاع دی گئی کہ وہ دروازہ بند کر کے اپنے گھر میں بیٹھے ہیں تو آپؐ نے ان کو بلا بھیجا۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپؐ نے ان سے غیر حاضری کا سبب پوچھا، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں فطری طور پر بلند یا درشت آواز میں بات کرتا ہوں، مجھے اس حکمِ خداوندی کے نزول کے بعد یہ اندیشہ لاحق ہوگیا کہ کہیں میرے سارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم ان میں سے نہیں ہو تمہاری دنیا اور دین دونوں بخیر ہیں۔

☆☆☆☆
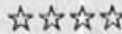
زوجہ سلمہؓ بن ہشام رضی اللہ عنہا

حضرت سلمہ بن ہشام مخزومی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ اُمّ المومنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (غزوۂ موتہ جمادی الاولیٰ ۸ھ کے چند دن بعد) رسول اللہ ﷺ نے سلمہؓ بن ہشام کی بیوی سے دریافت فرمایا کہ کیا سبب ہے کہ سلمہؓ مجھے کئی دن سے نظر نہیں آیا وہ میرے اور عام مسلمانوں کے ساتھ جماعت میں شریک نہیں ہوتا۔ سلمہؓ بن ہشام کی بیوی نے عرض کیا، یارسول اللہ! مشکل یہ پیش آگئی ہے کہ جب سے غزوۂ موتہ سے وہ دوسرے

لوگوں کے ساتھ واپس آئے ہیں لوگ اُنہیں بھگوڑا بھگوڑا کر کے طعنہ زنی کرتے ہیں اس لئے وہ خانہ نشین ہو گئے ہیں اور گلیوں میں نہیں نکلتے۔ (غزوۂ موتہ کے بعد اہلِ مدینہ میں سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ اس غزوے سے بعض مجاہدین بھاگ آئے ہیں حالانکہ مسلمانوں نے اپنے سے کئی گنا لشکر کو شکست دے کر ان کا منہ پھیر دیا تھا اور حضورؐ نے اسے مسلمانوں کی فتح قرار دیا تھا)

☆☆☆☆

حضرت زائدہ رضی اللہ عنہا

ایک روایت میں ان کا نام زیدہ آیا ہے۔ حسب ونسب کسی نے بیان نہیں کیا۔ حضرت عُمرِ فاروقؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ اُنہیں قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔

بڑی عبادت گزار تھیں اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اچھا جانتے تھے۔

☆☆☆☆

حضرت زرینہ رضی اللہ عنہا

ایک روایت میں ان کا نام رزینہ آیا ہے ۷ ہجری کے اوائل میں خیبر فتح ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ بنتِ حُیَی سے نکاح کیا تو آپ نے انہیں ایک کنیز عطا فرمائی ان کا نام زرینہ یا رزینہ تھا۔ حضرت صفیہؓ نے ان کو آزاد کر دیا تاہم ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کا شرف حاصل رہا۔ ان کی بیٹی امۃ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے روزے کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ جب یہ دن آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود روزہ رکھتے اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

حضرت زینب تمیمی رضی اللہ عنہا

خاندانی تعلق بنو تمیم سے تھا۔ سلسلۂ نسب کے بارے میں کُتُبِ سیَر خاموش ہیں ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ والدین اولاد کو عطیہ دینے لگیں تو لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دیں۔

☆☆☆☆

حضرت زینب بنتِ ابی معاویہ رضی اللہ عنہا

ان کا خاندانی تعلق بنو ثقیف سے تھا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

زینب بنتِ ابی معاویہ بن عتاب بن اسد بن غاضرہ بن حطیط بن جشم بن ثقیف۔

ایک روایت میں ان کے والد کا نام معاویہ اور ایک اور میں عبداللہ بن معاویہ آیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے شوہر تھے۔ ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے خواتین تم ضرور صدقہ کیا کرو خواہ اپنے دودھ سے کیوں نہ دینا پڑے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں حضور ﷺ سے دریافت کرنے چلی کہ اگر ہم اپنے شوہر اور ان کی اولاد پر اپنے مال سے خرچ کریں تو کیا اس کا اجر ہمیں ملے گا۔ میں حضورؐ کے خانۂ اقدس کے دروازے پر پہنچی تو وہاں انصار کی ایک خاتون کو کھڑے پایا جو حضورؐ سے یہی سوال پوچھنے آئی تھی۔ اتنے میں بلالؓ باہر آئے ہم نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیں کہ ہم (فلاں اور فلاں) یہ دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوئی ہیں کہ اگر ہم اپنے شوہروں اور ان کی اولاد پر اپنے مال سے خرچ کریں تو کیا ہمیں اس کا اجر ملے گا۔ حضرت بلالؓ نے حضور ﷺ سے پوچھ کر ہمیں بتایا کہ تمہیں دو اجر ملیں گے ایک صدقے کا اور دوسرا اس بنا پر کہ تم نے اپنے قرابت دار سے بھلائی کی۔

حضرت حوّا بنتِ زید رضی اللہ عنہا

انصار کے قبیلے اوس کے معزز ترین خاندان بنو عبدالاشہل سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے:

حوّا بنتِ زید بن سکن بن کرز بن زعورا

ان کے پوتے عمرو بن معاذ انصاریؓ سے روایت ہے کہ ان کے دروازے پر ایک سائل آیا اور اس نے ہم سے کچھ طلب کیا۔ ہماری دادی نے کہا، اسے کھانے کے لئے کچھ دو، ہم نے کہا، اس وقت گھر میں کچھ بھی نہیں۔ دادی نے کہا، اسے ستو ہی پلا دو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ سائل کو رد نہ کرو اور کچھ نہیں تو اسے جلی ہوئی روٹی کا ٹکڑا ہی دے دو۔

☆☆☆☆
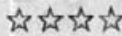
حضرت حقہ بنتِ عمرو رضی اللہ عنہا

ان کے صحابیہ ہونے پر تمام اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے کہ لیکن خاندان اور نسب کے بارے میں کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ اُس زمانے میں قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اُن سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور قبلتین (بیت المقدس اور کعبہ شریف مکہ معظمہ) دونوں کی طرف (منہ کر کے) نماز ادا کی (یعنی تحویلِ قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی طرف اور تحویلِ قبلہ کے بعد کعبہ شریف کی طرف) اور میں جب بھی احرام باندھتی یا احرام باندھنے کا ارادہ کرتی تو اپنا جامہ دان کھول کر جو لباس بھی اچھا لگتا اسے پہن لیتی یہاں تک کہ میں نے زعفرانی رنگ کے کپڑے بھی پہنے۔
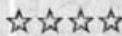
حضرت حبیبہ بنتِ سہل انصاریہ رضی اللہ عنہا

ان کے انصاریہ ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں لیکن اہلِ سیرَ نے یہ صراحت نہیں کی کہ وہ انصار کے کس خاندان سے تھیں اور ان کا نسب کیا تھا۔ ان کا نکاح ثابتؓ بن قیس بن شماس سے ہوا لیکن میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکا کیونکہ ثابتؓ کے مزاج میں شدت تھی۔ ایک دفعہ بیوی پر ہاتھ اُٹھا بیٹھے۔ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ثابتؓ کی شکایت کی اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ہم دونوں میں تفریق فرما دیں، ہمارا اب اکٹھے زندگی گزارنا ممکن نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیا تم وہ باغ ثابت کو واپس کر دو گی جو اس نے تمہیں مہر میں دیا تھا۔ انہوں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں تفریق کرا دی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اسلام میں "خُلع" کا پہلا واقعہ تھا۔

☆☆☆☆

حضرت ذِرہ رضی اللہ عنہا

ان کے صحابیہ ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن ان کے نسب سے تمام اہلِ سیرَ نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں اور یتیم کا کفیل ان دو انگلیوں کی طرح بہشت میں اکٹھے ہوں گے۔ اسی طرح بیوہ عورتوں اور مساکین کی دیکھ بھال کرنے والا، مجاہد فی سبیل اللہ اس روزہ دار کی طرح ہے جو اللہ کی رضا کے لئے متواتر روزے رکھتا ہے"

☆☆☆☆

حضرت ظبیہ بنتِ براء رضی اللہ عنہا

حضرت براء بن معرور انصاریؓ کی صاحبزادی تھیں سلسلہء نسب یہ ہے!

ظبیہ بنتِ براءؓ بن معرور بن صخر بن سابق بن سنان، بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ۔

ان کی شادی حضرت ابو قتادہ انصاریؓ سے ہوئی تھی ان سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ظبیہ سے فرمایا کہ نہ تم پر جمعہ فرض ہے اور نہ جہاد۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے تسبیحِ جہاد سکھایئے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

سُبحان اللہ لا الٰہ الّا اللّٰہُ واللّٰہُ اکبر وللّٰہ الحمد پڑھ لیا کرو۔

☆☆☆☆

حضرت خُنساء بنتِ معاویہ صرمیہؓ رضی اللہ عنہا

ان کے قبیلے کا نام صرم یا صریم تھا اس لیے ان کو صرمیہ یا صریمیۃ کہا جاتا ہے۔ بعض روایتوں میں ان کا نام خنساء بنتِ معاویہ آیا ہے۔ ان سے روایت ہے کہ مجھ سے میرے چچا نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنّت میں کون کون ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت میں نبی ہوں گے، شہید ہوں گے، چھوٹے بچے ہوں گے اور زندہ درگور کی ہوئی لڑکی ہوگی۔ اُسدُ الغابہ) ایک روایت میں چھوٹے بچے کی جگہ لڑکے آیا ہے (ابوداؤد) شارحین نے اس سے مراد نابالغ بچے لیے ہیں۔

☆☆☆☆

حضرت جُدامہ بنتِ وہب رضی اللہ عنہا

بنواسد بن خزیمہ سے تھیں۔ ہجرت نبویؐ سے پہلے مکے میں مُشرّف بہ اسلام ہوئیں اور اپنے قبیلے کے مردوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینے پہنچ گئیں۔ ان کے شوہر کا نام انیس بن قتادہ بن ربیعہ بن عمرو بن عوف تھا۔ حضرت جدامہؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مجلس میں موجود تھیں اس مجلس میں کچھ مرد بھی موجود تھے۔ میں نے آپؐ کو فرماتے سنا، میں چاہتا تھا کہ حاملہ عورتوں کو اپنے بچوں کو اپنا دودھ پلانے سے منع کر دوں لیکن میں نے دیکھا کہ ایران اور روم میں حاملہ عورتیں بچوں کو اپنا دودھ پلاتی ہیں اور ان کے بچوں کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا تو میں رک گیا۔ پھر صحابہ نے عزل کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا! یہ بھی ایک لحاظ سے بچوں کا قتل ہے۔ بعض روایتوں میں ان کا نام جُذامہ (ذال منقوط) کے ساتھ آیا ہے مگر حافظ دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ یہ تصحیف ہے صحیح نام جُدامہ ہے۔

(اُسدُ الغابہ، اکمال فی اسماء الرّجال)

☆☆☆☆

حضرت جسرہ بنتِ دجاجہ رضی اللہ عنہا

اربابِ سِیَر نے ان کا حسب ونسب بیان نہیں کیا البتہ ان کو صحابیات میں شمار کیا ہے۔
اُن سے روایت ہے کہ میں نے (حضرت) ابو ذر (غِفاری) کو کہتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نماز میں کھڑے ہوئے اور فجر تک صرف اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبادُکَ۔ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَکِيْمُ.

(المائدہ : ۱۱۸)

ترجمہ: اگر آپ انہیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کر دیں تو آپ غالب اور دانا ہیں۔

☆☆☆☆

حضرت خالدہ بنتِ اسود رضی اللہ عنہا

قریش کی شاخ بنوزہرہ سے تھیں۔نسب نامہ یہ ہے:
خالدہؓ بنت اسود بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف بن زُہرہ۔
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا تعلق بھی بنوزہرہ سے تھا۔اسی نسبت سے حضرت خالدہؓ کو حضورؐ کی خالہ کہا گیا ہے۔حضرت خالدہ کو قبولِ اسلام، صحابیت اور ہجرت کا شرف حاصل ہوا۔اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو وہاں ایک خاتون کو دیکھا۔آپؐ نے پوچھا، یہ کون ہے؟ عرض کیا گیا، خالدہ بنتِ اسود بن عبدِ یغوث ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یُخْرِجُ الْحَیُّ مِنَ الْمَیِّتِ ایک اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ الفاظ منسوب ہیں:
"آپ کی ایک خالہ بنتِ اسود بن عبدِ یغوث ہیں"
اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ حضرت خالدہؓ بنتِ اسود زُہریہ نہایت پارسا خاتون تھیں۔

☆☆☆☆
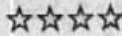
حضرت خولہ بنتِ قیس جہینیہ رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق بنوجہینہ سے تھا۔اربابِ سِیَر نے صرف ان کے والد کا نام لکھا ہے۔پورا نسب نامہ بیان نہیں کیا۔ان کی کنیت باختلافِ روایت اُمِ قیس اُمِ صبیہ یا اُمّ حبیبہ تھی۔اُن کو قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔
حضرت خولہ بنتِ قیس جہینیہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی برتن میں ہاتھ ڈال کر وضو کیا۔

☆☆☆☆
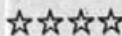
حضرت اُمیمہ رضی اللہ عنہا

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک دن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہی تھیں کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا:

''یارسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے''

آپؐ نے فرمایا:

''خواہ تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرا، جان بوجھ کر نماز ترک نہ کر کیونکہ جس نے دانستہ نماز چھوڑی، اللہ اور رسول نے اس سے قطعِ تعلق کر لیا۔ اور کوئی نشہ آور شے استعمال نہ کر کیونکہ نشہ ہر برائی کا منبع ہے اور اپنے والدین کی نافرمانی سے بچو خواہ تمہیں اپنے اہل و عیال اور مال جائداد کو چھوڑنا پڑے''

☆☆☆☆

حضرت بہیہ رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق بنو بکر بن وائل سے تھا۔ والد کا نام عبد اللہؓ تھا۔ (اہلِ سِیَر نے پورا نسب نامہ بیان نہیں کیا) اپنے والد کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ نے مردوں سے بیعت لی اور سب سے مصافحہ کیا مگر عورتوں سے صرف زبانی بیعت لی (ان سے ہاتھ نہیں ملایا) پھر آپ ﷺ نے حضرت بہیہؓ کی طرف دیکھا، ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کی اولاد کے لئے دُعا فرمائی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی میں ساٹھ بچے عطا فرمائے، چالیس لڑکے اور بیس لڑکیاں۔ لڑکوں میں بیس (۲۰) کو راہِ حق میں شہادت نصیب ہوئی۔

بعض اربابِ سِیَر نے بہیہ نام کی ایک صحابیہ سے ایک حدیث روایت کی ہے لیکن اس صحابیہ کی ولدیت اور خاندان کا ذکر نہیں کیا اس لیے وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بہیہؓ بنتِ عبد اللہ بکری ہیں یا کوئی اور۔ روایت یہ ہے کہ میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے

اپنے کُرتے میں داخل ہونے کی اجازت دیں، حضور ﷺ نے اجازت دے دی انہوں نے پُشت کی طرف آپ کا کُرتا اُٹھا کر اپنا سینہ حضور ﷺ کی پشتِ مبارک کے ساتھ رگڑا اور پوچھا، یارسول اللہ! کون سی چیز ہے جسے روکے رکھنا حرام ہے؟ ارشاد ہوا، نمک اور پانی۔

☆☆☆☆
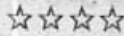
حضرت رجاء غنویہ رضی اللہ عنہا

اربابِ سِیَر نے ان کا حسب ونسب بیان نہیں کیا لیکن ان کے صحابیہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اُن سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھی کہ ایک خاتون اپنے فرزند کو ساتھ لیے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میرے اس فرزند کے لیے برکت کی دُعا فرمایئے۔ اس سے پہلے میرے تین بچے مر چکے ہیں"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیا وہ تمہارے قبول اسلام سے پہلے فوت ہوئے یا بعد؟ اس نے کہا: یارسول اللہ: قبول اسلام کے بعد

آپؐ نے فرمایا: تجھے محفوظ جنت مبارک ہو۔

اس پر ایک آدمی جو وہاں موجود تھا اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا، اے رجا تو نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟

☆☆☆☆
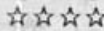
حضرت جعدہ رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق انصار کے معزز خاندان "بنونجار" سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے۔

جعدہ بنت عبداللہ بن ثعلبہ بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے اور کھانا تناول فرماتے۔

☆☆☆☆

حضرت رُقیقہ ثقفیہ رضی اللہ عنہا

طائف کی رہنے والی تھیں اور بنو ثقیف سے تعلق تھا۔ شوہر کا نام قیس بن امان تھا۔ ان سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو آپؐ ہمارے ہاں تشریف لائے [1] اور میں نے آپ کو پانی میں ستو ڈال کر پیش کیے۔ آپؐ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے رُقیقہ تم نہ ان بتوں کی پوجا کرنا اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔

میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! پھر تو وہ (اہلِ طائف) مجھے قتل کر دیں گے''

آپؐ نے فرمایا۔ ''اگر وہ تجھ سے پوچھیں کہ تیرا خدا کون ہے؟ تو ان کو جواب دینا''

جو ان بتوں کا خدا ہے، اور جب نماز پڑھے تو ان کی طرف پیٹھ کر لینا۔

اس کے بعد حضورؐ ہمارے گھر سے چلے گئے۔

حضرت رقیقہؓ کی بیٹی کا بیان ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جب بنو ثقیف نے اسلام قبول کیا تو میرے بھائی سفیان اور وہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا، تمہاری ماں کا کیا حال ہے، میرے آنے کے بعد اس پر کیا بیتی؟ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! جس حالت میں آپ اسے چھوڑ کر آئے وہ مرتے دم تک اُسی حالت پر قائم رہی۔ آپؐ نے فرمایا، تمہاری ماں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رقیقہؓ کا گھر طائف کے نواح میں تھا یعنی شہر کی فصیل سے باہر تھا۔

(أسد الغابہ بحوالہ عدوی)

حضرت جُمَیْلَۃ (جمیلا) رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے کسی نے جُمَیْل، کسی نے جُمَیْلَہ اور کسی نے جمیلا لکھا ہے۔ عرب قبیلے بنو مزینہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ مشہور صحابی حضرت معقل بن یسارؓ کی ہمشیرہ تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے! جمیل (حواءؓ) بنتِ یسار بن عبداللہ بن صغیر بن حراق بن لائی بن کعب بن ثور بن ہرمہ بن لاطم بن عثمان بن عمرو بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر۔

ان کی شادی ابوالبداح بن عاصم (بن عدی بن جد بن عجلان بلوی) سے ہوئی تھی۔[1] جو بنو عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔ انہوں نے کسی وجہ سے حضرت جمیلؓ کو طلاق دے دی۔ جب عدت گزر گئی تو انہوں پھر حضرت جمیلؓ سے نکاح کی خواہش کی۔ حضرت معقل بن یسارؓ نے ان سے کہا، میں نے اپنی بہن کو تمہارے نکاح میں دیا اور تمہاری تعظیم و تکریم کی لیکن تم نے اسے (بغیر کسی معقول وجہ کے) طلاق دے دی اب پھر اس سے نکاح کے خواہشمند ہو، بخدا اب میں اپنی بہن کا نکاح تمہارے ساتھ نہیں کروں گا۔ حضرت معقلؓ کا بیان ہے کہ ابوالبداح مرنجان مرنج قسم کا آدمی تھا اور میری بہن بھی ان کے پاس جانا چاہتی تھی مگر میری غیرت بہن سے اس کا دوبارہ نکاح کرنا گوارا نہیں کرتی تھی۔ اسی زمانے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ط (البقرہ: ۲۳۲)

ترجمہ: "اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو پھر اس میں مانع نہ ہو کہ اپنے زیرِ تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ وہ معروف طریقے سے باہم مناکحت پر راضی ہوں"

اس آیت کے نزول کے بعد میں اپنی بہن کے دوبارہ (ابوالبداح سے) نکاح پر مجبور ہو گیا۔

---

[1] ابوالبداح کے صحابی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے ان کو صحابی بتایا ہے اور بعض تابعی بتاتے ہیں

حضرت غائنہ رضی اللہ عنہا

حسب ونسب کے بارے میں کُتبِ سیَر خاموش ہیں۔ ان سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میری ماں نے نذر مانی تھی کہ میں اس کی طرف سے کعبۃ اللہ کی زیارت کو جاؤں (کیا میں اس کی طرف سے نذر پوری کر سکتی ہوں)

آپؐ نے فرمایا:

''جاؤ اور اس کی طرف سے یہ نذر ادا کرو''

☆☆☆☆

حضرت غفیلہ رضی اللہ عنہا

ایک روایت میں ان کا نام عقیلہ آیا ہے۔ والد کا نام ایک روایت میں عبید بن حارث مذکور ہے ان کے قبیلے اور وطن کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ ان سے روایت ہے کہ میں اپنی والدہ قریرؓ اور کچھ دوسری مہاجر خواتین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس وقت آپؐ کا خیمہ ابطح میں نصب تھا۔ آپؐ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی۔ نیز چوری، زنا اور قتلِ اولاد کا ارتکاب نہیں کریں گی۔ پھر ہم نے بیعت کے لئے ہاتھ آگے بڑھائے آپؐ نے فرمایا، میں عورتوں کے ہاتھوں کو نہیں چھوتا۔ پھر آپؐ نے ہمارے لیے دُعائے مغفرت فرمائی۔

☆☆☆☆

حضرت فاطمہ بنتِ حسیل الیمان رضی اللہ عنہا

حضرت حسیل الیمانؓ کی صاحبزادی اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی ہمشیرہ تھیں۔

سلسلہ نسب یہ ہے

فاطمہؓ بنتِ حسیل الیمانؓ بن جابر بن عمرو بن ربیعہ بن جروہ بن حارث بن مازن

ان سے روایت ہے کہ ہم (میں اور کچھ دوسری خواتین) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ہم نے دیکھا کہ چھت کے ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا جس سے آپؐ پر پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے تاکہ گرمی کی شدت میں کمی ہو۔ ہم نے عرض کیا ، یارسول اللہ! آپ دُعا فرمائیں کہ گرمی کی شدت آپ سے دور ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا، انبیاء ہی پر مصائب کا نزول زیادہ ہوتا ہے پھر ان لوگوں پر جو ان کے قریب تر ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆

حضرت فاطمہ بنتِ عتبہ رضی اللہ عنہا

قریش کے خاندان بنو عبد شمس سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

فاطمہ بنتِ عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی

عبدِ مناف پر ان کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب سے مل جاتا ہے۔ حضرت ہند بنتِ عتبہؓ (زوجہ ابو سفیانؓ) ان کی بہن تھیں اور حضرت امیر معاویہؓ ان کے بھانجے تھے۔ ان کا باپ غزوۂ بدر میں مارا گیا تھا۔ انہوں نے فتح مکہ کے دن قبول اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل کیا۔ ان سے روایت ہے کہ میرا بھائی ابو حذیفہ مجھے اور میری بہن ہند کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گیا۔ جب آپؐ نے بیعت کی شرائط پیش کیں تو ہند نے کہا: ''اے بھائی! تم اپنی قوم کی عورتوں کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ عادتوں سے واقف ہو''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم بیعت کرلو، یہ شرطیں سب کے لئے برابر ہیں''

ان سے مروی ایک اور حدیث میں ہے:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا ''یا رسول اللہ! ایک وہ دن تھا کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ دنیا بھر میں آپ کے مکان کے سوا کوئی اور مکان گرے اور آج میری یہ تمنا ہے دنیا میں کوئی مکان رہے یا نہ رہے آپ کا مکان قائم رہے''

آپؐ نے فرمایا:

''تو اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتی جب تک تو مجھے اپنی ذات سے زیادہ نہ چاہے''

☆☆☆☆
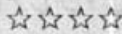
حضرت الفاضلہ رضی اللہ عنہا

انصار کے کسی خاندان سے تھیں۔ (اہلِ سیرَ نے اس کی وضاحت نہیں کی) مشہور صحابی حضرت عبداللہؓ بن انیس جہنی ان کے شوہر تھے [1]۔ حضرت الفاضلہؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دن خطبہ دیا اور صدقات دینے کی تاکید فرمائی۔ ان کے نسب وغیرہ کے بارے میں کُتبِ سیر خاموش ہیں۔

---

[1] حضرت عبداللہؓ بن انیس جہنی مدینہ میں بنو سلمہ کے حلیف تھے اس لیے انہیں انصاری بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے اسلام لائے۔ بدر، اُحد اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ ان سے کچھ احادیث بھی مروی ہیں۔

(الاستیعاب، اُسدُ الغابہ)

حضرت فریعہ بنتِ مالک انصاریہ رضی اللہ عنہا

حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہٗ (شہیدِ اُحد) کی صاحبزادی اور حضرت ابو سعید خُدریؓ کی ہمشیر تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے:

فریعہؓ بنتِ مالکؓ بن سنان بن ثعلبہ بن عبید بن ابجر (خُدرہ) بن عوف بن حارث بن خزرج

ایک روایت میں ان کا نام فارعہ بنتِ مالک مذکور ہے لیکن ابن اثیرؒ نے فریعہ نام ہی کو ترجیح دی ہے۔ والد، والدہ اور بھائی کی طرح ان کو بھی قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ بیعتِ رضوان میں بھی موجود تھیں۔ ان کی پھوپھی زینب بنت کعبؓ بن عُجرہ سے روایت ہے کہ فریعہ بنتِ مالک بن سنان کے شوہر کے غلام بھاگ گئے تھے وہ ان کی تلاش میں نکلا، اس نے ان بھگوڑوں کو وادیِ قدوم کے کنارے پر جالیا۔ انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ فریعہ کہتی ہیں کہ مجھے شوہر کے قتل کی اطلاع ملی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے اپنے خاندان بنو خُدرہ میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں کیونکہ میرے پاس نہ تو رہنے کا مکان ہے اور نہ نفقہ، آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ میں واپس ہوئی، ابھی حجرے یا مسجد ہی کے پاس تھی کہ آپ ﷺ نے مجھے بلا بھیجا اور فرمایا تم نے جو کچھ کہا تھا پھر بیان کرو۔ میں نے شوہر کے قتل ہونے کا واقعہ دوبارہ بیان کیا۔ اب آپؐ نے فرمایا تم اپنے گھر ہی میں ٹھہرو تاکہ عِدّت پوری ہو جائے، چنانچہ میں نے عِدّت کے چار مہینے اور دس دن اپنے گھر میں پورے کیے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہٗ نے اپنے عہدِ خلافت میں مجھے بلا بھیجا اور مجھ سے یہ سارا واقعہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سمیت) سنا اور (ایسے ہی ایک معاملے میں) اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔

☆☆☆☆

حضرت فریعہ بنتِ مُعَوِّذ رضی اللہ عنہا

حضرت مُعَوِّذ بن عفراءؓ (شہیدِ بدر) کی صاحبزادی اور حضرت رُبَیِّع بنتِ مُعَوِّذؓ کی بہن تھیں۔ خاندانی تعلق بنونجار سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

فریعہؓ بنتِ معوذ بن عفراء/حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار

بہن کی طرح ان کو شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔ بڑی عابدہ زاہدہ اور مستجاب الدعوات تھیں۔

☆☆☆☆

حضرت قتیلہ بنتِ صیفی رضی اللہ عنہا
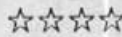
ایک روایت میں ان کا تعلق بنوجہینہ سے بتایا گیا ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اوّلین مہاجرات میں سے تھیں۔ بروایتِ دیگر وہ انصاریہ تھیں (شاید انصار کے کسی خاندان سے حلیفانہ تعلق ہو اس لیے ان کو انصاریہ کہا گیا ہو) ان سے روایت ہے کہ یہودیوں کا ایک عالِم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا:

"اے محمد! آپ کی جماعت بہت اچھی ہے بشرطیکہ شرک نہ کرے"

آپ ﷺ نے فرمایا: "سبحان اللہ، ہم پر یہ الزام" (جو توحید کے عَلَم بردار ہیں)

اُس نے کہا: "جب تم لوگوں میں کوئی قسم اٹھاتا ہے تو کہتا ہے "والکعبہ" یعنی کعبہ کی قسم"

آپؐ نے قدرے توقف کے بعد فرمایا: جو شخص قسم کھائے اسے "والکعبہ" کے بجائے "وربّ الکَعْبہ" کہنا چاہیے"

اس یہودی عالم نے پھر کہا: آپ کی جماعت بہت اچھی ہے بشرطیکہ اس جماعت کے لوگ کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائیں مثلاً وہ کہتے ہیں ماشاء اللہ وَشئتَ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا: "ایسے موقع پر ماشاء اللہ ثُمّ شِئتَ کہنا چاہیے"

حضرت لیلیٰ سدوسیہ رضی اللہ عنہا

مشہور صحابی حضرت بشیر بن خصاصہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ ان سے روایت ہے کہ میرے شوہر کا پہلا نام زجم تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بدل کر بشیر کر دیا۔ ان سے روایت ہے کہ میں نے دو دن کا (یعنی ۴۸ گھنٹے کا مسلسل) روزہ رکھنے کا ارادہ کیا۔ میں نے اپنے شوہر کے سامنے اپنے ارادے کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے روزے سے منع فرمایا ہے۔ جس قسم کا یہود رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کا حکم ہے کہ دن کو روزہ رکھو اور رات کو افطار کرو۔

☆☆☆☆

حضرت قشرہ بنتِ رواس رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق بنو کندہ سے تھا۔ جس زمانے میں ان کو قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا، وہ بہت بوڑھی ہو چکی تھیں۔ ان سے روایت ہے کہ ایک دفعہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے قشرہ! جب تم سے کوئی خطا سرزد ہو تو اللہ کا ذکر کرو تا کہ وہ تمہیں اپنی مغفرت سے نوازے (جب وہ گنہگار کی مغفرت کرنے لگے تو تمہیں یاد رکھے) اپنے شوہر کی اطاعت کرو، یہ عمل تجھے دنیا اور آخرت میں کفایت کرے گا اور اپنے والدین سے بھلائی کرو، تمہارے گھر پر برکتوں کا نزول ہوگا"

☆☆☆☆

حضرتِ قہطم بنتِ علقمہ رضی اللہ عنہا

حضرت قہطمؓ بنتِ علقمہ بن عبداللہ بن ابو قیس کو دعوتِ توحید کے اوائل ہی میں قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہو گیا۔ ان کی شادی حضرت سلیطؓ بن عمرو (بن عبدِ شمس بن عبدِ وَدّ بن نضر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوءی) سے ہوئی۔ وہ بھی سلسلہ السّٰبقون الاوّلون میں سے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد دونوں میاں بیوی کفارِ مکہ کے ظلم وستم کا نشانہ بن گئے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوسرے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ حبشہ چلے جانے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ ۶ بعدِ بعثت میں دونوں میاں بیوی مکّہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ وہاں چند سال گزارنے کے بعد دونوں میاں بیوی حبش سے کشتی کے ذریعے مدینہ منورہ آ گئے اور باقی زندگی یہیں گزاری۔

☆☆☆☆

حضرت زینب بنتِ مالک رضی اللہ عنہا

انصار کے قبیلہ خزرج کے خاندان بنو خُدرہ سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

زینب بنتِ مالک بن سنان بن ثعلبہ بن عبید بن ابجر (خدرہ) بن عوف بن حارث بن خزرج۔ ان کے والد اور بھائی (حضرت ابو سعید خُدریؓ) کا شمار عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ والدہ اُمّ سعدؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے کفارۂ مرض کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کی ہے۔ ان کی بہن فریعہؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہوا (ان کا ذکر پیچھے آ چکا ہے)

حضرت زینب بنتِ قیس رضی اللہ عنہا

قریش کے خاندان بنو مُطّلِب سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے:
زینبؓ بنتِ قیس بن مخرمہ بن مُطّلِب بن عبدِ مناف۔
انہیں دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں قبولِ اسلام کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان کو دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کا فخر بھی حاصل ہوا۔

☆☆☆☆

حضرت زینب بنتِ نبیط رضی اللہ عنہا

انصار کے خاندان بنو مالک بن نجار سے تھیں۔ والد کا نام نبیط بن جابر رضی اللہ عنہٗ تھا ان کی شادی خادمِ رسول اللہ حضرت انس بن مالک سے ہوئی تھی۔ ان سے روایت ہے کہ ابوامامہ (حضرت اسعدؓ بن زُرارہ) نے اپنی وصیت میں میری والدہ اور خالہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں دے دیا۔ اُن کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سونے اور موتیوں کا زیور لایا گیا۔ حضور نے میری والدہ اور میری خالہ کبشہ کو زیور عطا فرمائے جن میں سے مجھے بھی کچھ حصہ ملا۔

☆☆☆☆
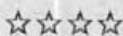
حضرت ریطہ بنتِ منبہ رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق قریش کی شاخ ''بنو سہم'' سے تھا۔ منبہ بن حجاج سہمی کی بیٹی تھیں۔ (ایک روایت میں ان کا نام ہند بیان کیا گیا ہے، واللہ اعلم) ان کی شادی نامور صحابی حضرت عمرو بن العاصؓ (فاتحِ مصر) سے ہوئی تھی[1]۔ مشہور عابد وزاہد اور راوی حدیث صحابی حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص انہی کے فرزند تھے۔ اسی نسبت سے ان کی کنیت اُمِ عبداللہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اس گھرانے کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''کیا اچھا خاندان ہے جو ابو عبداللہ، اُمِ عبداللہ اور عبداللہ پر مشتمل ہے''

1۔ حضرت ابو عبداللہ عمروؓ بن العاص کا شمار تاریخ اسلام کی نامور شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق قریش کی شاخ بنو سہم سے تھا۔ ۸ ہجری میں فتح مکہ سے پہلے مکے سے مدینے آ کر شرف بہ اسلام ہوئے اس کے بعد حضور ﷺ نے کئی سرایا ان کی سرکردگی میں روانہ کیے ان میں سریہ ذات السلاسل اور سریہ سواع بہت مشہور ہیں۔ فتح مکہ کے بعد حضور ﷺ نے انہیں ابو زید انصاریؓ کے ساتھ دعوتِ اسلام کا خط دے کر عمان کے رئیسوں عبید و جیفر کے پاس بھیجا یہ دونوں مکتوبِ نبوی پڑھ کر اسلام لے آئے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمروؓ کو عمان کا عامل مقرر فرما دیا۔ عہدِ صدیقی میں کچھ عرصہ فتنہ ارتداد کے استیصال میں مصروف رہے۔ اس کے بعد پھر عمان کے عامل مقرر ہو گئے مگر جلد ہی خلیفۃ الرسول نے انہیں عمان سے شام کے میدان جہاد میں بھیج دیا۔ وہاں انہوں نے رومیوں کے خلاف متعدد معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ عہدِ فاروقی میں حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں مصر کی تسخیر پر مامور فرمایا۔ انہوں نے نہ صرف مصر بلکہ طرابلس الغرب پر بھی پرچم اسلام بلند کر دیا۔ اب حضرت عمرؓ نے انہیں مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ انہوں نے امارتِ مصر کے فرائض نہایت عمدگی سے انجام دیے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں امارتِ مصر سے سبکدوش کر دیا اور وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے باہمی اختلاف نے شدت اختیار کی تو انہوں نے امیر معاویہؓ کا ساتھ دیا۔ انہوں نے اپنے عہدِ خلافت میں ان کو پھر مصر کا گورنر مقرر کر دیا مصر ہی میں انہوں نے ۴۳ یا ۴۷ ھ میں وفات پائی۔

ان کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی۔ ایک دن بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اُمِ عبداللہ! کہو کیا حال ہے؟

انہوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! بخیر و عافیت ہوں لیکن میرا بیٹا عبداللہ تارکِ دنیا ہو گیا ہے [۲]

نوٹ: حضرت عمروؓ بن عاص کے تفصیلی حالات احقر کی تالیف "سرورِ کائنات کے پچاس صحابہ" میں اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے حالات "آسمانِ ہدایت کے ستر ستارے" میں دیکھے جا سکتے ہیں

(طالب الہاشمی)

حضرت سخیلہ رضی اللہ عنہا

مشہور صحابی حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ کُتبِ سیَر میں ان کا نام سخیلہ بنتِ عبیدہ بیان کیا گیا ہے۔ نسب بیان نہیں کیا گیا۔ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابریشم کی ایک چادر خریدی اور اپنی اہلیہ (سخیلہؓ) کو اوڑھا دی۔ ان سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (یا بروایتِ دیگر حضرت عثمانؓ) نے پوچھا کہ تم نے وہ چادر کیا کی؟ انہوں نے کہا، میں نے اپنی بیوی کو بطور صدقہ دے دی۔ پھر اُن سے پوچھا گیا، کیا جو شے اپنے اہل و عیال کو دی جائے اسے صدقہ کہا جا سکتا ہے؟

حضرت عمرو بن امیہؓ نے کہا، میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات لائی گئی تو آپؐ نے فرمایا وہ (عمرو بن امیہ) درست کہتا ہے۔

---

[۲] حضرت ابو محمد عبداللہؓ بن عمروؓ بن عاص کا شمار شمعِ رسالت کے ان پروانوں میں ہوتا ہے جو آسمانِ علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ان کو قبولِ اسلام میں اپنے والدِ گرامی پر سبقت حاصل ہے۔ انتہا درجے کے عابد و زاہد تھے ایک دفعہ ترکِ دنیا کا ارادہ کیا لیکن حضور ﷺ نے منع فرما دیا۔ ان کو احادیثِ نبوی ﷺ کی کتابت کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے ۶۵ھ میں مصر کے شہر فسطاط میں وفات پائی۔ ان سے سات سو احادیث مروی ہیں۔

حضرت سلمٰی سعدیہ بنتِ ابوذ دیب رضی اللہ عنہا

خاندانی تعلق بنوہوازن کی شاخ بنوسعد سے تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی بہن تھیں۔ اس نسبت سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ ہوتی تھیں۔ ان کو بھی قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپؐ ان کی بہت تعظیم وتکریم کرتے، اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا کر ان کو بٹھاتے اور ماں کہہ کر بلاتے۔

☆☆☆☆

حضرت سدیسہ رضی اللہ عنہا

اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سے عمر نے اسلام قبول کیا ہے، شیطان کا جب بھی عمر سے آمنا سامنا ہوا، وہ منہ کے بل گر پڑا۔

☆☆☆☆

حضرت سُرّیٰ بنتِ نبہان غنویہ رضی اللہ عنہا

اہلِ سیَر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا لیکن ان کے صحابیہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے حاضرین سے فرمایا، شاید میں آج کے بعد تم سے اس مقام پر پھر نہ مل سکوں۔ یاد رکھو کہ تمہارے خون، مال اور عزتیں اسی طرح ایک دوسرے پر حرام اور قابلِ احترام ہیں جس طرح آج کا دن اس شہر میں تمہارے لیے حرام اور قابلِ احترام ہے۔ یہاں تک کہ تمہیں موت آجائے اور تم اللہ کے سامنے پیش ہو۔

حضرت عمرہ بنتِ حزم انصاریہ رضی اللہ عنہا

یہ جلیل القدر صحابیہ حضرت سعد بن ربیع ؓ (شہید اُحد) کی زوجہ تھیں۔ ان سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے۔ ہم نے کھجوروں کے ایک جھنڈ میں آپ ﷺ کے لیے آرام گاہ تیار کی۔ اس میں پانی چھڑکا۔ آپ ﷺ کے لیے بکری ذبح کی۔ آپ ﷺ نے گوشت تناول فرمایا، وضو کیا اور نمازِ ظہر ادا کی۔ (آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو) میں نے پھر بکری کا گوشت پیش کیا۔ آپ ﷺ نے کھایا۔ نمازِ عصر ادا کی اور نئے سرے سے وضو نہیں کیا۔

☆☆☆☆

حضرت ضُباعہ بنتِ حارث انصاریہ رضی اللہ عنہا

خاندانی تعلق خزرج کے خاندان مالک بن نجار سے تھا۔ وہ مشہور صحابیہ حضرت اُمِ عطیہ انصاریہ ؓ کی ہمشیر تھیں۔ (حضرت اُمِ عطیہ ؓ کا تذکرہ ہماری کتاب "تذکار صحابیات" میں تفصیل کے ساتھ کیا جا چکا ہے) ان کے شرف صحابیت پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن ان کے ذاتی حالات (اربابِ سیر میں سے) کسی نے بیان نہیں کیے۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوا کھاتے دیکھا۔ (حلوا کھانے کے بعد) آپ ﷺ نے وضو نہیں کیا اور نماز ادا کی۔

حضرت ضُباعہ بنتِ عامر رضی اللہ عنہا

کُتب سیَر میں ان کے حسب و نسب کے بارے میں اتنا ہی بیان کیا گیا ہے کہ ان کا تعلق بنو عامر سے تھا اور وہ عامر بن قرط عامری کی بیٹی تھیں ۔ ان کو مکّے میں ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے قبول سلام کا شرف حاصل ہوا۔ شعبِ ابی طالب کی محصوری ختم ہونے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت دینی شروع کی ۔ اسی سلسلے میں آپ ﷺ ایک دفعہ عکاظ کے بازار میں تشریف لے گئے وہاں بنو عامر کے بہت سے لوگ بھی آئے ہوئے تھے ۔ حضور ﷺ نے ان کو اللہ کے دین کی طرف بلایا۔ بنو عامر کے لوگوں میں حضرت ضباعہ بنتِ عامر بھی موجود تھیں وہ پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھیں قبیلے کے دوسرے لوگوں نے بھی حضور ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔ اتنے میں ایک دشمن خدا شجرہ بن فراس القشیری (اپنے چند آدمیوں کے ساتھ) وہاں آگیا۔ اس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے پہلو میں اپنے نیزے کی انی چبھوئی جس پر وہ بھاگ کھڑی ہوئی اور حضورؐ نیچے گر پڑے۔ حضرت ضُباعہؓ کو یہ منظر دیکھ کر سخت دُکھ ہوا۔ انہوں نے اپنے اہل قبیلہ کو غیرت دلائی کہ اے آل عامر! تم میرے کس کام کے، تمہاری سامنے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ یہ سلوک کیا جارہا ہے اور تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہو، کوئی اسے نہیں روکتا۔ اس پر بنو عامر کے تین جوان اُٹھے اور انہوں نے شجرہ بن فراس کے تین ساتھیوں کو پکڑ کر زمین پر گرالیا اور مکّوں اور پتھروں سے ان کا بھرکس نکال دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دُعا فرمائی وہ تینوں مُشرّف بہ اسلام ہو گئے اور بعد میں رُتبہء شہادت پر فائز ہوئے۔

☆☆☆☆
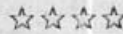
حضرت عاتکہ بنتِ اسید رضی اللہ عنہا

قریش کے خاندان "بنوامیہ" سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے۔
عاتکہؓ بنتِ اسید بن ابوالعیص بن اُمیہ بن عبد شمس

حضرت عتاب بن اسید کی ہمشیر تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد حضرت عتابؓ کو مکہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ حضرت عاتکہؓ کو فتح مکہ کے دن قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں ایک دن حضرت شفا بنتِ عبداللہ عدویہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ کل صبح کا کھانا میرے ہاں کھانا۔ حضرت شفاؓ کا بیان ہے کہ دوسرے دن صبح کو میں حضرت عمرؓ کے ہاں گئی تو عاتکہ بنتِ اسیدؓ کو ان کے دروازے پر دیکھا۔ ہم دونوں اکٹھی اندر داخل ہوئیں۔ حضرت عمرؓ کچھ دیر ہمارے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ پھر اُٹھے اور ایک ابریشمی کپڑا عاتکہ کو دیا اور مجھے بھی دیا لیکن عاتکہ کا کپڑا میرے کپڑے سے بہتر تھا (اس سے مجھے ناگواری محسوس ہوئی اور) میں نے حضرت عمرؓ سے کہا:

"اے عمر! میں نے عاتکہ سے پہلے اسلام قبول کیا پھر میں تیری عم زاد (چچازاد) بھی ہوں مجھے نہیں معلوم کہ تم نے اس کو مجھ پر کیوں ترجیح دی ہے"

حضرت عمرؓ نے کہا:

"میں نے یہ (زیادہ عمدہ) کپڑا تیرے لیے ہی رکھا ہوا تھا لیکن جب تم دونوں جمع ہو گئیں (بیک وقت میرے پاس آگئیں) تو مجھے خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاتکہ کو (بعض اوصاف کی بناپر) تم سے بہتر سمجھتے تھے (اس لیے میں نے اس کو بہتر کپڑا دیا ہے)"

☆☆☆☆

حضرت عائشہ بنتِ قدامہ رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق قریش کی شاخ جُمَح سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

عائشہؓ بنتِ قدامہؓ بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حُذافہ بن جُمَح

والدہ کا نام رائطہؓ بنتِ سفیان خزاعیہ تھا۔ والد اور والدہ دونوں کو شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس وقت آپؐ خواتین سے بیعت لے رہے تھے اور فرمارہے تھے کہ میں تم سے ان اُمور پر بیعت لیتا ہوں کہ تم شرک نہیں کروگی، چوری نہیں کروگی، زنا نہیں کروگی، اولاد کو قتل نہ کروگی، کسی پر جھوٹا الزام نہیں لگاؤ گی اور نہ میری نافرمانی کروگی۔ عورتوں نے سر جھکا رکھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''کہو ! ہاں ہم ان احکام کی تعمیل بقدر استطاعت کریں گی''

وہ ''ہاں'' کہے جاتی تھیں اور میں بھی اور میری والدہ بھی اس طرح کیے جاتی تھیں۔

☆☆☆☆
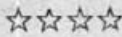
حضرت عمرہ اشہلیہ رضی اللہ عنہا

ان کے بارے میں ارباب سِیَر نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ انصار کے معزز خاندان ''بنو عبدالاشہل'' سے تعلق رکھتی تھیں۔ نسب کسی نے بیان نہیں کیا۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے محلے میں تشریف لائے اور وہیں ظہر اور عصر کی نمازیں ادا فرمائیں۔ جب سورج غروب ہوا اور مؤذن نے اذان کہی تو افطار کے لئے آپ ﷺ کے سامنے بکری کا بھنا ہوا کندھا اور بازو پیش کیا گیا (بظاہر یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا یا آپ ﷺ ویسے ہی روزہ سے تھے) آپؐ نے گوشت دانتوں سے کاٹ کر تناول فرمایا۔ مؤذن نے اقامت کہی تو آپ ﷺ نے کپڑے کے ٹکڑے سے ہاتھ پونچھے اور پانی کو ہاتھ لگائے بغیر نماز پڑھی۔

☆☆☆☆
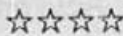
حضرت عمرہ بنتِ رواحہ رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق انصار کے خاندان حارث بن خزرج سے تھا۔ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اُن کے بھائی تھے[1] اور حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہٗ شوہر تھے[2]۔ سلسلہ نسب یہ ہے: عمرہؓ بنتِ رواحہ بن ثعلبہ بن امراء القیس بن عمرو بن امراء القیس الاکبر بن مالک الاغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔

حضرت عمرہؓ نے ایک دفعہ اپنے شوہر حضرت بشیرؓ سے کہا کہ وہ اپنے فرزند نعمان کو اپنی جائداد کا ایک حصہ (بطورِ خاص) ہبہ کر دیں۔ حضرت بشیرؓ نے ان کی بات مان لی مگر حضرت عمرہؓ

---

[1] حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ بیعت عقبہ کبیرہ میں مُشرّف بہ اسلام ہوئے اور بنو حارثہ کے نقیب بنائے گئے۔ بدر سمیت عہدِ رسالت کے کئی غزوات و سرایا میں شریک ہوئے۔ عمرۃ القضا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کی مہار پکڑنے کا شرف حاصل ہوا۔ ۸ھ میں معرکہ مُوتہ میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ وہ پڑھے لکھے بزرگ تھے اور اعلیٰ درجے کے شاعر تھے۔ ان کا شمار دربارِ رسالت کے شاعروں میں ہوتا ہے ان کو حضور ﷺ کا کاتب ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ نہایت عابد و زاہد اور مُرتاض تھے۔ چند احادیث بھی ان سے مروی ہیں۔

[2] حضرت بشیرؓ بن سعد انصاری کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے ان کا تعلق خزرج کی شاخ حارث بن خزرج سے تھا۔ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے اسلام لائے۔ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ بیعتِ رضوان کا شرف بھی حاصل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہوں نے سقیفہ بنی سعد میں قریش کی خلافت کی زبردست حمایت کی اور سب سے پہلے صدیق اکبرؓ کی بیعت کی۔ عہد صدیقی میں مرتدین کے خلاف کئی معرکوں میں پُرجوش حصہ لیا پھر عراقِ عرب میں ایرانی مجوسیوں سے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ ایک مشہور روایت کے مطابق انہوں نے معرکہ عین التمر (۱۲ھ) میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

(طبقات ابن سعد، الاصابہ، اُسدُ الغابہ)

نے کہا کہ یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ہونا چاہیے۔ چنانچہ حضرت بشیرؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے ارادے کو پورا کرنے کے لیے آپ ﷺ سے اجازت کے خواستگار ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، کیا تم نے دوسرے بیٹوں سے بھی ایسا ہی سلوک کیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا نہیں:۔

آپ ﷺ نے فرمایا، میں اس بے انصافی کا گواہ نہیں بن سکتا (یعنی آپ نے اجازت دینے سے انکار کردیا) اس پر دونوں میاں بیوی نے اپنا ارادہ ترک کردیا۔

☆☆☆☆
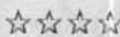
فارعہ بنتِ زُرارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا

خاندانی تعلق قبیلہ خزرج کی شاخ مالک بن نجار سے تھا۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابوآمامہ اسعدؓ بن زرارہ کی بہن اور حضرت فارعہؓ، حضرت حبیبہؓ اور حضرت کبشہؓ کی پھوپھی تھیں۔

ان کا نسب نامہ یہ ہے:

فارعہؓ بنتِ زُرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نُجّار

والدہ کا نام فریعہؓ بنتِ رافع تھا۔ ماں اور بیٹی دونوں کو قبولِ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔

☆☆☆☆
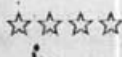
حضرت حبیبہ بنتِ اسعد انصاریہ رضی اللہ عنہا

حضرت ابواُمامہ اسعد بن زرارہ انصاری رضی اللہ عنہٗ کی صاحبزادی تھیں۔

حضرت ابواُمامہ اسعدؓ کی وفات (شوال ۱ھ ہجری) کے بعد (ان کی وصیت کے مطابق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سرپرست اور کفیل بن گئے۔ جب وہ جوان ہوئیں تو حضور ﷺ نے ان کا نکاح حضرت سہل بن حُنیف رضی اللہ عنہٗ سے کردیا۔ ان سے ایک بیٹا ہوا جس کا نام حضور ﷺ نے اس کے نانا کے نام پر اسعد رکھا اور کنیت بھی ابو اُمامہ ہی تجویز فرمائی۔ ان کی بھانجی حضرت زینب بنتِ نبیطؓ کا بیان ہے کہ ابو اُمامہ کا چھوڑا ہوا سونے کا ایک زیور جسے رعات کہتے تھے اور جس میں موتی جڑے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا گیا۔ حضور ﷺ نے اسی زیور سے میری والدہ اور خالہ کے لیے زیور مہیا کیے اور مجھے بھی اس سے اپنا حصہ ملا۔

☆☆☆

حضرت کبشہ بنتِ اسعد انصاریہ رضی اللہ عنہا

حضرت ابو اُمامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہٗ کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ کفالت ہونے کا ذکر ان کی ہمشیر حضرت فارعہؓ کے ترجمے میں کیا جا چکا ہے۔ ان کی شادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی حبیبؓ سے کردی تھی۔

☆☆☆☆
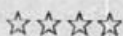
اُمِّ اسعدؓ حضرت فریعہ انصاریہ رضی اللہ عنہا

حضرت ابو اُمامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہٗ کی والدہ تھیں۔ خاندانی تعلق بنو ابجر سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

فریعہؓ بنتِ رافع بن معاویہ بن عبید بن جراح

ایک روایت میں فریعہ بنتِ حباب بن رافع بن معاویہ کا ذکر آیا ہے اور ان کا خاندانی تعلق بھی بنو ابجر سے بتایا گیا ہے۔ ابنِ اثیر کا قیاس یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں اور کسی راوی

سے ان کے والد حباب کا نام رہ گیا ہے۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپؐ سے بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

☆☆☆☆

حضرت قیلہ انصاریہ رضی اللہ عنہا

ایک روایت میں ان کا خاندانی تعلق بنو انمار سے بتایا گیا ہے۔ نسب کسی نے بیان نہیں کیا لیکن ان کے شرف صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ ان سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مروہ کے پاس دیکھا جہاں آپؐ عمرہ کے لئے تشریف لائے تھے۔ میں حضورؐ کی خدمت میں بیٹھ گئی اور عرض کیا 'یارسول اللہ! اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں کوئی چیز بیچنا چاہتی ہوں تو میں اس کی قیمت اُس رقم سے زیادہ بتاتی ہوں جس پر میں اسے بیچنا چاہتی ہوں اسی طرح جب میں کوئی چیز خریدنا چاہتی ہوں تو اس کی قیمت اس رقم سے کم بتاتی ہوں جس پر میں اسے خریدنا چاہتی ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: اے قیلہ! تم اس طرح نہ کیا کرو بلکہ وہی قیمت بتایا کرو جس پر تم کسی چیز کو بیچنا یا خریدنا چاہتی ہو۔

☆☆☆☆

حضرت کبشہ بنتِ کعب رضی اللہ عنہا

خاندانی تعلق خزرج کے خاندان بنو سلمہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

کبشہؓ بنتِ کعب بن مالک بن ابی کعب عمرو بن قین بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ خزرجی

ان کی شادی حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ حضرت کبشہؓ سے روایت ہے کہ ابو قتادہ گھر آئے تو میں نے اُن کے وضو کے لئے پانی رکھا۔ اتنے میں ایک بلی آ گئی اور اس نے (برتن میں منہ ڈال کر) پانی پینا شروع کر دیا۔ اس دوران میں ابو قتادہ نے برتن کو ایک

طرف سے اُٹھایا (تاکہ پانی ایک طرف جمع ہو جائے اور بلی آسانی سے پانی پی سکے) جب بلی پانی پی چکی تو میں نے دیکھا کہ ابو قتادہ مجھے غور سے دیکھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کبشہ کیا تم حیران ہو رہی ہو؟ میں نے کہا، ہاں۔۔۔۔ کہنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چونکہ یہ جانور تمہارے گھروں میں آتے جاتے رہتے ہیں اس لیے نجس نہیں ہیں (اس لیے ان کا جوٹھا ناپاک نہیں ہے)

سیرِ انصار جلد اوّل میں مولانا سعید انصاری مرحوم نے مسند احمد بن حنبل (ج ۵۔ص ۳۰۳) کے حوالے سے یہ واقعہ حضرت ابو قتادہؓ کی بہو سے منسوب کیا ہے لیکن علامہ ابنِ اثیرؒ نے اُسدُ الغابہ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ حضرت کبشہ بنتِ کعبؓ حضرت ابو قتادہ انصاریؓ کی زوجہ تھیں۔

(واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆☆

حضرت قیلہ بنتِ مخرمہ رضی اللہ عنہا

مشہور عرب قبیلے بنو تمیم سے تھیں۔ دعوت توحید کے اوائل ہی میں قبولِ اسلام کا شرف حاصل کر لیا تھا۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کے اندر قُرفُصاء ہیئت پر بیٹھے دیکھا[1] اور جب میں نے آپ کو خضوع و خشوع کی اس حالت میں دیکھا تو میں آپ ﷺ کی ہیبت سے کانپ اُٹھی۔ (مشکوٰۃ شریف ج ۲۔ بحوالہ ابوداؤد)

علامہ ابنِ اثیر جزریؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں ان کے بارے میں یہ واقعہ لکھا ہے:

---

[1] قُرفُصا کی ہیئت یہ ہے کہ آدمی دونوں زانوؤں کو کھڑا کر کے سرینوں پر بیٹھے اور زانوؤں کو پیٹ سے لگالے اور دونوں ہاتھوں کو زانوؤں پر باندھ لے کچھ اور احادیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اکثر اسی ہیئت میں رونق افروز ہوتے تھے۔

''قیلہ ابتدائے اسلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے نکلی۔ اس پر (اس کی) سب سے چھوٹی لڑکی نے جس کا نام جویریہ تھا اور جو سیاہ رنگ کا لباس پہنے تھی، رونا شروع کر دیا۔ چونکہ ماں کو اس لڑکی سے محبت زیادہ تھی اسے اس پر رحم آ گیا، اسے اُٹھا لیا اور ساتھ لے چلی۔ ماں بیٹی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچیں جب آپ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے اور بعد از نماز نمازیوں سے فرما رہے تھے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، پانی اور درخت انہیں اپنے اندر سمو لیتے ہیں اور تکلیف میں تعاون کرتے ہیں۔ یہ حدیث بڑی طویل اور کثیر الغریب ہے۔

ابنِ اثیرؒ نے اتنا لکھنے کے بعد حضرت قیلہؓ کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اتنے میں ایک آدمی آیا اور سورج اوپر آ گیا تھا اس نے کہا، السلام علیکم یارسول اللہ۔ آپ نے جواب میں فرمایا، وعلیک السلام ورحمۃ اللہ۔۔۔ اور حضورؐ نے دو پرانی چادریں جن کا زعفرانی رنگ اڑ گیا تھا، اوڑھی ہوئی تھیں اور آپ کے پاس کھجور کی ایک چھڑی تھی۔

(اُسدُ الغابہ جلد۔۱۰)

ابنِ اثیرؒ نے وضاحت تو نہیں کی لیکن قیاسِ غالب یہ ہے کہ حضرت قیلہؓ نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت قیلہؓ کے شوہر کا نام حبیب بن ازہر تھا (جو بنو جناب سے تھا) اس کی صُلب سے حضرت قیلہؓ کے کئی لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ وہ فوت ہو گیا تو لڑکیوں کو ان کے چچا (بروایتِ دیگر ابن عم) نے لے لیا۔ بقول مولانا عبدالسلام ندویؒ تمام دنیوی جھگڑوں سے آزاد ہو کر وہ ایک صحابی کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات اور تلقینات سے عمر بھر فائدہ اُٹھایا۔

(اسوۂ صحابیات بحوالہ طبقات ابن سعد)

☆☆☆☆

حضرت ملیکہ بنتِ عمرو الزیدیہ رضی اللہ عنہا

خاندانی تعلق بنومذحج سے تھا۔ ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی قوم کے بارے میں سنو کہ وہ زمین میں دھنس گئی ہے تو سمجھو کہ اس قوم کے لوگوں کی قیامت برپا ہوگئی۔ ایک دفعہ ایک خاتون حضرت ملیکہؓ کے پاس گئی اور ان کو بتایا کہ میرے گلے میں درد ہو رہا ہے۔ انہوں نے یہ کہہ کر اس کو گائے کا گھی علاج کے لیے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ گائے کا دودھ شفا ہے اور گھی دوا ہے۔

☆☆☆☆

حضرت میمونہ بنتِ ابی عنبسہ رضی اللہ عنہا

بعض روایتوں میں ان کے والد کا نام عُیَب مذکور ہے۔ (ابونعیمؒ کی رائے میں "ابی عنبسہ" "عُیَب" کی تصحیف ہے) یہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ اُن سے روایت ہے کہ ایک خاتون اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان سے درخواست کی کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے بارے میں سفارش کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل کے اطمینان اور سکون کی دُعا فرمائیں۔ حضرت عائشہؓ نے اس خاتون کی درخواست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اپنا دایاں ہاتھ اپنے دل پر رکھ، اسے رگڑ اور پھر یہ دُعا پڑھ: بِسمِ اللّٰهُمَّ داوِنی بدوائک واشفنی بشفائک وَاغنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ.

"بیان کیا جاتا ہے کہ اس خاتون نے اس کو آزمایا اور تیر بہدف پایا"

☆☆☆

حضرت نوار بنتِ مالک انصاریہ رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق انصار (قبیلہ خزرج) کے معزز ترین خاندان بنوعدی بن نجار سے تھا۔ (خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی اسی خاندان سے تھے)

حضرت نوارؓ کے والد کا نام ایک روایت کے مطابق مالک بن صرمہ تھا اور بروایت دیگر مالک بن معاویہ بن عدی تھا۔ ان کی شادی بنو نجار ہی کے ایک شخص ثابت بن ضحاک سے ہوئی تھی[1]۔ ان کی صلب سے ایک فرزند زیدؓ پیدا ہوئے جن کا شمار آگے چل کر جلیل القدر صحابہ میں ہوا[2]۔ ہجرت

1۔ ایک روایت کے مطابق حضرت نوارؓ کی پہلی شادی اپنے خاندان کے ایک شخص عمرو بن اسعد سے ہوئی تھی اس کی صلب سے ان کی ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ عمرو بن اسعد کے انتقال کے بعد نوار کا نکاح ثابت بن ضحاک سے ہوا۔

2۔ حضرت زید بن ثابت انصاری گیارہ سال کی عمر میں مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ غزوۂ بدر کے وقت ان کی عمر پندرہ برس سے کم تھی اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنگ میں شامل ہونے کی اجازت نہ دی۔ اس کے بعد کے عہد رسالت کے اکثر غزووں میں شریک ہوئے۔ انہوں نے اسلام قبول کرتے ہی قرآن پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ جتنا بھی قرآن نازل ہوتا اس کو حفظ کر لیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست علم دین حاصل کر کے علم و فضل کے اعتبار سے بہت اونچا مقام حاصل کر لیا تھا۔ حضورؐ نے وحی لکھنے کا کام مختلف صحابہ کرامؓ کے متعلق کیا تھا ان میں حضرت زیدؓ بن ثابت کا اسم گرامی نہایت ممتاز تھا۔ علاوہ ازیں علوم قرأت اور فرائض میں انہوں نے درجۂ کمال حاصل کر لیا تھا۔ فقہ میں بھی وہ مجتہد صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ عربی تو ان کی مادری زبان تھی، حضورؐ کے ارشاد کے مطابق انہوں نے عبرانی اور سریانی زبانیں بھی سیکھ لی تھیں۔ مؤرخ مسعودی کا بیان ہے کہ ان کو فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانیں بھی آتی تھیں۔ اپنے علم و فضل کی بدولت عہد رسالت ہی میں منصب افتاء پر فائز ہو گئے تھے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میری اُمت کے سب سے بڑے فرائض دان زید ہیں۔ اپنے تبحرِ علمی اور غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کی بدولت وہ حبر الامت، کاتب الوحی، مقری اور فرضی کے القاب سے مشہور ہو گئے تھے۔ محاسنِ اخلاق کے اعتبار سے بھی وہ ایک مثالی شخصیت تھے۔ حُبِ رسول، پیروی سُنّت، امر بالمعروف، حق گوئی و بے باکی، اور حمیتِ دینی ان کی کتاب سیرت کے سب سے روشن ابواب تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کو قرآن مجید کے تمام اجزا جمع کر کے یکجا لکھنے کا وہ مہتم بالشان شرف حاصل ہوا جس میں کوئی اور ان کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ اسلام کے اس بطلِ عظیم نے ۴۵ھ میں بعمر چھپن سال وفات پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے گیارہ بیٹے چھوڑے جن میں سے اکثر نے علم و فضل کے اعتبار سے بڑی شہرت پائی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرنے میں سخت محتاط تھے اس لیے ان سے صرف ۹۲ احادیث مروی ہیں۔

نبوی ﷺ سے پانچ سال پہلے قبیلہ خزرج اور قبیلہ اوس کے درمیان بعاث کی خونریز جنگ پیش آئی ثابت بن ضحاک اس لڑائی میں کام آئے اور نوارؓ بیوہ ہو گئیں۔ اس وقت زیدؓ بن ثابت کی عمر چھ برس کی تھی وہ والدہ کے ظلِ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر یثرب تشریف لائے اور یہ شہر مدینۃ النبی بن کر انوارِ رسالت سے جگمگانے لگا تو نوار آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور اسلام قبول کر کے آپ ﷺ کی بیعت کا شرف بھی حاصل کیا۔ پھر اپنے گیارہ سالہ فرزند زیدؓ بن ثابت کو بھی دائرۂ اسلام میں لے آئیں۔ حضرت نوارؓ نہایت نیک سیرت اور صالحہ خاتون تھیں اور لوگ اپنی امانتیں ان کے پاس رکھا کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق وہ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں۔

حضرت نوارؓ نے حضرت عثمانِ غنیؓ کے عہد خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ساٹھ برس سے اوپر تھی۔ ان سے کچھ حدیثیں بھی مروی ہیں ان سے حضرت اُمِ سعدؓ بنتِ سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہٗ نے روایت کی ہے۔

☆☆☆☆

حضرت ہند بنتِ اُسَید انصاریہ رضی اللہ عنہا

جلیل القدر صحابی حضرت اُسید بن حُضَیرؓ کی صاحبزادی تھیں [1] سلسلۂ نسب یہ ہے:
ہندؓ بنتِ اُسیدؓ بن حُضَیر الکتائب بن سماک بن عتیک بن رافع بن امراء القیس بن زید بن عبدالاشہل۔

---

[1] سیدنا اُسیدؓ بن حُضَیر کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نعم الرجل (نہایت اچھا آدمی) کا لقب مرحمت فرمایا تھا۔ وہ قبیلہ اوس کے معزز خاندان عبدالاشہل کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے۔ انہوں نے ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے حضرت مُصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہٗ (مدینہ میں اسلام کے مُبلّغِ اوّل) کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا اور دینِ حق کے جانباز سپاہی بن گئے۔ غزوۂ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے لیکن اس کے بعد عہد رسالت کے تمام غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

حضرت ہندؓ بنتِ اُسیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً قرآنِ حکیم سے خطبہ دیا کرتے تھے چنانچہ میں نے (سورۃ) ق والقرآن المجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سُن سُن کر حفظ کر لی تھی۔

☆☆☆☆
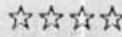
حضرت ہند بنتِ ولید رضی اللہ عنہا

بعض روایتوں میں ان کا نام فاطمہ بیان کیا گیا ہے۔ ابنِ اثیرؒ نے "ہند" نام کو ترجیح دی ہے۔ قریش کے خاندان بنو عبدِ شمس سے تھیں شجرۂ نسب یہ ہے:

ہند بنتِ ولید بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدِ شمس بن عبد مناف

حضرت ہندؓ بنت عتبہ (زوجہ ابوسفیانؓ) ان کی پھوپھی تھیں اور حضرت معاویہؓ پھوپھی زاد بھائی۔ ان کو دعوتِ توحید کے اوائل ہی میں قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہو گیا حالانکہ باپ کفر پر قائم رہا اور حالتِ کفر ہی میں غزوۂ بدر میں مارا گیا۔ حضرت ہندؓ کے چچا ابوحُذیفہؓ بن عتبہ نہایت مخلص مسلمان تھے انہوں نے حضرت ہندؓ کی شادی اپنے منہ بولے بیٹے حضرت سالم رضی اللہ عنہٗ سے کر دی۔ حضرت سالمؓ کو پہلے سالم بن ابی حذیفہ کہا جاتا تھا لیکن جب اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ (لوگوں کو ان کے حقیقی باپوں کے نام سے پکارو) کا حکم خداوندی نازل ہوا تو حضرت سالمؓ کو مولی ابوحُذیفہؓ کہا جانے لگا۔ حضرت ہند بنتِ ولید علامہ ابنِ اثیرؒ کے قول کے مطابق اوّلین مہاجرات اور قریش کی بہترین بیویوں میں سے تھیں۔

(حضرت اُسیدؓ بن حُضیرؓ کے ایمان افروز تفصیلی وقائع حیات احقر کی تالیف "تمیں پروانے شمعِ رسالت کے" میں پڑھیے۔ طالب الہاشمی۔)

(حاشیہ گزشتہ صفحہ)

ہم رکاب رہے۔ ۶ ہجری میں بیعتِ رضوان کا عظیم شرف بھی حاصل کیا۔ انہوں نے ۲۰ ہجری میں وفات پائی ان کے گلشنِ اخلاق میں حُبِ رسول، غیرتِ دینی، شوقِ جہاد، شجاعت و شہامت، پاکیزگیٔ نفس، اخلاص و عبادت اور شغفِ قرآن و حدیث سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔ ان سے اٹھارہ احادیث مروی ہیں۔

حضرت ہند بنتِ اُثاثہ رضی اللہ عنہا

قریش کی شاخ بنو مُطلب سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے:

ہند بنتِ اُثاثہ بن عباد بن مُطلب بن عبدِ مناف

مشہور صحابی حضرت مسطح بن اُثاثہ رضی اللہ عنہ ان کے بھائی تھے۔ بعثتِ نبوی ﷺ کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ان کو قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہو گیا پھر مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی۔ والدہ کا نام سلمیٰؓ بنت ابی رُہم تھا اور ان کی کنیت "اُم مسطح" تھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اُن کے قریبی رشتہ دار تھے۔ حضرت ہند شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں غزوۂ اُحد (شوال ۳ ہجری) میں مسلمانوں کے ستر آدمیوں نے شہادت پائی جن میں عمِ رسول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ہند بنت عتبہ (زوجہ ابو سفیانؓ) نے، جو اس وقت تک ایمان نہیں لائی تھیں اور جن کا باپ عتبہ، چچا (شیبہ) اور بھائی ولید غزوۂ بدر (۲ھ) میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے، غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے نقصان پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور بہت سے دل آزارانہ اشعار کہے جن کا مفہوم یہ تھا:

"مسلمانو! ہم نے تم سے بدر کا بدلہ لے لیا، میں اپنے باپ چچا اور بھائی کی موت پر صبر نہیں کر سکتی تھی (یعنی میرے دل کو قرار نہیں تھا) مجھے بہت مسرت ہوئی اور میری نذر پوری ہوئی اور وحشی نے میرے دردِ دل کا علاج کر دیا"

حضرت ہند بنت اُثاثہؓ نے ہند بنت عتبہ کے اشعار کا ترکی بہ ترکی جواب دیا ان کے کہے ہوئے جوابی شعروں میں سے تین کا ترجمہ یہ ہے:

"تو بدر میں ذلیل ہوئی اور بدر کے علاوہ بھی، اے بُرا کہنے والے کافرِ اعظم کی بیٹی، اللہ کرے کہ کل صبح تجھ پر معزز اور روشن چہرے والے ہاشمی حملہ کر دیں۔ ہر کاٹنے والی تلوار سے وہ دشمن کو کاٹ پھینکتے ہیں، حمزہؓ میرا شیر اور علیؓ میرا چیتا ہے"

☆☆☆☆
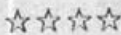
حضرت فارعہ بنتِ اسعد انصاریہ رضی اللہ عنہا

جلیل القدر صحابی حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ انصاری رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں [1] بعض روایتوں میں ان کا نام فریعہ بیان کیا گیا ہے [2]۔ خاندانی تعلق خزرج کی شاخ بنو نجار سے تھا سلسلہ نسب یہ ہے:

فارعہؓ بنتِ اسعدؓ بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

والدِ گرامی نے شوال اھ میں حلق کے عارضے سے وفات پائی۔ وفات سے پہلے انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے مرنے کے بعد آپ میری بچیوں کو اپنی تحویل میں لے لیں (یعنی ان کی سرپرستی یا کفالت فرمائیں) چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسعدؓ کی تینوں یتیم بچیوں (فارعہؓ، حبیبہؓ اور کبشہؓ) کی تربیت فرمائی اور ان کی شادیاں کیں۔ حضرت فارعہؓ کی شادی حضرت نبیط بن جابر رضی اللہ عنہ سے ہوئی ان کا تعلق بھی بنو نجار سے تھا۔

---

[1] حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق خزرج کے سب سے معزز خاندان بنو نجار سے تھا۔ وہ زمانہ جاہلیت ہی میں بت پرستی سے متنفر اور توحید کے قائل ہو گئے تھے۔ ہجرت نبوی سے دو سال پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ بیعت عقبہ کبیرہ میں حضور ﷺ نے ان کو انصار کا نقیب النقباء مقرر فرمایا۔ مدینہ منورہ میں اسلام کے مبلّغ اول حضرت مصعبؓ بن عمیر رضی اللہ عنہ کو انہوں نے اپنا مہمان بنایا پھر دونوں کی تبلیغی مساعی سے مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پھیل گیا۔ افسوس کہ ہجرت نبوی ﷺ کے جلد ہی بعد وہ فوت ہو گئے۔ حضور ﷺ نے خود ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کی یتیم بچیوں کی کفالت اپنے ذمہ لی۔

[2] حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے فارعہ کو ترجیح دی ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے دو لڑکیاں چھوڑی تھیں لیکن ابن اثیرؒ اور بعض دوسرے اہلِ سیر نے ان کی تین لڑکیوں کا ذکر کیا ہے۔ قطعِ نظر اس کے کہ حضرت ابوامامہ اسعدؓ کی دو بچیاں تھیں یا تین، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی کفالت فرمائی یہاں تک کہ شادی کے بعد وہ اپنے گھروں میں آباد ہو گئیں۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ہمیں انصار کی ایک یتیم لڑکی نے (غالباً اپنی شادی کے موقع پر) بلا بھیجا۔ جب ہم اس کے ہاں سے لوٹ کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، تم نے وہاں کیا کہا تھا، عرض کیا، ہم نے انہیں سلام کہا اور واپس آگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، انصار شعر کو پسند کرتے ہیں، تمہیں چاہیے تھا کہ انہیں یوں مخاطب کرتے:

اتینا کُم اتینکُمْ وحیُونا نحیینکُمْ

(ہم تمہارے پاس آئے ہیں ہم تمہارے پاس آئے ہیں تم ہمیں خوش آمدید کہو ہم تمہیں خوش آمدید کہیں گے۔)

بقول ابن اثیرؒ یہ یتیم لڑکی فارعہؓ بنت اسعدؓ بن زرارہ تھیں۔

☆☆☆☆

حضرت لبابہ انصاریہ رضی اللہ عنہا

جلیل القدر صحابی حضرت ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ کی دخترِ نیک اختر تھیں۔ انہی کے نام پر والدِ گرامی نے اپنی کنیت ابولبابہ رکھی تھی۔ قبیلہ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے تھیں سلسلہ نسب یہ ہے:

لبابہؓ بنت رفاعہ بن عبدالمنذر بن زبیر بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا شمار انصار کے سابقین اوّلین میں ہوتا ہے۔ ہجرت نبوی سے پہلے بیعت عقبہ ثانیہ میں مُشرّف بہ اسلام ہوئے اور اپنے قبیلے کے نقیب بنائے گئے۔ وہ نہایت مخلص مسلمان تھے۔ عہدِ رسالت کے بیشتر غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا لیکن غزوۂ بنی قریظہ کے موقع پر ان سے ایک لغزش سرزد ہوگئی۔ وہ یہ کہ ۵ ہجری میں غزوۂ احزاب کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی قریظہ کے محلے کا محاصرہ

کرلیا کیونکہ ۵ ھ (مذکورہ غزوے کے دوران) میں انہوں نے مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ یہ لوگ قبیلہ اَوس کے حلیف تھے اور اس بنا پر انہوں نے حضرت ابولبابہؓ کو مشورے کے لیے بلایا حضرت ابولبابہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر بنوقریظہ کے پاس گئے تو انہوں نے ان کی بہت تعظیم وتکریم کی اور ان سے ہمدردانہ مشورے کے خواستگار ہوئے۔ حضرت ابولبابہؓ نے ان کو ہتھیار ڈالنے کا مشورہ دیا لیکن ساتھ ہی اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا جس کا مقصد یہودیوں کو یہ بتانا تھا کہ تم لوگ غداری کی پاداش میں قتل کیے جاؤ گے یہ اشارہ تو کر دیا مگر معاً احساس ہوا کہ میں نے مسلمانوں کا ایک جنگی راز فاش کر دیا۔ (جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی امانت میں خیانت کے مترادف ہے) اگر یہودیوں نے عالمِ یاس میں کوئی خطرناک قدم اُٹھالیا اور مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔ یہ خیال آتے ہی بدن پر لرزہ طاری ہوگیا۔ مسجدِ نبوی ﷺ میں پہنچ کر اپنے آپ کو ایک موٹی زنجیر سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی اسی طرح بندھا رہوں گا (قیاس یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹی لبابہؓ کی مدد سے اپنے آپ کو ستون سے بندھوایا) صرف نماز اور حوائج ضروریہ کے وقت حضرت لبابہؓ انہیں کھول دیتیں۔ جب فارغ ہو جاتے تو اُن کے حکم پر انہیں پھر ستون کے ساتھ باندھ دیتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا حال معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

''اب تو جو ہوا سو ہوا اگر ابولبابہ میرے پاس آجاتے تو میں خود ان کے لئے استغفار کرتا''

حضرت ابولبابہؓ کو اپنے آپ پر وارد کی ہوئی سزا جھگتے کئی روز گزر گئے۔ اس دوران میں روتے روتے ان کی آنکھیں سوج گئیں، نظر کمزور ہوگئی، کانوں سے بہرے ہوگئے اور کھانا پینا قریب قریب ترک ہوگیا۔ بس کسی وقت حضرت لبابہؓ ایک خرما ان کے منہ میں ڈال دیتیں اور پانی کے دو گھونٹ پلا دیتیں۔ اس کے سوا ان کی اور کوئی خوراک نہیں تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ضعف اور ناتوانی نے غلبہ پالیا۔ ایک دن ضعف اس قدر بڑھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس وقت رحمتِ الٰہی جوش میں آگئی اور طلوعِ فجر سے پہلے ان آیات کا نزول ہوا۔

(الانفال: ۲۷۔۲۸۔۲۹)

ترجمہ: "اے ایمان لانے والو، تم جانتے بوجھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں غداری کے مرتکب نہ ہو اور خوب سمجھ لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ اے ایمان لانے والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہارے لیے (کھرے اور کھوٹے یا حق اور باطل میں تمیز کرنے کی) کسوٹی بہم پہنچا دے گا اور تمہاری برائیوں کو تم سے دور کرے گا اور تمہارے قصور معاف کرے گا۔ اور اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اُمّ المومنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے حُجرے میں تھے۔ یہ آیات نازل ہونے پر آپ ﷺ فرطِ مُسَرّت سے متبسّم ہو گئے۔ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا "یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنسائے بات کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی۔ حضرت اُمِ سلمہؓ نے حضور ﷺ سے اجازت لے کر حجرے ہی سے پکارا، ابولبابہ! مبارک ہو تمہاری توبہ قبول ہو گئی آناً فاناً یہ خبر شہر میں مشہور ہو گئی۔ حضرت ابولبابہؓ اور دوسرے لوگوں نے حضرت ابولبابہؓ کو کھولنا چاہا تو انہوں نے سختی سے منع کر دیا اور کہا:

"جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ خطا کار کو خود نہ کھولیں گے میں اسی ستون سے بندھا رہوں گا"

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نمازِ فجر کے لیے مسجدِ نبوی میں تشریف لائے اور آپ ﷺ کو حضرت ابولبابہؓ کی خواہش کا علم ہوا تو آپ نے انہیں خود اپنے دستِ مبارک سے کھولا۔ حضرت ابولبابہؓ فرطِ مُسَرّت سے بے خود ہو گئے اور بے ساختہ عرض کیا:

"یارسول اللہ! مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ اپنا سب مال و اسباب راہ حق میں صدقہ کر کے اپنا گھر بار چھوڑ دوں اور ہمیشہ آپ کی خدمت میں رہوں"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں تم صرف ایک تہائی مال راہ حق میں صدقہ کرو۔

حضرت لبابہؓ سے روایت ہے کہ "میں اپنے والد کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ مجھے کہتے کہ مجھے یعنی اللہ اور اس کے رسول کے خائن کو رسی سے مسجد کے ستون سے باندھ دے (میں ان کے حکم کی تعمیل کرتی تھی) ایک دن ان کا بھائی قریب سے گزرا، میرے والد نے اپنے بھائی کو آواز دی،

ادھر آؤ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے، ان کے بھائی نے کہا میں تم سے کلام نہیں کروں گا جب تک تمھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ معاف نہ کر دیں۔ اسی دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد کے بارے میں دریافت کیا، لوگوں نے صورتِ حال بیان کی تو آپؐ نے فرمایا:

"اگر وہ میرے پاس آ جاتا تو میں اس کے بارے میں سوچ بچار کرتا"

بالآخر (مذکورہ بالا) آیات نازل ہوئیں (جنھوں نے میرے والد کی توبہ قبول ہونے کی بشارت دی)۔"

(طبقات ابنِ اسعد، مُسندِ احمد بن حنبل، اُسدُ الغابہ)

☆☆☆☆

اُمِ ابی اُمامہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا

نام معلوم نہیں ۔ بیٹے کی کنیت ابو اُمامہ تھی اس لیے کُتب سِیَر میں ان کا ذکر "اُمِ ابی اُمامہ" کے عنوان کے تحت ہی کیا گیا ہے۔ بیٹے کا نام بعض روایتوں میں ایاس بن ثعلبہ اور بعض میں خالد بن ثعلبہ بیان کیا گیا ہے۔ جمہورِ اہلِ سِیَر نے ایاس بن ثعلبہ کو ترجیح دی ہے۔

اُمِ ابی اُمامہ کا تعلق قبیلہ بَلِی سے تھا جو اوس کی شاخ بنو حارثہ کا حلیف تھا۔ مشہور صحابی حضرت ابو بردہ ہانی بن نیار ان کے حقیقی بھائی تھے[1]۔

---

[1] حضرت ابو بردہ ہانی بن نیار کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ وہ قبیلہ بَلِی سے تھے اور مدینہ میں انصار کے خاندان بنو حارثہ کے حلیف تھے۔ وہ نہایت اچھے شہسوار تھے اور مدینے کے بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے ہی قبول اسلام کا شرف حاصل کر لیا اور پھر ۱۳ نبوت میں مکّہ جا کر بیعتِ لیلۃ العقبہ میں شریک ہوئے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو انہوں نے بدر، اُحد، احزاب اور عہد رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں ان کی پُرزور حمایت کی۔ انہوں نے بااختلاف روایت ۴۲ھ یا ۴۱ھ میں وفات پائی اولاد کوئی نہیں چھوڑی۔ ان سے بیس احادیث مروی ہیں۔ (سیر انصار۔ اُسد الغابہ)

حضرت ایاس بن ثعلبہؓ اور ان کی والدہ دونوں کو ہجرتِ نبوی کے قریبی زمانے میں قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ رمضان ۲ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہونے لگے تو حضرت ایاسؓ اور ان کے ماموں حضرت ہانی بن نیارؓ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہو گئے لیکن اس موقع پر حضرت اُمِ ابی اُمامہؓ سخت بیمار ہو گئیں اور کسی تیمار دار کے بغیر ان کو اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ ان کا کفیل بیٹے اور بھائی کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ ماموں (حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ) نے بھانجے (حضرت ایاسؓ بن ثعلبہ) سے کہا: "ایاس تمہاری والدہ سخت بیمار ہیں تم ان کی خدمت اور نگہداشت کے لئے یہاں ان کے پاس رہو۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوے پر جانے دو"

حضرت ایاسؓ کا دل بھی جوشِ ایمان سے لبریز تھا اور شوقِ شہادت نے ان کو بے تاب کر رکھا تھا۔ انہوں نے ماموں سے کہا: "ماموں جان! میری والدہ آپ کی حقیقی بہن ہیں کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ ان کی خدمت اور نگہداشت کے لیے ان کے پاس ٹھہریں اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے جانے دیں"

اس بحث نے بہت طول کھینچا یہاں تک کہ ان کی باہمی گفتگو میں تلخی پیدا ہو گئی۔ آخر ماموں بھانجے میں اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جائے آپ جو فیصلہ فرمائیں گے دونوں اس پر عمل کرنے کے پابند ہوں گے۔

چنانچہ دونوں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور یہ معاملہ آپؐ کے سامنے رکھا۔ آپؐ نے دونوں کی باتیں غور سے سنیں اور پھر یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ بیٹے کو ماں کی خدمت اور نگہداشت کے لیے اس کے پاس رہنا چاہیے۔ (اللہ تعالیٰ نیتوں کا حال جانتا ہے وہ اس کو جہاد فی سبیل اللہ کے اجر سے محروم نہیں فرمائے گا) اور مریضہ کے بھائی میرے ساتھ غزوے میں شریک ہوں۔

دونوں ماموں بھانجے نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ حضرت ابو امامہ ایاسؓ ماں کے پاس مدینہ منورہ میں رُک گئے اور حضرت ابو بردہ بن نیارؓ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ اُمِ ابی اُمامہ ایاس فوت ہو گئی ہیں۔ آپ ﷺ نے

ان کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔ بعض روایتوں میں ایک اور صحابیہ اُمِ ابی اُمامہؓ کا ذکر آتا ہے۔ وہ ان سے الگ ہیں۔

☆☆☆☆
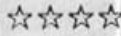
حضرت اُمِّ اُسید رضی اللہ عنہا

یہ بدری صحابی حضرت ابواُسید ساعدیؓ (خزرجی انصاری) کی زوجہ تھیں۔ حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ نے شادی کی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو کھانے کی دعوت دی۔ کھانا تیار کرنے اور مہمانوں کے سامنے پیش کرنے کا سارا کام ابواسیدؓ کی اہلیہ اُمِ اسیدؓ نے انجام دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھا چکے تو اُمِ اسیدؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک مشروب پیش کیا جو انہوں نے پتھر کے ایک برتن میں رات کو کھجوریں بھگو کر تیار کیا تھا۔

☆☆☆☆
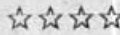
حضرت اُمِّ بلال رضی اللہ عنہا

یہ حضرت بلال مُزنی ؓ کی صاحبزادی تھیں۔ ان سے روایت ہے کہ میرے والد حدیبیہ میں موجود تھے (یعنی ان کو بیعتِ رضوان کی عظیم سعادت نصیب ہوئی تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بھیڑ کا بچہ چھ ماہ کا ذبح کرو، اس کی قربانی جائز ہے۔

☆☆☆☆
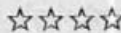
حضرت اُمِّ حُذیفہ رضی اللہ عنہا

حضرت حسیل الیمانؓ (شہیدِ اُحد) کی اہلیہ اور حضرت حُذیفہ بن یمانؓ کی والدہ تھیں حضرت حُذیفہؓ سے روایت ہے کہ میری والدہ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کتنا عرصہ ہو چکا ہے۔ میں نے جواب دیا، فلاں وقت کے بعد مجھے آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے کا موقع نہیں ملا (والدہ نے مجھے حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں اسی وقت فوراً حاضر ہونے کا حکم دیا) چنانچہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ نمازِ مغرب ادا کر رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے حُذیفہ! یہ شخص جو ابھی آیا تھا تو نے دیکھا تھا؟ (میں نے عرض کیا، جی ہاں دیکھا تھا) آپؐ نے فرمایا یہ فرشتہ تھا جو مجھے یہ بشارت دینے آیا تھا کہ حسنؓ اور حسینؓ جنتیوں (جوانانِ جنّت) کے سردار ہیں اور فاطمہؓ خواتینِ جنّت کی سردار ہیں۔

☆☆☆☆
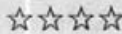
حضرت اُمِّ حکیم بنتِ وداع رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق بنو خُزاعہ سے تھا۔ انہوں نے ہجرت کی۔ ان سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپس میں ہدیوں کا تبادلہ کیا کرو (یعنی ایک دوسرے کو ہدیے دیا کرو) اس سے سینے کی خباثتیں دور ہو جاتی ہیں۔ نیز فرمایا، افطار میں جلدی کیا کرو (یعنی افطار کا وقت ہوتے ہی فوراً کچھ کھا پی لیا کرو) اور سحری میں تاخیر (یعنی سحری کا وقت ختم ہونے سے بہت پہلے ہی کھا پی کر روزہ نہ رکھ لیا کرو)

☆☆☆☆

حضرت اُمِّ سعد بنتِ سعد بن عمرو رضی اللہ عنہا

ان کا خاندانی تعلق قریش کی شاخ بنو جُمَح سے تھا۔ ان کے والد کے نام میں بہت اختلاف ہے کسی نے مُرّہ بن عمرو لکھا ہے کسی نے عمرو اور کسی نے عُمیر۔ ایک روایت میں ان کا اپنا نام بھی اُمِ سعید آیا ہے۔ علامہ ابنِ اثیرؒ نے ان تمام روایتوں کا جائزہ لے کر اُمِ سعد بنتِ سعد بن عمرو کو ترجیح دی ہے۔ ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی کسی یتیم کا کفیل بنا، یتیم خواہ اس کے اپنے خاندان کا تھا یا کسی دوسرے خاندان کا، وہ جنت میں میرے ساتھ یوں اکٹھا ہو گا جس طرح شہادت کی انگلی درمیانی انگلی کے ساتھ ہے۔

☆☆☆☆
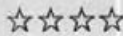
حضرت اُمِّ سوادہ رضی اللہ عنہا

اہلِ سِیَر نے ان کے خاندان اور سلسلہ نسب کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ صرف ان کے والد کا نام ''ربیع'' بیان کیا ہے۔ ان سے روایت ہے کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے میری والدہ کو چند بکریاں عطا فرمائیں اور ہدایت فرمائی کہ اپنے بیٹوں سے کہنا کہ وہ اپنے ناخن کٹوا دیں تاکہ (دودھ دوہتے وقت) بکریوں کے تھنوں کو تکلیف نہ ہو۔

☆☆☆☆
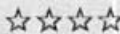
حضرت اُمِّ ازہر رضی اللہ عنہا

اہل سیر نے ان کا حسب ونسب بیان نہیں کیا صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کے والد انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ یہ خاتون نہایت صالحہ اور عابدہ تھیں۔

☆☆☆☆
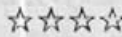
حضرت اُمِّ رافع رضی اللہ عنہا

نام سلمیٰ تھا، حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ اُم رافع سلمیٰؓ رسولِ اکرم ﷺ کی آزاد کردہ کنیز اور حضرت ابو رافعؓ آزاد کردہ غلام (مولیٰ) تھے۔ اِمِ رافعؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتی تھی۔ جب کبھی حضور ﷺ کو کوئی پھوڑا یا پھنسی نکل آتی تو میں اس پر مہندی لگا دیتی۔ اپنی ایک اور روایت میں کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جس کا اللہ تعالیٰ مجھے اجر دے آپؐ نے فرمایا، جب تو نماز کے لیے کھڑی ہو تو دس بار سُبْحَانَ اللہ، دس بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، دس بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ دس بار اللہُ اَکْبَر اور دس بار اَسْتَغْفِرُ اللہ کہہ۔ جب تو سُبْحَانَ اللہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور اللہُ اَکْبَر کہے گی تو اللہ فرمائے گا کہ یہ میرے بارے میں ہے اور جب تو اَسْتَغْفِرُ اللہ کہے گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے تجھے معاف کیا۔

☆☆☆☆
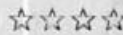
حضرت اُمِّ مطاع بنتِ اَرَت رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق بنو ضداء سے تھا۔ یہ قحطانی قبیلہ کہلان کا ایک بطن تھا اور یمن میں آباد

تھا۔ حضرت اُم مطاعؓ نے ۸ ہجری میں اس وقت اسلام قبول کیا جب ان کے قبیلے کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضری دے کر مدینہ منورہ سے واپس وطن آیا۔[1] چند روز کے بعد وہ اپنے قبیلے کے کچھ اور مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ گئیں اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ وہ وقتاً فوقتاً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتیں اور فیضانِ نبوی ﷺ سے بہرہ یاب ہوتیں۔ بعض اکابر صحابہؓ اور صحابیاتؓ سے بھی انہوں نے کسبِ فیض کیا۔ ان کے شوہر اور ایک فرزند بھی مدینہ منورہ آگئے لیکن باقی اولاد اپنے وطن ہی میں رہی۔ حضرت اُمِ مطاعؓ کی آمدنی محدود تھی لیکن وہ بڑی کشادہ دست تھیں۔ حاجت مندوں کی دل کھول کر اعانت کرتی رہتی تھیں۔ انہوں نے طویل زندگی پائی۔ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں کوفہ چلی گئی تھیں وہیں سے حج کے لیے مکہ معظمہ گئیں۔ میدانِ عرفات میں آخری وقت آ گیا اور وہیں پیکِ اجل کو لبیک کہا۔

(طبقات ابنِ سعد اسلام کی بیٹیاں)

☆☆☆☆

---
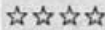
[1] رسول اللہ ﷺ نے ۸ ہجری میں غزوۂ حنین سے واپسی کے بعد ایک دستۂ فوج بنو صداء کی طرف بھیجا۔ اس قبیلے کے ایک معزز آدمی زیادؓ بن حارث پیشتر ازیں اسلام قبول کر چکے تھے ان کو خبر ہوئی تو وہ بسرعتِ تمام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اپنی فوج کو واپس بلا لیجیے میں اپنی قوم کا ضامن ہوں وہ آپؐ کی اطاعت برضا و رغبت قبول کر لے گی۔ حضورؐ نے ان کی استدعا قبول فرمائی اور فوج کو واپس بلا لیا۔ اس کے بعد حضرت زیادؓ پندرہ آدمیوں کا ایک وفد لے کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان سب نے قبولِ اسلام کے علاوہ حضورؐ کی بیعت کی اور وطن واپس جا کر اپنے قبیلے کو بھی دائرۂ اسلام میں لے آئے۔

(طبقات ابنِ سعد)

حضرت اُمِّ ذرّ لیلیٰ رضی اللہ عنہا

جلیل القدر صحابی خلیلِ رسولؐ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہٗ کی زوجہ تھیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہٗ دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں اپنے وطن (نواحِ بدر) سے مکہ آ گئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مُشرّف بہ اسلام ہو گئے پھر وطن واپس جا کر پہلے اپنے اہلِ خانہ (والدہ، اہلیہ، بیٹے اور دو بھائیوں) کو دعوتِ توحید دی۔ ان سب نے اس پر لبیک کہا اس کے بعد انہوں نے اپنے قبیلے (بنو غِفار) کو اسلام کی طرف بلایا۔ اہلِ قبیلہ کی ایک معقول تعداد نے بلا تامّل اسلام قبول کر لیا۔ جو باقی رہ گئے وہ ہجرتِ نبوی کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے (ایک روایت میں ہے کہ نصف قبیلے نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور نصف نے ہجرتِ نبوی کے بعد یہ سعادت حاصل کی) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہٗ طویل عرصے تک اپنے قبیلے کے لوگوں (مسلمانوں) کو اسلام کی تعلیم دیتے رہے جب بدر، اُحد اور خندق کے معرکے گزر چکے تو وہ اپنی اہلیہ اور بیٹے کے ساتھ وطن سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی بتیس شیر دار اونٹنیاں ان کے سپرد کر کے ہدایت فرمائی کہ انہیں ذی قرد (یا ذی قردہ) سے متصل جنگل کی چراگاہ میں چرایا کرو۔ ذی قرد مدینہ منورہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر بنو غطفان کے علاقے کے قریب ایک آبشار یا چشمہ تھا۔ اس سے متّصل (مدینہ منورہ کی جانب) ایک وسیع جنگل (غابہ) تھا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہٗ اُونٹنیوں کو لے کر اُسی جنگل میں مقیم ہو گئے۔ حضرت ابو ذرؓ تو وقت کا بیشتر حصّہ بارگاہِ رسالت میں گزارتے تھے البتہ بیوی اور بیٹے مستقلاً جنگل میں رہ کر اونٹنیوں کی نگہداشت کرتے تھے۔ ۶ھ کے اواخر میں ایک قبائلی غارت گر عیینہ بن حصن فزاری نے چالیس سواروں کے گروہ کے ساتھ غابہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور گلہ بان حضرت ذرؓ بن ابو ذرؓ کو شہید کر کے بیس (بروایتِ دیگر تمام) اونٹنیوں کو ہانک لے چلا اور حضرت اُم ذرّ لیلیٰؓ کو بھی پکڑ کر ساتھ لے لیا۔ اتفاق سے رسولِ اکرم ﷺ کے دو صحابی حضرت سلمہ بن اکوعؓ اور حضرت رباح رضی اللہ عنہما وہاں آ نکلے۔ حضرت سلمہؓ بڑے غیرت مند اور دلاور آدمی تھے۔ ان کو اس واقعہ کا علم ہوا تو حضور ﷺ کی محبت اور غیرتِ دینی نے انہیں شعلۂ جوالہ بنا دیا۔ انہوں نے حضرت رباحؓ کو گھوڑے پر سوار کر کے حضور ﷺ کو اطلاع دینے کے لیے مدینہ کی طرف روانہ کیا اور خود ایک قریبی

ٹیلے پر چڑھ کر یا "یا صباحاہ" کا نعرہ لگایا (یہ نعرہ امداد طلب کرنے کے لیے لگایا جاتا تھا اس کا مطلب ہے اے صبح کی مصیبت) پھر اکیلے ہی لٹیروں کا تعاقب شروع کر دیا۔ درختوں کی آڑ لے کر اُن پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر دی۔ وہ بڑے شجاع اور غضب کے تیر انداز تھے جب تیر چلاتے یا پتھر پھینکتے تو یہ رجز پڑھتے

اَنَا بْنُ الْاَ کْوَعِ وَالْیَوْمُ یَوْمُ الرُّضَّعِ

میں ہوں اکوع کا بیٹا اور یہ چھٹی کا دودھ یاد کرانے کا دن ہے۔

اس اکیلے مردِ مجاہد نے لٹیروں کو ایسا زچ کیا کہ وہ اپنی چوکڑی بھول گئے۔ اتنے میں شہر سے تین شہسوار حضرت محرز بن نضلہ (اخرم اسدیؓ) حضرت ابوقتادہؓ اور حضرت مقدادؓ بن عمرو الاسود بھی ان کی مدد کے لیے آپہنچے۔ اب سب نے مل کر لٹیروں کو اپنے نیزوں کی نوکوں پر رکھ لیا یہاں تک کہ وہ حواس باختہ ہو گئے۔ بدطینت لٹیروں نے اب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی چنانچہ وہ اونٹنیوں اور حضرت لیلیٰؓ کو چھوڑ کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے تاہم مجاہدین نے ان کا تعاقب جاری رکھا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور اندھیرے کی وجہ سے تعاقب جاری رکھنا ممکن نہ رہا۔ اس واقعہ میں حضرت محرز بن نضلہؓ (اخرم اسدی) غارت گروں کے ایک سردار عبدالرحمٰن فزاری کے ہاتھ سے شہید ہو گئے مگر عبدالرحمٰن بھی زندہ بچ کر نہ جا سکا، حضرت ابوقتادہؓ نے اسے جہنم واصل کر دیا۔ حضرت سلمہؓ اور دوسرے مجاہدین واپس آئے تو ذوقرد کے چشمے پر رسولِ اکرم ﷺ کو پانچ سو مسلح جاں نثاروں کے ساتھ رونق افروز پایا۔ آپ ﷺ نے تمام مجاہدین (بالخصوص حضرت سلمہؓ اور حضرت ابوقتادہؓ) کی تحسین فرمائی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہٗ درویش منش بزرگ تھے، مال اسباب جمع کرنے کے سخت خلاف تھے، ساری زندگی فقر و فاقہ میں گزار دی۔ نیک بخت اہلیہ نے بھی ان کا پورا پورا ساتھ دیا اور کبھی ان کو شکایت کا موقع نہ دیا۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہٗ کے عہد خلافت میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہٗ نے اہل و عیال سمیت ربذہ میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ مدینہ منورہ سے دور صحرائے عرب میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ۳۱ ہجری یا ۳۲ ہجری کے ایام حج میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہٗ سخت بیمار ہو گئے یہاں تک کہ ان کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ ربذہ کے تمام لوگ حج

کے لیے مکہ معظمہ چلے گئے تھے اور حضرت ابوذرؓ کے پاس صرف ان کی اہلیہ اور ایک لڑکی موجود تھیں۔ان پر نزع کی کیفیت طاری ہوئی تو حضرت لیلیٰؓ رونے لگیں۔حضرت ابوذرؓ نے نحیف آواز میں پوچھا،روتی کیوں ہو؟

حضرت لیلیٰؓ نے جواب دیا" آپ ایک ویرانے میں دم توڑ رہے ہیں نہ میرے پاس کپڑا ہے کہ آپ کو کفن دے سکوں'نہ میرے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ آپ کی ابدی آرام گاہ تیار کر سکوں"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"سنو! ایک دن ہم چند لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔حضور ﷺ نے فرمایا'تم میں سے ایک شخص صحرا میں وفات پائے گا۔اس کے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت باہر سے آکر شریک ہوگی۔اس وقت جو لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں موجود تھے'وہ سب مختلف شہروں میں وفات پاچکے ہیں۔اب صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں اور یقینا میں ہی رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی کا مصداق بنوں گا۔تم باہر جا کر دیکھو'رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کی کوئی جماعت ضرور آتی ہوگی"۔

حضرت ابوذرؓ کی خواہش کے مطابق حضرت لیلیٰؓ گھر کے قریب ایک ٹیلے پر چڑھ گئیں اور اس انتظار میں بیٹھ گئیں کہ دیکھیں پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔تھوڑی دیر کے بعد اچانک دُور گرد اڑتی نظر آئی۔پھر اس میں سے چند سوار نمودار ہوئے۔جب وہ قریب پہنچے تو حضرت لیلیٰؓ نے انہیں پاس بلا کر کہا:

"بھائیو! قریب ہی ایک مسلمان سفرِ آخرت کی تیاری کر رہا ہے۔اس کے کفن دفن میں میرا ہاتھ بٹاؤ (کیونکہ اس گاؤں کے سب مرد حج کے لیے مکہ معظمہ چلے گئے ہیں)" قافلے والوں نے پوچھا۔وہ کون شخص ہے"

حضرت لیلیٰؓ نے جواب دیا:

"رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابوذر غفاریؓ "

یہ سنتے ہی قافلے والوں کی عجیب حالت ہوگئی۔وہ سخت بے تابی کے عالم میں" ہمارے ماں باپ ان پر قربان ہوں" کہتے ہوئے حضرت ابوذرؓ کی قیام گاہ کی طرف بڑھے۔ادھر حضرت ابوذرؓ نے

اپنی صاجزادی سے فرمایا' جانِ پدر ایک بکری ذبح کر اور گوشت کی ہنڈیا چولھے پر چڑھادے، کچھ مہمان آنے والے ہیں جو میری تجہیز و تکفین کریں گے، جب وہ مجھے دفن کر چکیں تو ان سے کہنا کہ ابوذرؓ نے آپ لوگوں کو اللہ کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ یہ گوشت نہ کھالیں یہاں سے رخصت نہ ہوں۔

جب قافلے والے حضرت ابوذرؓ کے خیمے میں داخل ہوئے تو ان کا دمِ واپسیں تھا۔ انہوں نے اکھڑی ہوئی آواز میں فرمایا' تم کو مبارک ہو کہ تمہارے یہاں پہنچنے کی خبر سالہا سال پہلے رسول اللہ ﷺ نے دے دی تھی۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ مجھے کوئی ایسا شخص نہ کفنائے جو حکومت کا عہدہ دار ہو یا رہ چکا ہو' اتفاق سے اس قافلے میں ایک ایسے انصاری نوجوان موجود تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر کہا۔ اے رسول اللہ ﷺ کے محبوب صحابی! میں نے آج تک حکومت کی ملازمت نہیں کی، میرے پاس دو کپڑے ہیں جن کو میری والدہ نے کاتا بنا ہے اجازت ہو تو ان کو آپ کا کفن بنادوں۔

حضرت ابوذرؓ نے اثبات میں سر ہلایا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن حُسنِ اتفاق سے اس قافلے میں فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ بھی موجود تھے۔ انہوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور پھر سب نے مل کر اس آفتابِ رشد و ہدایت کو سپردِ خاک کر دیا جب اہلِ قافلہ چلنے لگے تو حضرت لیلیٰؓ اور ان کی صاجزادی نے حضرت ابوذرؓ کی وصیت کے مطابق ان کو کھانا کھلا کر رخصت کیا۔

علامہ طبریؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت لیلیٰؓ اور ان کی صاجزادی کو اپنے ساتھ لیا اور مکہ معظمہ پہنچ کر ان کو امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے سپرد کر دیا۔ بروایتِ دیگر حج سے واپسی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں خود ربذہ سے مدینہ منورہ لے گئے اور ہمیشہ ان کی کفالت کرتے رہے۔

حضرت اُم رعلہ قُشَیریہ رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق عرب قبیلے بنو قُشَیر بن کعب سے تھا جو بنو ہوازن کا ایک بطن تھا اور نجد کے اضلاع میں آباد تھا۔ان کو قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔نہایت فصیح اللّسان اور خوش بیان تھیں ۔ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر یوں عرض پیرا ہوئیں۔

السلام علیکَ یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ہم عورتیں گھروں کے اندر رہ کر مردوں کی خدمت،ان کے گھر بار کی حفاظت اور اولاد کی پرورش وتربیت میں مشغول رہتی ہیں جبکہ ہمارے مردوں کو بڑے بڑے لشکروں میں شامل ہونے کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ہمیں (یعنی عورتوں کو) کوئی طریقہ بتایئے جس پر عمل کر کے ہمیں بھی قربِ ایزدی حاصل ہو۔(یعنی جس طرح مردوں کو جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قُرب نصیب ہوتا ہے اسی طرح عورتوں کے لیے قُربِ الٰہی حاصل کرنے کا طریقہ بتایئے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تمہیں چاہیے کہ دن ہو یا رات،اللہ کے ذکر سے کبھی غافل نہ رہو (یعنی راتوں کو اور صبح وشام کے دوران میں اللہ کا ذکر کرتی رہو) آنکھوں کو نیچا رکھو (تاکہ نامحرم کو نہ دیکھ سکو) اور آواز کو آہستہ رکھو۔اس طرح تم ضرور اجروثواب پاؤ گی"

ایک روایت میں ہے کہ جب آفتابِ رسالت اللہ تعالیٰ کی شَفَقِ رحمت میں غروب ہوا تو اُمِ رعلہ کو سخت صدمہ پہنچا انہوں نے حضور ﷺ کے پیارے نواسوں (حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ) کو گود میں اٹھا کر مدینہ منورہ کی گلیوں کا چکر لگایا اور پھر ایک شعر پڑھتے ہوئے ان کو حضرت فاطمہؓ کے گھر کے دروازے پر چھوڑا۔اس شعر کا ترجمہ یہ ہے:

اے فاطمہ کے ہرے بھرے گھر تو نے میرے غم کو برانگیختہ کیا،اللہ تجھے آباد رکھے۔

☆☆☆
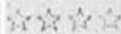
حضرت اُم زُفر رضی اللہ عنہا

حضرت اُم زفرؓ سیاہ رنگ کی ایک دراز قد خاتون تھیں۔ وہ مرگی کی بیماری میں مبتلا تھیں اور وقتاً فوقتاً اس کا دورہ پڑنے پر بے ہوش ہو جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

"یارسول اللہ! میں مرگی کے مرض میں مبتلا ہوں' جب مرگی کا دورہ پڑتا ہے تو میرا بدن کُھل جاتا ہے' آپ میری صحت کے لیے دعا کیجیے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "اگر تم چاہو تو صبر کرو اور تمہیں جنّت مل جائے اور اگر تم چاہو تو میں تمہاری صحت کے لیے دعا کروں" انہوں نے عرض کیا:

"میں صبر کرتی ہوں لیکن دورہ کے وقت میرا بدن کُھل جاتا ہے (یعنی دورے کے وقت ستر قائم نہیں رہتا) آپ دعا فرمائیں کہ میرا بدن نہ کُھلے"

رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ (صحیح بخاری کتاب الطب)

☆☆☆☆

حضرت اُمّ السّائب رضی اللہ عنہا

نام مُلیکہ تھا۔ حضرت سائبؓ بن اقرع ثقفی کی والدہ تھیں۔ وہ عطر بیچ کر اپنی روزی کماتی تھیں۔ ان سے روایت ہے کہ میں عطر فروخت کرنے کے لیے اپنے کمسن بیٹے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا ملیکہ! تجھے مجھ سے کوئی کام ہے؟ میں نے کہا' ہاں یارسول اللہ۔

آپ ﷺ فرمایا' جو کام ہے وہ بتاؤ تاکہ میں اسے پورا کروں۔ میں نے عرض کیا' یارسول اللہ! میرے بیٹے کے لیے دعا فرمایئے آپؐ نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی۔

☆☆☆☆

حضرت اُمُّ المُسیَّب انصاریہ رضی اللہ عنہا

ایک روایت میں ان کا نام اُمِّ السائب آیا ہے۔ انصار کے کسی خاندان سے تعلق تھا۔ حضرتؓ جابر رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اُمِ السائب (اُمُّ المُسیَّب) کے گھر تشریف لے گئے۔ ان پر لرزہ طاری تھا۔ آپؐ نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا،
"یارسول اللہ! بخار کا بھلا نہ ہو اس کی وجہ سے کانپ رہی ہوں"
حضورؐ نے فرمایا' اُمِّ السائب ! بخار کو برا بھلا مت کہو' یہ بنی آدم کی خطاؤں کو یوں زائل کر دیتا ہے جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے زنگ کو۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِّ سعد رضی اللہ عنہا
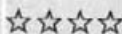
مشہور صحابی حضرت ابو سعید خدریؓ کی والدہ تھیں۔ حضرت اُمِ سعدؓ کے شوہر حضرت مالک بن سنانؓ نے غزوۂ اُحد میں شہادت پائی تو ان پر بڑا کڑا وقت آن پڑا۔ تنگ دستی سے مجبور ہو کر اپنے نوخیز فرزند ابو سعید کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا کہ آپ ﷺ سے کچھ طلب کریں۔ وہ مسجدِ نبوی میں پہنچے تو حضور ﷺ کو اپنے خطبے میں یہ فرماتے سنا کہ جو شخص اللہ سے دولت طلب کرتا ہے' اللہ اسے دولت عطا کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی حضور ﷺ سے کچھ طلب کیے بغیر واپس آ گئے۔
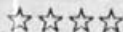
حضرت اُمِّ سنان اسلمیہ رضی اللہ عنہا

ان کا خاندانی تعلق عرب قبیلے "بنو اسلم" سے تھا۔ شجرۂ نسب کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔ ان سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام پر بیعت کی۔ اس دوران میں آپ کی نظر میرے ہاتھوں پر پڑ گئی (ناخن بڑھے ہوئے تھے) حضور ﷺ نے فرمایا:

"کیوں تم خواتین اپنے ناخن نہیں کٹواتیں"

ایک اور روایت میں کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

"یارسول اللہ! مجھے آپ کے پاس آنے میں شرم محسوس ہو رہی تھی مگر ضرورت نے مجھے مجبور کر دیا اس لیے حاضر ہوئی ہوں"

آپ ﷺ نے فرمایا' اگر تو استغنا سے کام لیتی تو تیرے لیے بہتر ہوتا۔

☆☆☆☆
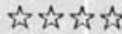
حضرت اُمِّ سنان انصاریہ رضی اللہ عنہا

سیرت نگاروں نے ان کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ صحابیہ انصار کے کسی خاندان سے تھیں۔ نسب نامہ کسی نے بیان نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو انصار کی ایک خاتون اُمِّ سنان" آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے ان سے دورانِ ملاقات میں فرمایا' رمضان کے مہینے میں عمرہ ادا کرنا حج کے یا میری معیت میں حج کے برابر ہے۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِّ سُنْبلہ رضی اللہ عنہا

خاندانی تعلق بنو اسلم سے تھا۔ مدینہ کے نواحی علاقے کی رہنے والی تھیں۔ اس لیے ان کا شمار اہلِ مدینہ میں ہوتا ہے قبول اسلام اور شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئیں۔ ایک دفعہ رسولِ اکرم ﷺ کے خانۂ اقدس میں ازواجِ مطہرات کے پاس آئیں اور ان کو کوئی ہدیہ دینا چاہا لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا' ان کا ہدیہ قبول کر لو' یہ ہماری اہلِ بادیہ سے ہیں اور ہم ان کے اہلِ شہر ہیں (یعنی دیہاتیوں کا لایا ہوا ہدیہ اہلِ شہر کیلیے سوغات کی حیثیت رکھتا ہے) پھر آپ ﷺ نے ان کو ایک وادی عطیہ کے طور پر عنایت فرمائی پھر ان سے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پوتے نے یہ وادی چند اونٹوں کے عوض خرید لی۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ اُمِّ سنبلہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ ہدایا پیش کیے۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِّ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہا

مشہور صحابی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (رئیسِ خزرج) کی والدہ تھیں۔ بعض روایات میں ان کا نام عمرہ بیان کیا گیا ہے۔ اسلام قبول کیا اور شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئیں۔ انہوں نے عہدِ رسالت ہی میں (ایک روایت کے مطابق ۵ ہجری میں) وفات پائی۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میری والدہ فوت ہوگئی ہیں انہوں نے منت مانی تھی مگر اسے پوری نہ کر سکیں اب کیا کیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا 'تم ان کی طرف سے پوری کر دو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھے۔ ان کی غیر حاضری میں ان کی والدہ کا آخری وقت آگیا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا

آپ کوئی وصیت کرنا چاہتی ہیں؟ انہوں نے کہا' وصیت مال کے بارے میں کی جاتی ہے اور مال میرا نہیں بلکہ (میرے فرزند) سعد کا ہے۔ اس کے بعد وہ حضرت سعدؓ کی واپسی سے پہلے ہی وفات پا گئیں۔ جب وہ واپس آئے تو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا' یارسول اللہ ﷺ اگر میں اپنی والدہ کی طرف سے اللہ کی راہ میں کچھ خیرات کروں تو کیا انہیں اس کا فائدہ پہنچے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں اس پر حضرت سعدؓ نے ایک قطعہ زمین (احاطہ) اپنی والدہ کی طرف سے ایک مسکین (مستحق) آدمی کو بطور صدقہ دے دیا ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ 'امِ سعدؓ کی وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور آپ ﷺ کو امِ سعدؓ کی وفات کے بارے میں بتایا گیا تو آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی حالانکہ ان کی وفات کو تقریباً ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ والدہ کے انتقال کے بعد حضرت سعدؓ نے آنحضور کی خدمت یں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں مگر کیا صورت ہو؟ آپؐ نے فرمایا، پانی پلواؤ۔۔ سقایہ آلِ سعد جو مدینہ میں ہے، اسی صدقہ کا نتیجہ ہے۔ (سیر انصارج۔۲۔ بحوالہ مُسندِ احمد جلد۔ ۵ صفحہ ۲۸۵)

حضرت امِ سعدؓ کے نسب کے بارے میں اختلاف ہے ایک روایت میں عمرہ بنتِ سعد بن عمرہ بن زید بن مناۃ بن عدی بن عمرہ ہے (مستغفری) دوسری میں عمرہ بنتِ مسعود بن قیس بن عمرہ بن عدی بن عمرو (ابنِ عبدالبرؒ)

ایک اور روایت میں عمرہ بنتِ سعد بن قیس مذکور ہوا ہے (ابنِ اثیر)

(واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆☆

حضرت اُمّ ضحاک انصاریہ رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق قبیلہ اوس کی شاخ بنو حارث سے تھا۔ مشہور صحابی حضرت حُوَیِّصَہؓ اور حضرت مُحَیِّصَہؓ ان کے بھائی تھے[1] سلسلہ نسب یہ ہے: اُمّ ضحاک بنتِ مسعود بن زید بن کعب بن عامر بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

ان کو غزوۂ خیبر سے پہلے قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ وہ ان خواتین میں شامل تھیں جن کو غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کی معیت نصیب ہوئی۔ حضور ﷺ نے خیبر کے مالِ غنیمت سے ان کو مردوں کے برابر حصہ دیا (کیونکہ انہوں نے دورانِ جنگ میں قابلِ قدر خدمات انجام دی تھیں مثلاً مجاہدوں کے لیے کھانا پکانا، زخمیوں کی تیمارداری کرنا، میدان جنگ سے تیر اٹھا کر لانا وغیرہ وغیرہ) ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ہمسائی اپنی ہمسائی کو ذلیل (حقیر) نہ سمجھے خواہ وہ اسے بکری کا کھر ہی بھیجے (بطور ہدیہ)

بعض سیرت نگاروں نے ان کا نام ضحاک لکھا ہے:۔

☆☆☆☆

---
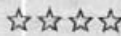
[1] حضرت حُوَیِّصَہؓ اور حضرت مُحَیِّصَہؓ دونوں کو قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ حُوَیِّصَہؓ عمر میں بڑے تھے لیکن مُحَیِّصَہؓ ان سے زیادہ عقلمند اور ہوشیار تھے چنانچہ ہجرتِ نبوی ﷺ سے پہلے شرف اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ حُوَیِّصَہؓ چند سال بعد اسلام لائے اس کی تقریب یوں ہوئی کہ حضرت مُحَیِّصَہؓ نے ایک دشمنِ اسلام یہودی ابنِ سینہ کو قتل کر ڈالا۔ وہ حُوَیِّصَہؓ کا دوست تھا۔ اس کے قتل پر سخت غضب ناک ہوئے اور بھائی سے باز پرس کی انہوں نے کہا، جس ہستی نے مجھے اس کے قتل کا حکم دیا وہ اگر تمہارے قتل کا حکم دے تو تم کو بھی قتل کر دوں۔ اللہ کی قدرت بھائی کے اس جواب نے حُوَیِّصَہؓ کو اسلام کی طرف راغب کر دیا اور وہ انہی کے ہاتھ پر اسلام لے آئے۔ حضرت مُحَیِّصَہؓ نے عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے طویل زندگی پائی اور ۴۳ ہجری میں امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت انتقال کیا۔ حضرت حُوَیِّصَہؓ بدر کے سوا عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ان کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سیر خاموش ہیں۔ (اُسد الغابہ۔ سیر انصار ج۔۲)

حضرت اُمِّ طُلَیق رضی اللہ عنہا

حضرت ابوطلیقؓ کی زوجہ تھیں۔اہلِ سیَر نے دونوں میاں بیوی کے نام ونسب کا ذکر نہیں کیا البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ دونوں کو قبول اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت ابوطلیقؓ سے روایت ہے کہ میرے پاس ایک اونٹ تھا اور ایک اونٹنی۔میری زوجہ اُمِ طلیقؓ نے مجھ سے کہا کہ مجھے اپنا اونٹ دو تا کہ میں حج کر آؤں۔میں نے کہا' اونٹ کو تو میں نے فی سبیل اللہ روک رکھا ہے۔کیا تو یہ حج فی سبیل اللہ ادا کرے گی؟

اس نے کہا' اگر تو مجھے اونٹ دے گا تو میں یہ حج فی سبیل اللہ ادا کروں گی۔میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا' وہ ٹھیک کہتی ہے اگر تو اسے اونٹ دے گا تو تیرا یہ عمل فی سبیل اللہ شمار ہوگا۔اس کے بعد حضرت اُمِ طلیقؓ نے حضورؐ سے پوچھا' یارسول اللہ! کون سی عبادت حج کے برابر ہو سکتی ہے۔آپ ﷺ فرمایا' ماہِ رمضان میں عمرہ کرنا۔

☆☆☆☆
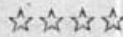
حضرت اُمِّ عبداللہ بنتِ اوس رضی اللہ عنہا

انصار کے معزز خاندان بنونجار سے تھیں۔شجرۂ نسب یہ ہے۔

اُمِ عبداللہؓ بنتِ اُوس بن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

مشہور صحابی حضرت شدادؓ بن اُوس ان کے بھائی تھے۔حضرت اُمِ عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو افطار کے وقت دودھ بھیجا۔اُن ایام میں شدید گرمی پڑ رہی تھی اور دن بہت لمبے تھے۔جس آدمی کے ذریعے میں نے دودھ بھیجا حضور ﷺ نے یہ فرما کر اسے واپس کر دیا کہ اُمِ عبداللہ سے پوچھو کہ اس نے یہ دودھ کہاں سے لیا۔میں نے کہلا بھیجا کہ دودھ میری بکری کا ہے۔حضور ﷺ نے دودھ لے جانے والے کو پھر واپس کر دیا اور فرمایا'

اُمِ عبداللہ سے پوچھ کر بتاؤ کہ بکری کہاں سے آئی تھی۔ میں نے کہلا بھیجا کہ میں نے اپنے مال سے خریدی تھی۔ جب آپ ﷺ کو اطمینان ہو گیا تو آپؐ نے دودھ لے لیا۔ دوسرے دن میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا' یا رسول اللہ ﷺ! کل کی (شدید) گرمی اور دن کے طویل ہونے کی وجہ سے میں نے دودھ بھیجا تھا لیکن آپ کے سوال و جواب سے میں پریشان ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا' انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ پاک چیز کھائیں اور نیک عمل کریں۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِّ عبداللہ رضی اللہ عنہا

جلیل القدر صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں [1]

ایک روایت کے مطابق حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ہجرتِ نبوی ﷺ سے پہلے اپنے وطن یمن سے مکہ آ کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ پھر وطن واپس جا کر اپنی اہلیہ کے سامنے اسلام پیش کیا تو وہ بھی شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئیں۔ ۷ ہجری کے اوائل میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ پچاس دوسرے اشعریوں کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ اہلِ سیَر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت ابو موسیٰؓ کے اہلِ خاندان ان پچاس اشعریوں میں شامل تھے یا وہ ان کو بعد میں مدینہ لائے۔ بہر صورت ان پچاس اشعریوں اور حضرت ابو موسیٰؓ کی اہلیہ اور والدہ کو بھی قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہو گیا۔

---

[1] سیدنا حضرت ابو موسیٰؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا اصل نام عبداللہ بن قیس تھا۔ مدینہ آنے کے بعد وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ فیضانِ نبوی ﷺ سے بہرہ یاب ہونے میں گزارتے تھے۔ رمضان ۸ ہجری میں وہ اُن دس ہزار سرفروشوں میں شامل تھے جن کو فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد غزوہ حنین میں مجاہدانہ شریک ہوئے پھر اوطاس میں جمع ہونے والے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

حضرت اُمِ عبداللہ کو رسول اللہ ﷺ سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ حضرت ابو موسیٰؓ جب کبھی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر گھر واپس آتے تو وہ ان سے پوچھا کرتی تھیں، آج اللہ تعالیٰ نے کیا نازل فرمایا، یا آج رسول اللہ ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا۔ شوہرِ نامدار جو کچھ بتاتے وہ اسے حرزِ جان بنا لیتیں۔

ایک دن حضرت اُمِ عبداللہؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ سے پوچھا 'وہ کون سے تین آدمی ہیں جن کو ان کے عمل کا دوگنا اجر ہوگا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان تین آدمیوں کو دوگنا اجر ملے گا 'ایک وہ اہلِ کتاب (نصرانی یا یہودی) جس نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہو اور آپؐ پر ایمان لا کر آپ کی تائید اور پیروی کی ہو۔ دوسرا وہ مملوک غلام جس نے اپنے مالک کا اور اللہ کا حق ادا کیا ہو۔ تیسرا وہ آدمی جس کی ایک کنیز ہو اور اس نے اسے عمدہ کھانا کھلایا ہو۔ اُس کی بہترین تربیت کی ہو، اچھی تعلیم دی ہو اور پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لی ہو۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

مشرکین کی سرکوبی کی۔ غزوۂ تبوک میں بھی آنحضور ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ ۹ ہجری میں حضور ﷺ نے ان کو یمن کے بعض علاقوں کا عامل مقرر فرمایا جہاں وہ تھوڑے سے وقفے کے سوا خلافتِ فاروقی کی ابتدا تک اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وہ عراق عرب کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے اور مجوسی ایرانیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے انہیں بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔ وہاں سے انہوں نے خوزستان پر لشکر کشی کی اور متعدد خونریز معرکوں کے بعد اس کے سارے شہروں کو مسخر کر لیا۔ ۲۲ھ میں انہوں نے اصفہان پر پرچم اسلام بلند کیا۔ حضرت عثمانِ غنیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں ان کو ۲۹ھ میں بصرہ کی گورنری سے سبکدوش کر دیا مگر ۳۴ھ میں انہیں کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلاف کا آغاز ہوا تو وہ اپنا عہدہ چھوڑ کر کسی گاؤں میں گوشہ نشین ہو گئے ۳۷ھ میں انہوں نے ان دونوں بزرگوں کے درمیان اختلافات ختم کرنے کے لیے حکم کا فرض انجام دیا۔ دوسرے حکم حضرت عمروؓ بن عاص تھے لیکن افسوس کہ اس تحکیم کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے ۴۴ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ علم و فضل کے اعتبار سے وہ بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ ان سے ۳۶۰ احادیث مروی ہیں۔

پھر حضرت اُمِ عبداللہؓ نے پوچھا وہ کون سے تین آدمی ہوں گے جو قیامت کے دن عرش کے سائے تلے محفوظ رہ کر باتیں کر رہے ہوں گے جبکہ باقی لوگ حساب میں الجھے ہوں گے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے جواب دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تین آدمی (یعنی تین قسم کے لوگ) قیامت کے دن عرش کے سائے تلے محفوظ رہ کر باتیں کر رہے ہوں گے جب کہ باقی تمام لوگوں کا حساب ہو رہا ہوگا (یعنی وہ اپنے اعمال کا حساب دے رہے ہوں گے) ایک تو وہ آدمی جس نے اللہ کے معاملے میں کسی لومۃ لائم (برا بھلا کہنے یا ملامت کرنے والے) کی پروانہ کی ہو اور دوسرا وہ جس نے اپنا ہاتھ کسی ایسی شے کی طرف نہ بڑھایا ہو جو اس کے لئے حلال نہ ہو تیسرا وہ آدمی جس نے کسی ایسی شے پر نظر نہ ڈالی ہو جو اللہ نے اس کے لیے حرام کی ہو۔

ایک دن حضرت اُمِ عبداللہؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ سے تلاوت قرآن مجید کی فضیلت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کسی نے کتاب اللہ کی ایک آیت تلاوت کی تو قیامت کے دن وہ اس کے لئے نور بن جائے گی اور جس کسی نے کتاب اللہ کی ایک آیت غور سے سنی تو اس کے لئے دوگنی نیکی لکھی جائے گی۔

ایک دفعہ حضرت اُمِ عبداللہؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ سے پوچھا کہ جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی کون سی ہوتی ہے تو انہوں نے اپنی اہلیہ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا:

"جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک تلاش کرو"

ایک دفعہ حضرت اُمِ عبداللہؓ بیمار ہو گئیں انہوں نے حضرت ابوموسیٰؓ کو اپنی تکلیف سے آگاہ کیا تو انہوں نے حضرت اُمِ عبداللہ کو بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ مریض کی کراہیں لکھی جاتی ہیں۔ اگر وہ صبر کرنے والا ہو تو اس کی کراہیں نیکیاں شمار ہوں گی اور اگر اس کی کراہیں بیزاری کی وجہ سے ہوئیں تو وہ بے صبرا سمجھا جائے گا اور اسے کوئی اجر نہ ملے گا۔

اس موقع پر انہوں نے ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی سنایا:

"کوئی مسلمان جب کسی جسمانی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اعمالنامہ (نیکیاں اور بدیاں) لکھنے والے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ دن اور رات میں میرا بندہ جو بھی نیک عمل کرتا تھا وہ لکھو جب تک کہ میری بندش میں جکڑا ہوا ہے"

حضرت اُمِ عبداللہؓ نے جب حضرت ابوموسٰیؓ کو بتایا کہ بیماری نے ان کو اس حال میں پہنچا دیا ہے کہ نہ وہ مسجد جا سکتی ہیں اور نہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتی ہیں تو حضرت ابوموسٰیؓ نے ان سے فرمایا کہ جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتوں کو بھیجتا ہے تاکہ وہ یہ دیکھیں کہ بیمار بندہ اپنی عیادت کے لیے آنے والے لوگوں سے کیا کہتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تو فرشتے اس کا شکر اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے مجھے اپنے بندے کی قسم اگر میرے حکم سے یہ فوت ہو گیا تو میں اسے جنت میں داخل کروں گا اور اگر میں نے اسے شفا دی تو میں اس کے گوشت اور خون سے بہتر گوشت اور خون عطا کروں گا اور اس کے سارے گناہ معاف کر دوں گا۔

۴۴ھ میں حضرت ابوموسٰی اشعریؓ نے وفات پائی تو حضرت اُمِ عبداللہؓ حیات تھیں اور حضرت ابوموسٰیؓ کا سر اُن کی گود میں تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ وفات سے پہلے حضرت ابوموسٰیؓ بے ہوش ہو گئے تو حضرت اُمِ عبداللہؓ نے بآوازِ بلند رونا شروع کر دیا۔ پھر جب حضرت ابوموسٰیؓ کو ہوش آیا تو انہوں نے اُمِ عبداللہؓ سے کہا، کیا تجھ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اس شخص سے بری الذمہ ہوں جو مصیبت کے وقت سر کے بال منڈوائے، چلا چلا کر روئے اور کپڑے پھاڑے۔۔۔ یہ سن کر اُمِ عبداللہؓ خاموش ہو گئیں اس کے بعد ابوموسیٰؓ فوت ہو گئے۔

(صحیح مسلم، طبقات ابنِ سعد، اُسد الغابہ)

(حضرت ابوموسٰی اشعریؓ کے تفصیلی وقائع حیات راقم الحروف کی تالیف "یہ تیرے پُراسرار بندے" میں پڑھیے۔ طالب الہاشمی)

☆☆☆☆
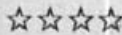
حضرت ظُبَیّہ بنتِ وہب رضی اللہ عنہا

ایک روایت میں ان کا نام طفیہ بیان کیا گیا ہے۔ خاندانی تعلق بنوعک سے تھا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی والدہ تھیں اپنے فرزند کی ترغیب سے اسلام قبول کیا اور پھر اپنے وطن سے ہجرت کر کے شرفِ صحابیت حاصل کیا۔ انہوں نے مدینہ منورہ میں وفات پائی اور یہیں ان کی تدفین ہوئی۔

☆☆☆☆
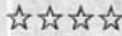
حضرت اُمِ مُطاع رضی اللہ عنہا

مدینہ منورہ کے نواح میں بُودوباش رکھتی تھیں اور عرب قبیلے بنو اسلم سے تعلق رکھتی تھیں اس لیے انہیں اسلمیہ کہا گیا ہے۔ اہل سیرَ میں کسی نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا البتہ ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت اُمِ مطاعؓ ہجرتِ نبوی کے بعد مدینہ آئیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور آپؐ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ شعر و ادب میں بھی درک رکھتی تھیں اور نہایت کشادہ دست تھیں۔ حاجت مندوں اور مساکین کی دل کھول کر مدد کرتی رہتی تھیں اور کسی سائل کو مایوس نہیں کرتی تھیں۔

غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ) میں حضرت اُمِ مطاعؓ بعض دوسری خواتین کے ساتھ اسلامی لشکر کے ساتھ ہو گئیں (ان تمام خواتین کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے ساتھ جانے کی اجازت بطورِ خاص دی) ان خواتین نے جنگ کے دوران میں مجاہدین کو پانی پلانے، میدانِ جنگ سے تیر اُٹھانے، زخمیوں کی مرہم پٹی اور نگہداشت جیسی خدمات انجام دیں۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مالِ غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔

خود حضرت اُمِ مطاعؓ سے روایت ہے کہ میں غزوۂ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلامی لشکر میں شامل تھی۔ مجھے مالِ غنیمت سے ایک مرد کے برابر حصہ دیا گیا تھا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے ''الاستیعاب'' میں اس روایت پر استدراک کیا ہے اور کہا ہے کہ خیبر میں حضرت اُمِ مطاعؓ کے موجود ہونے میں تو کوئی شک نہیں لیکن ان کا مرد کے برابر حصہ پانا مشکوک ہے۔

حضرت اُمِ مطاعؓ نے حضرت عثمانِ غنیؓ کے دورِ خلافت کے اواخر میں وفات پائی۔ جنازے میں

بہت سے اکابر صحابہ شریک ہوئے اور ان کو جنت البقیع میں سپردِ خاک کیا۔ ان سے کچھ احادیث مروی ہیں۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِّ طارق رضی اللہ عنہا

جلیل القدر صحابی سید الخزرج حضرت سعد بن عبادہؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے کئی بار (سلام کرکے) اندر آنے کی اجازت چاہی مگر ہم نے کوئی جواب نہ دیا۔ آپؐ واپس چلے اس پر سعدؓ نے کہا، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ سلام عرض کرو اور آپ کو بتاؤ کہ ہم اس لیے خاموش رہے کہ آپ ﷺ بار بار ہمیں بلائیں (ہم پر سلام بھیجیں)

ایک روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی پیداوار سے چالیس وسق اُمِ طارق کو عطا فرمائے تھے۔ اہلِ سِیَر نے یہ تصریح نہیں کی کہ یہ حضرت سعدؓ بن عبادہ کی آزاد کردہ اُمِ طارقؓ تھیں یا کوئی اور۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِّ فروہ انصاریہ رضی اللہ عنہا

انصار کے کسی خاندان سے تھیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، یا رسول اللہ! کونسا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا! ”اوّل وقت میں نماز ادا کرنا“

☆☆☆☆

حضرت اُمِ کبشہ رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق مشہور عرب قبیلے بنو قضاعہ کی شاخ بنی عذرہ سے تھا۔ قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل کرنے کے بعد انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلامی لشکر کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی مگر آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرا مقصد دشمن کے خلاف لڑائی میں حصہ لینا نہیں ہے بلکہ میری تمنا ہے کہ (میدانِ جنگ میں) زخمیوں کی مرہم پٹی کروں، مریضوں کی تیمارداری کروں اور پیاسوں کو پانی پلاؤں۔۔ آپ ﷺ نے فرمایا، "اگر اس سال قحط نہ ہوتا اور میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے روانہ ہوتا تو تجھے اجازت دے دیتا۔"

☆☆☆☆

حضرت اُمِ عبدالحمید رضی اللہ عنہا

مشہور صحابی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں[1]۔ ان سے روایت ہے کہ رافع بن خدیج غزوۂ خیبر بروایتِ دیگر غزوۂ اُحد میں ایک تیر سے زخمی ہو گئے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ حضور میرے سینے

---

1. ابو عبداللہ رافع بن خدیج انصاری رضی اللہ عنہ کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے ان کا تعلق قبیلہ اُوس سے تھا۔ ہجرتِ نبوی کے وقت صغیر السن تھے لیکن اپنے چچا حضرت ظہیرؓ اور حضرت مظہرؓ کے ساتھ شرف اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ غزوۂ بدر کے وقت عمر پندرہ سال سے کم تھی اس لیے لڑائی میں شریک نہ ہو سکے اس کے بعد غزوۂ اُحد، غزوۂ احزاب اور عہدِ رسالت کے اکثر معرکوں میں شریک رہے۔ بعض مورخین نے ان کا سال وفات ۷۳ھ لکھا ہے۔ اس حساب سے انہوں نے زندگی کی ۸۶۔۸۷ بہاریں دیکھیں۔ ان سے ۷۸ احادیث مروی ہیں۔ امر بالمعروف اور اطاعت رسول ان کی زندگی کے نہایت روشن پہلو ہیں۔

(صحیح بخاری، مسندِ احمد، اُسد الغابہ، سیر انصار)

سے اپنے دست مبارک سے تیر نکال دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''صرف تیر ہی نکالوں یا روئی بھی اگر چاہو تو تیر نکال لیتا ہوں اور روئی کو رہنے دیتا ہوں قیامت کے دن میں شہادت دوں گا کہ تم شہید ہو''

حضرت رافعؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے تیر اُن کے سینے سے کھینچ کر نکال دیا۔ ان کا زخم مندمل ہو گیا اور انہوں نے طویل زندگی پائی۔ امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں یہ زخم عود کر آیا اور اسی کے صدمے سے انہوں نے وفات پائی۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِّ عُمَیس بنتِ مَسلمہ رضی اللہ عنہا

یہ بھی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہُ کی زوجہ تھیں۔ ان کا تعلق انصار کے خاندان اوس سے تھا مسلمہ بن خالد (بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس) کی صاحبزادی تھیں۔ مشہور صحابی محمودؓ (شہیدِ خیبر) اور محمدؓ بن مَسلمہ ان کے بھائی تھے۔ علامہ ابنِ اثیر جزریؒ کا بیان ہے کہ قرآنِ حکیم کی یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا۔

(سورۂ نساء: ۱۲۸)

ترجمہ: جب کسی عورت کو اپنے شوہر سے بدسلوکی یا بے رُخی کا خطرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر میاں بیوی (کچھ حقوق کی کمی بیشی پر) آپس میں صلح کر لیں۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِ عصمہ عوصِیّہ رضی اللہ عنہا

کتب حدیث وسیرَ میں ان کا ذکر ''اُمِ عصمۃِ العوصِیۃ'' کے نام سے کیا گیا ہے۔ حسب ونسب بیان نہیں کیا گیا۔ اُن سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو جو فرشتہ اس کے گناہ لکھنے پر مقرر ہے وہ اس گناہ کو لکھنے سے تین گھڑی یعنی کچھ دیر تک رُک جاتا ہے۔ اس دوران میں اگر وہ اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی مانگ لیتا ہے (یعنی سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے) تو یہ گناہ قیامت کے دن اس کے خلاف پیش نہیں کیا جائے گا اور نہ قیامت کے دن (اس گناہ پر) اسے عذاب دیا جائے گا۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِ کُلثُوم بنتِ ابی سلمہ رضی اللہ عنہا

حضرت اُمِ کلثومؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ تھیں۔ وہ اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی کی صُلب سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے:

اُمِ کلثوم بنتِ ابی سلمہؓ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشی

حضرت اُمِ سلمہؓ حضرت ابوسلمہؓ کی وفات کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں تو ابوسلمہؓ سے ان کے بچے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں آ گئے ان میں حضرت اُمِ کلثوم بھی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ ان کی پرورش اور تربیت کی۔ ان سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری والدہ نے نکاح کیا تو آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ میں نے نجاشی (شاہ حبشہ) کو کچھ اشیاء بطور ہدیہ روانہ کی تھیں چونکہ نجاشی وفات پا گیا ہے اس لیے جلد ہی وہ اشیا واپس آ جائیں گی، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک حلہ تھا اور کچھ کستوری تھی جب وہ ہدیہ واپس آ جائے گا تو میں تمہیں دے دوں گا۔۔۔ ہدیہ واپس آ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج کو ایک ایک اوقیہ کستوری مرحمت فرمائی۔ حلہ اور باقی ماندہ کستوری مجھے عطا فرما دی۔

حضرت اُمِ قیس بنتِ مِحصن رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق بنو اسد بن خزیمہ سے تھا سلسلہ نسب یہ ہے:

اُمِ قیسؓ بنتِ مِحصن بن حرثان بن قیس بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

ان کا خاندان مکّہ میں بنو عبدِ شمس (بنو امیہ) کا حلیف تھا۔ مشہور صحابی حضرت عکاشہ بن مِحصن اور عمرو بن مِحصنؓ ان کے بھائی تھے۔ تینوں بہن بھائیوں نے ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے مکّے میں اسلام قبول کیا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ حق کو یثرب (مدینہ منورہ) کی طرف ہجرت کرنے کا اِذن دیا تو حضرت اُمِ قیس بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ ہجرت کر کے یثرب پہنچ گئیں۔ ان سے روایت ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو جو ابھی روٹی نہیں کھاتا تھا (یعنی شیر خوار تھا) ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس نے آپؐ پر پیشاب کر دیا۔ آپ ﷺ نے پانی طلب فرمایا اور کپڑے پر پانی چھڑک دیا (یعنی جو جگہ پیشاب سے آلودہ ہوئی تھی اس پر پانی چھڑک دیا)

ایک روایت میں ہے کہ جب اُمِ قیسؓ اپنے بچے کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے بچے کے گلے میں کوئی گندی چیز باندھ رکھی تھی۔ اسے دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم لوگ اپنے بیٹوں کے گلے میں غلاظت باندھ کر انہیں کیوں ذلیل کرتے ہو تمہیں چاہیے کہ عودِ ہندی استعمال کرو کہ اس میں سات بیماریوں کی شفا ہے جن میں ایک نمونیہ ہے۔ (اسد الغابہ)

مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت اس طرح بیان کی گئی ہے:

اُمِ قیسؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، حلق کی بیماری میں تم اپنے بچوں کے حلق کو انگلی سے کیوں دباتی ہو، تم عودِ ہندی سے ان کا علاج کرو۔ عودِ ہندی میں سات بیماریوں کی شفا ہے جن میں ایک ذات الجنب (نمونیہ) ہے۔ بچوں کے حلق کی بیماری میں عودِ ہندی کو ناک میں ٹپکایا جائے اور ذات الجنب کی بیماری میں منہ کے اندر ٹپکایا جائے۔ (مشکوٰۃ شریف جلد دوم کتاب الطب والرّقی) حضرت اُمِ قیسؓ سے کل ۲۴ احادیث مروی ہیں۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِّ مالک انصاریہ رضی اللہ عنہا

انصار کے کسی خاندان سے تھیں ۔ (اہل سیر نے اس کی وضاحت نہیں کی) ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال درجے کی عقیدت اور محبت تھی ۔ ان سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مجھے بخار ہو گیا اور میں اس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ بخار سے میرے دونوں جبڑے لرز رہے تھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، اُمِ مالک! تجھے کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا، اللہ اسے برباد کرے مجھے بخار ہو گیا ہے ۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اسے برا بھلا مت کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان تکالیف سے بندے کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے خشک پتے جھڑ جاتے ہیں ۔

ایک روایت میں کہتی ہیں کہ میں گھی کی ایک کپی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ یہ گھی آپ کو بطور ہدیہ پیش کروں ۔ آپؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ کپی لے لو ۔ انہوں نے کپی لے کر اس میں سے گھی نچوڑ لیا اور کپی مجھے واپس دے دی ۔ میں نے (گھر پہنچ کر) دیکھا کہ کپی گھی سے لبالب بھری ہوئی تھی ۔ میں لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، یارسول اللہ! میرے ساتھ عجیب واقعہ پیش آیا ہے ۔

آپ ﷺ نے پوچھا، وہ کیا؟

میں نے عرض کیا، میرا ہدیہ لوٹا دیا گیا ہے (حالانکہ آپ نے بلالؓ کو ہدایت فرمائی تھی کہ اسے لے لے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! واللہ میں نے کپی سے گھی اس طرح نچوڑا تھا کہ خود مجھے شرم آگئی تھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اُمِ مالک! تمہیں مبارک ہو تمہارا ہدیہ مقبول ہوا اور تمہیں فوراً ہی اس کا بدلہ مل گیا"

پھر فرمایا:

"تم ہر نماز میں دس بار سُبحَانَ اللہ، دس بار، اَلحَمدُ لِلّٰہ اور دس بار اَللّٰہُ اکبر پڑھ لیا کرو"

☆☆☆☆
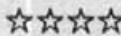
حضرت اُمِّ معقل رضی اللہ عنہا

ان کے صحابیہ ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن نسب کے بارے میں سخت اختلاف ہے۔ کسی نے لکھا ہے کہ وہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھیں بعض کہتے ہیں کہ وہ بنو اشجع سے تھیں اور کچھ کا خیال ہے کہ وہ انصار مدینہ سے تھیں۔ بہر صورت نہایت صالحہ اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ ان کے شوہر ابو معقلؓ کے خاندان کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے ان کو انصاری لکھا ہے اور بعض نے اسدی قرار دیا ہے۔

سنہ ۱۰ ھ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو حضرت ابو معقلؓ بھی حضور ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ وہ حج کر کے واپس آئے تو اُمِ معقلؓ نے ان سے کہا۔۔۔ تم جانتے ہو کہ مجھ پر ایک حج فرض ہے لیکن اب میرے لیے حج کرنا دشوار ہو گیا ہے اب دونوں میاں بیوی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت اُمِ معقلؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! مجھ پر ایک حج فرض ہے اور ابو معقلؓ کے پاس ایک اونٹ ہے۔ انہوں نے بات ختم کی تو حضرت ابو معقلؓ نے کہا، یارسول اللہ! یہ سچ کہہ رہی ہے۔ میں اس اونٹ کو اللہ کی راہ میں وقف کرتا ہوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا، اُمّ معقل! تم اس اونٹ پر سوار ہو کر حج کر سکتی ہو۔ اُمِ معقلؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں بوڑھی ہو گئی ہوں اور اکثر بیمار رہتی ہوں کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے کرنے سے حج ادا کرنے کی میری مَنّت پوری ہو جائے۔

حضور ﷺ نے فرمایا، رمضان میں عمرہ کرنے کا ثواب حج کے برابر ہے۔

ایک روایت میں یہ واقعہ ایک دوسری صورت میں بیان کیا گیا ہے وہ اس طرح کہ حضرت ابو معقلؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یارسول اللہ! (میری اہلیہ) اُمِ معقل نے آپ کے ساتھ حج کرنے کی مَنّت مانی تھی مگر وہ ایسا نہ کر سکی، اب وہ کیا کرے"

حضور ﷺ نے فرمایا: "رمضان میں عمرہ ادا کرے"

پھر انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے پاس ایک اونٹ ہے جسے میں نے اللہ

کے نام پر روک رکھا ہے۔ کیا وہ اس پر سوار ہو کر حج کے لئے جا سکتی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں وہ ایسا کر سکتی ہے۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت اُمِ معقلؓ نے رمضان میں عمرہ ادا کر کے اپنی منّت پوری کر لی۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِّ مغیرہ رضی اللہ عنہا

خاندانی تعلق بنو ہاشم سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

اُمِّ مغیرہؓ بنتِ نوفل بن حارث بن عبد المطّلب بن ہاشم

اُمِ مغیرہؓ کے والد نوفلؓ بن حارث، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے اس نسبت سے اُمِّ مغیرہ حضور ﷺ کی بھتیجی ہوتی تھیں۔ حضرت نوفلؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا تھا کہ آپ جہاں چاہیں اُمِّ مغیرہؓ کی شادی کر دیں۔ آپ ﷺ نے اُمِ مغیرہؓ کی شادی تمیم داریؓ سے کر دی۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ تمیم داریؓ شام سے چند قندیلیں اور تیل لے کر مدینے آئے [1]۔ جس شب کو وہ مدینہ منورہ پہنچے وہ جمعہ کی رات تھی انہوں نے اپنے خادم ابو البراءؓ کو حکم دیا کہ قندیلوں میں تیل ڈال کر مسجدِ نبوی میں لٹکا دے۔ ابو البراءؓ نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔ سورج غروب ہوا تو قندیلیں روشن کر دی گئیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو قندیلوں کی روشنی نے مسجد کو بقعہ نور بنا رکھا تھا۔ آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور لوگوں سے پوچھا کہ مسجد میں روشنی کرنے کا اہتمام کس نے کیا ہے۔ لوگوں نے تمیم داری کا نام لیا۔ آپ ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

---

[1] حضرت تمیم داریؓ شام کے رہنے والے تھے اور قبول اسلام سے پہلے عیسائی تھے۔ ان کا نسبی تعلق قبیلہ لخم سے تھا۔ ۹ھ میں اپنے بھائی نعیمؓ کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام کے بعد مدینہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

"تو نے اسلامی عبادت گاہ کو مُنوّر کیا اللہ تعالیٰ تیری دنیا اور آخرت کو مُنوّر فرمائے، جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو اسے تیرے ساتھ بیاہ دیتا"

اس موقع پر حضرت نوفل بن حارثؓ آگے بڑھے اور عرض کیا:

یارسول اللہ! اُمِ مغیرہ نام کی میری ایک بیٹی ہے آپ جس سے چاہیں اس کی شادی کر دیں"

حُضُور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت اُمِ مغیرہؓ کا نکاح حضرت تمیم داریؓ سے کر دیا۔

☆☆☆☆
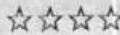
(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

منورہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے مسجدِ نبوی میں روشنی کرنے کا خاص اہتمام کیا۔ اس سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ حضرت عثمانِ غنیؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی باہمی آویزش نے زور پکڑا تو وہ دل برداشتہ ہو کر مدینہ منورہ سے شام چلے گئے۔ وہاں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور اخیر عمر تک درویشانہ اور زاہدانہ زندگی گزاری۔ بقول حافظ ابنِ حجرؒ انہوں نے ۴۰ھ میں وفات پائی۔ ان سے بارہ حدیثیں مروی ہیں۔ نہایت عابد و زاہد تھے اور نیکی کے کاموں میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے ان کو "خیر المدینہ" کا لقب دیا تھا۔

(طبقات ابن سعد۔ اُسدُ الغابہ)

حضرت اُمِّ مُبَشِّر بنتِ براء رضی اللہ عنہا

جلیل القدر صحابی حضرت براء بن معرور انصاری رضی اللہ عنہٗ کی صاحبزادی تھیں [1]۔ نسب نامہ یہ ہے: اُمِ مبشرؓ بنتِ براءؓ بن معرور بن صخر بن سابق بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ خزرجی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد عقیدت مند اور نہایت صالحہ خاتون تھیں۔ ان سے کئی احادیث مروی ہیں جن میں سے دو یہ ہیں:

۱۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا، کیا تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر آدمی کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! ضرور بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، جو آدمی چند بکریاں رکھتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے، نماز قائم کرتا ہے اور بُرے لوگوں سے دور رہتا ہے"

۲۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت (اُمُ المومنین) حفصہؓ کے گھر میں یہ فرماتے سنا کہ جو لوگ غزوۂ بدر اور بیعتِ رضوان میں شریک تھے ان میں کوئی بھی آگ میں داخل نہیں ہوگا۔ اس پر اُمُ المومنینؓ نے کہا، یارسول اللہ! قرآن میں تو فرمایا گیا ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ وَارِدُهَا آپ ﷺ نے فرمایا! اس کا مطلب یہ ہے کہ دروازے تک تو سب کو جانا پڑے گا اور اس کے بعد اللہ سے ڈرنے والے نجات پائیں گے۔"

---

[1] ابو بشر براء بن معرور رضی اللہ عنہٗ قبیلہ خزرج کے خاندان بنو سلمہ سے تھے۔ بیعت عقبۂ کبیرہ (۱۳ھ) سے پہلے اسلام لائے اس لیے انصار کے سابقین اولین میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنے قبیلے کے رئیس اور سردار تھے۔ عقبۂ کبیرہ کی بیعت کے بعد بنو سلمہ کے نقیب بنائے گئے تھے۔ افسوس کہ بیعت (ذی الحجہ ۱۳ھ نبوت) کے دو ماہ بعد صفر ۱۴ نبوت میں قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے۔ وفات سے پہلے وصیت کی کہ مجھ کو قبلہ رخ رکھنا اور میرا ایک تہائی مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دینا، جس مصرف میں چاہیں لگائیں۔ ایک ماہ بعد حضور ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو حضرت براءؓ کی قبر پر جا کر چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھی۔ ایک صاحبزادے کا نام بشر تھا انہی کے نام سے ان کی کنیت ابو بشر تھی۔ حضرت بشرؓ کو بھی شرف صحابیت حاصل ہوا۔ (اُسد الغابہ، سیر انصار جلد ۱)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمِ مُبَشّر انصاریہ کے گھر تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپؐ کو کھجور کے درخت کے نیچے بٹھایا۔ حضور ﷺ نے اُمِ مبشر سے پوچھا: ”یہ درخت کسی مسلمان نے لگایا تھا، یا کسی غیر مسلم نے؟“

انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! یہ درخت ایک مسلمان نے لگایا تھا“

آپ ﷺ نے فرمایا، جب ایک مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے اور پھر اس کے پھل سے کوئی انسان، جانور یا پرندہ فائدہ اُٹھاتا ہے تو یہ اس کی طرف سے صدقہ شمار ہوتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت اُمِ مُبَشّرؓ کا نکاح محبوبِ رسولؐ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہٗ سے ہوا تھا۔ ایک روایت میں حضرت براءؓ بن معرور کی صاحبزادی کا نام اُمِ انس آیا ہے ان سے یہ حدیث مروی ہے۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمہیں بتاؤں کہ بہترین انسان کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، ضرور یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایک آدمی نے (آپ ﷺ نے ہاتھ سے مغرب کی طرف اشارہ کیا) گھوڑے کی لگام اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھی ہے اور انتظار کر رہا ہے کہ اللہ کی راہ میں کسی پر حملہ کرے یا اس پر کوئی حملہ آور ہو (یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے شروع ہونے کا انتظار کر رہا ہے) پھر فرمایا، کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس سے ملتا جلتا آدمی کون ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، ہاں یا رسول اللہ ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ نے حجاز کی طرف ہاتھ اُٹھا کر فرمایا، جو شخص اپنے مالِ غنیمت کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے، اللہ کے حق کو پہچانتا ہے، نماز قائم کرتا ہے ایسا شخص لوگوں کے شرّ سے بچا رہتا ہے“

ایک اور روایت میں ان کا نام اُمِ مُبَشّر یا اُمِ انس کے بجائے اُمِ بِشر مذکور ہے۔ ان سے یہ واقعہ منسوب ہے:

”حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہٗ کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ جب حضرت کعبؓ کی موت کا وقت قریب آیا تو اُمِ بِشر ان کے پاس آئیں اور کہا اے ابو عبدالرحمٰن اگر میرے والد سے آپ کی ملاقات ہو تو انہیں میرا اسلام کہنا۔ حضرت کعبؓ نے جواب دیا، اے اُمِ بِشر! اللہ تجھے آباد رکھے وہاں تو ہمیں اپنی پڑی ہوگی۔۔۔۔ اُمِ بِشرؓ نے کہا، اے ابو عبدالرحمٰن کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ مومنوں کی روحیں بادِ صبا کی طرح

جنت میں جہاں چاہیں گی گھومتی پھریں گی اور فاجر لوگوں کی روحیں جہنم کے سب سے نچلے مقام پر ہوں گی۔ حضرت کعبؓ نے کہا، ہاں میں نے سنا ہے، اُمِ بشر نے کہا، جبھی تو میں تمہیں کہہ رہی ہوں۔ اربابِ سیَر کا خیال ہے کہ اُمِ مبشر، اُمِ انسؓ اور اُمِ بشرؓ الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی شخصیت ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف بحوالہ ابنِ ماجہ و بیہقی واُسد الغابہ)

☆☆☆☆

حضرت اُمِ یحییٰ بنتِ حصین رضی اللہ عنہا

انہیں اور ان کی ہمشیرہ اُمِ حصینؓ دونوں کو شرفِ صحابیت حاصل ہوا لیکن کُتبِ سیَر ان کے نام ونسب کے بارے میں خاموش ہیں۔ حضرت اُمِ یحییٰؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا (مسلمانو!) اگر تم پر ایک ناک کٹا غلام حاکم ہو جائے اور کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو اس کی اطاعت کرو۔ ایک روایت میں ان کے والد کا نام اسحاق آیا ہے اور ان کا تعلق بنو احمس سے بتایا گیا ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆☆

حضرت اُمِ یقظہ رضی اللہ عنہا

ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ'' میں ان کا نام اُمِ یقظہ'' لکھا ہے، ابنِ سعدؒ نے طبقات میں فاطمہ بنتِ علقمہ اور ابنِ اثیرؒ نے اُسد الغابہ میں اُمِ یقیظ لکھا ہے۔ ایک اور روایت میں یقظہ بنتِ علقمہ بھی آیا ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ ان عظیم المرتبت

صحابیات میں سے ہیں جن کو دعوتِ توحید کے ابتدائی تین سالوں کے اندر قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ گویا وہ سابقین اوّلین صحابیات کی مقدس جماعت سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی شادی مشہور صحابی حضرت سلیط بن عمروؓ سے ہوئی وہ بھی سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ دونوں میاں بیوی ۶ بعدِ بعثت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر مکّہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے تا کہ کفارِ قریش کے مظالم سے محفوظ رہ سکیں۔ حبشہ میں وہ کئی سال تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ مشرکینِ قریش نے نجاشی (شاہِ حبشہ) کے پاس وفد بھیج کر بہت کوشش کی کہ وہ مسلمان مہاجرین کو اپنے وطن سے نکال دے لیکن نجاشی نے ان کی بات نہ مانی۔ اسی دوران میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکّے سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے کی خبر حبشہ پہنچی تو وہاں کے مہاجرین کے دل بھی مدینہ منورہ پہنچنے کے لیے تڑپنے لگے لیکن ناداری اور تہی دستی طویل بحری سفر کی راہ میں حائل تھی تاہم حضرت سلیطؓ اور ان کی اہلیہ سمیت ۳۳ مردوں اور آٹھ خواتین نے مکہ معظمہ کے راستے مدینہ مُنورہ جانے کے لئے رختِ سفر باندھ لیا۔ یہ تمام حضرات بخیریت مکّہ پہنچ گئے پھر حضرت یقظہؓ اپنے شوہر کے ساتھ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئیں اور باقی زندگی اسی مقدس شہر میں گزاری۔ ان کے شوہر حضرت سلیط بن عمروؓ نے اُحد، احزاب اور دوسرے تمام معرکوں میں حضور ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے عہدِ صدیقی میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی جانے والی ''جنگِ یمامہ'' میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِ عبدالرّحمان بنتِ ابی سعید خُدریؓ رضی اللہ عنہا

جلیل القدر صحابی حضرت ابوسعید خُدریؓ کی صاحبزادی تھیں نسب نامہ یہ ہے

اُمِ عبدالرّحمان بنتِ ابی سعید خدری بن مالک بن سنان بن عبید بن ثعلبہ بن ابجر بن عوف بن حارث بن خزرج۔

حضرت اُمِ عبدالرّحمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسعید کی

بیمار پرسی کے لیے ہمارے گھر تشریف لائے۔ ہم نے بکری کے بازو کا گوشت کھانے کے لئے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا۔ پھر آپؐ نے بغیر کلّی کیے نماز پڑھی۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِّ عجرہ رضی اللہ عنہا

ان کا تعلق مشہور عرب قبیلے بنو خُزاعہ سے تھا۔ ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے وہ ایک دفعہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

''یارسول اللہ! زمانۂ جاہلیت میں ہم لوگ جو رسمیں یا (رواجی) کام کیا کرتے تھے، کیا وہ زمانۂ اسلام میں کیے جاسکتے ہیں؟''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ایسا کام بتاؤ

انہوں نے عرض کیا: مثلاً عقیقہ

آپؐ نے فرمایا: ہاں اس رسم کی اجازت ہے۔ لڑکے کے لیے دو جوان بکریاں اور لڑکی کے لیے ایک۔ (نوٹ: فقہا کے نزدیک بکریوں میں بھیڑ، دنبہ، مینڈھا بھی شامل ہیں)

☆☆☆☆

حضرت اُمِّ فروہ انصاریہ رضی اللہ عنہا

کُتبِ سِیَر ان کے نام ونسب کے بارے میں خاموش ہیں۔ ان میں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ انصار کے کسی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ''یارسول اللہ! کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا اوّل وقت میں نماز ادا کرنا''

حضرت اُمِ کلثوم بنتِ عباس رضی اللہ عنہا

عَمِ رسول حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بن ہاشم کی صاحبزادی تھیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن تھیں۔ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندے کے بدن پر اللہ کے ڈر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو گناہ اس کے بدن سے اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح خشک درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

☆☆☆☆

حضرت اُمِ محمد انصاریہ رضی اللہ عنہا

اہلِ سِیَر نے ان کا نام ونسب بیان نہیں کیا البتہ ان کے صحابیہ اور انصاریہ ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کھانا کھاتے اور پیتے وقت ذیل کے کلمات پڑھے، اسے کھانے اور پینے سے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

بسم اللّٰه خير الاسماء
بسم اللّٰه رب الارض والسماء
بسم اللّٰه لا يضر مع اسمه شيئ

☆☆☆☆

حضرت اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا

ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے کسی نے اُمِ قیس اور کسی نے اُمّ ہانی لکھا ہے۔ نسب کسی نے بیان نہیں کیا۔ انصار کے کسی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، یارسول اللہ! کیا ہم مرنے کے بعد ایک دوسرے سے ملاقات کیا کریں گے۔ آپ نے فرمایا، روحیں پرندوں کی صورت میں درختوں سے لٹکی رہیں گی اور جب قیامت برپا ہو گی تو اپنے اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں گی۔

☆☆☆☆

حضرت اُمّ حمید انصاریہ رضی اللہ عنہا

سیّدنا حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں [1]۔ ہجرت نبوی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ مشرّف بہ اسلام ہوئیں۔ نہایت باحیا، صالحہ اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

---

[1] حضرت ابو حمید ساعدیؓ کا تعلق خزرج کے خاندان ساعدہ سے تھا۔ انہوں نے ہجرت نبویؐ کے بعد اسلام قبول کیا۔ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اس کے بعد عہد رسالت کے دوسرے غزوات میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ نماز ہو بہو اسی طرح پڑھا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادا کرتے تھے۔ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ کے ایک مجمع میں (جس میں دس اصحاب شامل تھے) انہوں نے فرمایا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تم سب سے زیادہ یاد ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ تفصیل سے بتایا۔ انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے آخر یا یزید کے ابتدائی دورِ حکومت میں وفات پائی۔ ان سے ۲۶ حدیثیں مروی ہیں۔ (مسندِ احمد، صحیح بخاری، سیر انصار جلد ۱)

''یارسول اللہ! ہم (مسجدِ نبوی میں) آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنا چاہتی ہیں لیکن ہمارے شوہر ہمیں روکتے ہیں''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خواتین کا گھروں کے اندر (کے کمرے میں) نماز ادا کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ برآمدوں میں نماز پڑھیں اور برآمدوں میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ صحن میں نماز ادا کی جائے اور صحن کی نماز اس سے بہتر ہے کہ مسجد میں (جماعت کے ساتھ) نماز پڑھی جائے''

حضرت اُمِ حمید رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کو حرزِ جان بنا لیا اور آخری دم تک گھر کے اندر نماز ادا کرتی رہیں۔ ان کے زہد و عبادت اور کم گوئی کی بنا پر اکابر صحابہ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ان کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں ایک روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی دَور تک حیات تھیں۔

☆☆☆☆
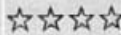
حضرت اُمِ حرملہ رضی اللہ عنہا

حضرت اُمِ حرملہ بنتِ عبدالاسود رضی اللہ عنہا کا تعلق عرب قبیلے بنو خزاعہ سے تھا۔ وہ قریش کے ایک معزز آدمی حضرت جہم بن قیس رضی اللہ عنہٗ کی زوجہ تھیں[1]۔ دونوں میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق آغاز فرمایا تو اس کے ابتدائی تین سالوں میں مکّہ کے جن سعید الفطرت انسانوں نے اس پر لبیک کہا ان میں

---

[1] حضرت جہمؓ بن قیس کا تعلق قریش کے خاندان ''بنو عبدالدار'' سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:
جہمؓ بن قیس، بن عبد بن شرحبیل بن ہاشم بن عبدِ مناف بن عبدالدار۔ ان کی کنیت ابوخزیمہ تھی۔ ان کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں سے ہیں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی زندگی کے مزید حالات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔

یہ دونوں میاں بیوی بھی شامل تھے۔ یوں ان کو السّابقُون الاوّلُون کی مقدس اور مغفور جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ وہ بڑا پُر آشوب دور تھا۔ جو شخص اسلام قبول کرتا مشرکین قریش کے ظلم وستم کا ہدف بن جاتا۔ ان دونوں میاں بیوی پر بھی مشرکین نے قبول حق کے جرم میں ظلم ڈھانا شروع کر دیا۔ ان کے ظلم سے بچنے کے لئے ۶ھ بعد بعثت میں وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ ان کے ہمراہ ان کے دو بیٹے عمروؓ اور خزیمہؓ بھی تھے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت اُم حرملہؓ کچھ عرصہ بعد حبش میں وفات پا گئیں۔
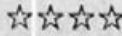
تابعیات

حضرت خُولہ بنتِ اَزوَر رحمہا اللہ تعالیٰ

حدیث اور سیرت کی کسی کتاب میں یہ صراحت نہیں کی گئی کہ حضرت خُولہ بنتِ ازور کو شرفِ صحابیت حاصل ہوا تھا یا نہیں البتہ یہ بات ثابت ہے کہ وہ عہدِ رسالت میں موجود تھیں۔ بنظرِ احتیاط ہم ان کا ذکر تابعیات کے باب میں کر رہے ہیں۔

حضرت خولہؒ بنتِ ازور کا شمار قرنِ اوّل کی اُن مجاہد خواتین میں ہوتا ہے جن کی شجاعت و غیرتِ دینی نے تاریخِ اسلام میں ایک درخشاں باب کا اضافہ کیا۔ ان کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھا اور وہ نامور صحابی حضرت ضرارؓ بن ازوَر کی بہن تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

خولہؒ بنتِ ازور بن اوس بن خزیمہ بن ربیعہ بن مالک بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

حضرت ضرارؓ بن ازور ۹ ہجری میں بنو اسد کے وفد کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ حضرت خُولہؒ نے بھی بھائی کی تقلید کی اور اسی زمانے میں سعادت اندوزِ ایمان ہو گئیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت (۱۳ھ) میں رومی سلطنت سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت ضرارؓ اور ان کی بہن خولہؒ بھی شام جانے والے مجاہدین میں شامل ہو گئے۔ شام کے کئی معرکوں میں ان دونوں سرفروشوں نے ایسے تحیّر خیز کارنامے انجام دیے کہ ان کا حال پڑھ کر خون میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت ضرارؓ نے اپنی جانبازی، سخت کوشی اور بے خوفی کی دھاک بٹھا دی۔ لڑائی میں کبھی تو وہ سرتاپا زرہ پوش ہوتے تھے اور کبھی ان کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ کرتا بھی اتار دیتے تھے اور گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر رجز پڑھتے ہوئے دشمن پر جا پڑتے تھے۔ اس ہیئت کذائی کی بنا پر وہ رومیوں میں جنّ مشہور ہو گئے تھے۔ جس طرف رُخ کرتے رومی "جنّ آیا، جنّ آیا" کہہ کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ اپنی بے مثال شجاعت کی بدولت وہ ایک ہزار شجاعانِ عرب کے برابر تسلیم کیے جاتے تھے۔

شام میں داخل ہو کر مجاہدینِ اسلام فاتحانہ پیش قدمی کرتے ہوئے وہاں کے مرکزی شہر دمشق تک جا پہنچے اور اس کا سختی سے محاصرہ کر لیا۔ اثنائے محاصرہ میں ایک دن حضرت خالدؓ بن ولید

کو اطلاع ملی کہ محصور شامیوں کی امداد کے لئے رومیوں کا ایک لشکر دمشق کی طرف بڑھ رہا ہے۔ انہوں نے حضرت ضرارؓ کو پانچ سو سوار دے کر حکم دیا کہ اس لشکر کو راستے ہی میں روک لو۔ حضرت ضرارؓ دشمن کے لشکر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس کی تعداد بارہ ہزار سے کم نہیں۔ بعض مجاہدین نے مشورہ دیا کہ اس کثیر لشکر سے نبرد آزما ہونا قرین مصلحت نہیں بہتر یہ ہے کہ ہم کمک لے کر اُن سے معرکہ آرا ہوں۔ حضرت ضرارؓ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور بڑے جوش سے کہا:

"خدا کی قسم میں تو یہاں سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ جو لوگ میرا ساتھ نہ دینا چاہیں میں ان کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ وہ واپس چلے جائیں"

ان کی ثابت قدمی دیکھ کر دوسرے مسلمانوں کو بھی جوش آ گیا۔ انہوں نے کہا، یہ تو محض ایک مشورہ تھا ورنہ ہم بھی سر سے کفن باندھ کر نکلے ہیں۔ یہ کہہ کر سب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ رومیوں کا خیال تھا کہ ان مٹھی بھر آدمیوں کو چند لمحوں میں ٹھکانے لگا دیں گے لیکن ان کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ ان کا اندازہ غلط تھا۔ مسلمان جانبازوں نے ان کو لوہے کے چنے چبوا دیے۔ حضرت ضرارؓ نے جوش شجاعت میں اپنا کرتا اُتار دیا۔ ایک لمبا نیزہ ہاتھ میں لے کر رومیوں پر جھپٹ پڑے اور لاشوں پر لاشیں گراتے رومیوں کے سردار وردان کی طرف بڑھے۔ وردان کا حفاظتی دستہ حضرت ضرارؓ کے مزاحم ہوا اور انہیں اپنے گھیرے میں لے کر ختم کرنا چاہا لیکن حضرت ضرارؓ کسی کو اپنے نزدیک نہ پھٹکنے دیتے تھے۔ حفاظتی دستے میں وردان کا بیٹا حمران بھی شامل تھا وہ ایک نامی جنگجو تھا۔ اس نے رومیوں کو ملامت کی کہ تم ایک آدمی پر بھی قابو نہیں پا سکتے۔ یہ کہہ کر اپنے نیزے سے حضرت ضرارؓ پر حملہ آور ہوا۔ ان کا ایک بازو زخمی ہو گیا لیکن اسی حالت میں پوری قوت سے اپنا نیزہ حمران کو مارا اور اسے خاک و خون میں لوٹا دیا۔ رومیوں نے اب اپنا گھیرا تنگ کر لیا۔ مسلمانوں نے حضرت ضرارؓ کو خطرے میں دیکھا تو چند جانباز اُن کی مدد کے لئے بڑھے۔ ابھی وہ دور ہی تھے کہ یکایک حضرت ضرارؓ کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ زمین پر گر پڑے۔ رومیوں نے انہیں فوراً گرفتار کر لیا۔ مسلمانوں نے اب لڑائی روک دی اور ایک تیز رفتار قاصد دمشق روانہ کیا کہ حضرت خالدؓ بن ولید کو حضرت ضرارؓ کی گرفتاری اور دوسرے حالات کی اطلاع دے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ اطلاع دینے کے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) سالم کو بھیجا گیا، رومیوں نے انہیں بھی اسیر کر لیا تھا لیکن وہ کسی طرح

رومیوں کی قید سے نکل بھاگے اور دمشق پہنچ کر حضرت خالدؓ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔

حضرت خالدؓ نے میسرہؓ بن مسروق کو ایک ہزار جوانوں کے ساتھ دمشق کے مشرقی دروازے پر متعین کیا اور باقی فوج کو ساتھ لے کر موقع جنگ کا رُخ کیا۔ اثنائے راہ میں یکا یک انہوں نے دیکھا کہ لشکرِ اسلام کے آگے ایک نقاب پوش، سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار بڑی تیزی سے میدانِ جنگ کی طرف لپکا جا رہا ہے وہ حیران ہوئے کہ یہ کون شخص ہے لیکن تحقیق کا موقع نہ تھا خاموش ہو رہے۔ مسلمانوں نے جلد ہی رومی لشکر کو جا لیا اور کسی توقف کے بغیر اس پر حملہ کر دیا۔ معرکہ کارزار میں حضرت خالدؓ نے دیکھا کہ وہ نقاب پوش اس بے جگری سے لڑ رہا ہے کہ جدھر جھک پڑتا ہے کشتوں کے پشتے لگا دیتا ہے۔ زخم پہ زخم کھاتا ہے لیکن پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتا۔ انہوں نے دوسرے مجاہدین سے اس نقاب پوش کے بارے میں پوچھا لیکن سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اتنے میں وہ نقاب پوش مارتا کاٹتا رومی فوج کے قلب سے خون میں نہایا ہوا نکلا۔ حضرت خالدؓ اپنا گھوڑا دوڑا کر اس کے پاس پہنچے اور پکار کر کہا۔

''اے مردِ مجاہد! تو نے سرفروشی کا حق ادا کر دیا، تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے سُرخرو جائے گا، تجھ جیسے جانبازوں کو نقاب پوشی زیبا نہیں، اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دے تاکہ میں دیکھ سکوں کہ تو کون شیر بیشۂ شجاعت ہے''

نقاب پوش پہلے تو خاموش رہا لیکن حضرت خالدؓ نے بہت اصرار کیا تو یوں گویا ہوا:

''اے امیر! میں ضرار بن ازور کی بہن خولہ بنت ازور ہوں میں اپنے پیارے بھائی کی گرفتاری سے سخت بے چین ہوں، خدا کی قسم میں اپنے بھائی کو دشمن کے پنجہ سے رہا کراؤں گی یا اسی کوشش میں جان دے دوں گی''

حضرت خالدؓ خولہؓ کا عزم اور بہادری دیکھ کر حیران رہ گئے اور فرمایا:

'' آفرین ہے تم پر اے خولہ! جس قوم میں تم جیسی بیٹیاں ہوں، اُسے دشمن کبھی مغلوب نہیں کر سکتا، بیٹی تم اطمینان رکھو اگر ضرار زندہ ہے تو میں اسے چھڑا کر رہوں گا اگر وہ شہید ہو کر زندۂ جاوید ہو گیا ہے تو میں رومیوں سے اس کا بدلہ لے کر رہوں گا''

یہ کہہ کر انہوں نے فوج کے چیدہ چیدہ دستے ساتھ لیے اور رومیوں پر ''سیف اللّٰہی'' حملہ کیا۔ خولہؓ بھی ان کے ساتھ تھیں اس وقت ان کی زبان پر یہ شعر تھے:۔

ترجمہ: "اے میرے اکلوتے بھائی! اے میری ماں کے بیٹے تو نے میرا عیش مکدر کر ڈالا اور میری نیند حرام کر دی۔

اے ضرار تو کہاں ہے کہ آج مجھے نظر نہیں آتا اور نہ میرے قبیلے اور قوم کو نظر آتا ہے"

خولہؓ کے پُر درد اشعار نے مسلمانوں کے دلوں میں آگ لگا دی۔ وہ دیوانہ وار ضرارؓ کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اسی اثنا میں چند رومی گرفتار ہو کر حضرت خالدؓ کے سامنے پیش کیے گئے۔ انہوں نے رومیوں سے پوچھا، ہمارا ایک ساتھی جو گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر برہنہ تن لڑ رہا تھا۔ تمہارے ہاتھ گرفتار ہو گیا اُسے تم نے کہاں رکھا ہے؟

رومیوں نے جواب دیا، "اس شخص کو ہمارے سردار نے سَو سواروں کی حفاظت میں حمص روانہ کر دیا ہے تاکہ شہنشاہ (ہرقل) کے سامنے پیش کر کے اُسے بتایا جائے کہ کہ ہمیں کس قسم کے جِنّوں سے واسطہ پڑا ہے"

حضرت خالدؓ نے اسی وقت رافعؓ بن عمیرہ طائی کو حکم دیا کہ تم سَو سوار لے کر برق رفتاری سے حمص کے راستے پر جاؤ اور ضرار کو رومیوں کے پنجے سے چھڑا لاؤ۔ رافعؓ اسی وقت سَو سوار لے کر رومیوں کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ حضرت خولہؓ بھی حضرت خالدؓ سے اجازت لے کر اس دستے کے ساتھ ہو لیں۔ کافی دوڑ دھوپ کے بعد مسلمانوں کو رومیوں کا دستہ نظر آیا۔ انہوں نے حضرت ضرارؓ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُن کو ایک اونٹ پر لاد رکھا تھا اور خود ہنستے کھیلتے جا رہے تھے۔ ضرارؓ اس وقت دردناک لہجے میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:

ترجمہ!" اے خبر پہنچانے والے تو میری قوم اور خولہ کو یہ خبر پہنچا دے کہ میں گرفتار ہوں، بے بس اور جکڑا ہوا ہوں، میرے ارد گرد روم کے زرہ پوش اور ہتھیار بند کافر ہیں اور میں اُن کے درمیان اس طرح ہوں کہ نہ پلٹ کر واپس جا سکتا ہوں اور نہ مجھے کوئی مدد مل سکتی ہے۔

پس اے دل تو رنج و غم اور حسرت سے مردہ ہو جا اور اے میری آنکھ تو میرے رخساروں پر چشمہ جاری کر دے، کاش میری قوم اور خولہ میرے پاس ہوتی تو میں لازم کر لیتا اپنے لیے اس امر کو جس پر میرا عہد ہے"

خولہؓ یہ اشعار سن کر بے تاب ہو گئیں اور پکار کر کہا، یا اخی میں آ پہنچی۔ یہ کہہ کر شیرنی کی طرح رومیوں کی طرف جھپٹیں ساتھ ہی دوسرے مجاہدین بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر رومیوں پر جا

پڑے اور چند لمحوں میں انہیں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ بھائی بہن گلے ملے اور فرطِ مسرت سے اس قدر روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں وہاں سے سب لوگ حضرت خالدؓ کے لشکر میں واپس آئے۔ مسلمانوں کو ان کی بخیریت مراجعت پر بے پناہ مسرت ہوئی اور ان کے حوصلے دو چند ہو گئے۔ دوسرے دن لڑائی شروع ہوئی تو رومی بہت جلد ہمت ہار بیٹھے اور اپنے سینکڑوں آدمی کٹوا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کو کثیر مالِ غنیمت ہاتھ آیا اور وہ مظفر و منصور دمشق کو واپس آئے۔

دمشق ابھی فتح نہیں ہوا تھا کہ حضرت خالدؓ بن ولید کو اطلاع ملی کہ ہرقل نے ایک جرار لشکر اجنادین بھیج دیا ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کے مشورہ کے مطابق حضرت خالدؓ اور دوسرے افسروں نے دمشق کا محاصرہ عارضی طور پر اٹھا لیا اور اجنادین کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت خالدؓ نے اسلامی لشکر کے ہراول کی قیادت سنبھالی اور حضرت ابو عبیدہؓ عورتوں اور بچوں کو اپنی نگرانی میں لے کر لشکر کے پیچھے روانہ ہوئے۔ محصور دمشقیوں نے جب دیکھا کہ مسلمان واپس جا رہے ہیں تو وہاں کے دو رومی سرداروں پیٹر اور پولوس نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ سولہ ہزار پیادہ اور سواروں کو ساتھ لے کر مسلمانوں کے ساق (عقب) پر جا پڑے یہ حملہ ناگہانی تھا، مسلمانوں کے سنبھلتے سنبھلتے وہ چند مسلمان خواتین کو گرفتار کر کے پیچھے لوٹ گئے۔ اُن خواتین میں حضرت خولہؓ بھی تھیں۔ جب ایک جگہ رومیوں نے ستانے کے لئے پڑاؤ ڈالا تو خولہؓ نے اپنی قیدی بہنوں سے کہا:

"بہنو! ہم شجاعانِ عرب کی بیٹیاں ہیں اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی نام لیوا ہیں ہم کو ان مشرکوں کی اطاعت قبول کرنے کی بجائے جان پر کھیل جانا چاہیے"

ان خواتین میں بیشتر قبائل تبع و حِمیَر سے تعلق رکھتی تھیں اور نیزہ بازی اور شہسواری میں مردوں کے برابر تسلیم کی جاتی تھیں۔ خولہؓ کی ولولہ انگیز تقریر سن کر ان کو جوش آ گیا اور وہ یک زبان ہو کر بولیں، خولہ تم نے ٹھیک کہا ہمیں جان پر کھیل جانا چاہیے لیکن ہتھیاروں اور گھوڑوں کے بغیر رومیوں سے مقابلہ کی کیا تدبیر ہو۔

خولہؓ نے کہا، بہادری یہی ہے کہ مادّی سامان کے بغیر محض اللہ کے بھروسے پر باطل کے سامنے ڈٹ جائیں۔ آؤ خیموں کی چوبیں اکھاڑ لیں اور ان سے رومیوں کے سر توڑ ڈالیں اس طرح اگر رہائی مل گئی تو اپنے لشکر سے جا ملیں گی ورنہ شہادت پا کر اللہ کے سامنے سُرخرو جائیں گی۔

اب تمام عورتیں اُٹھ کھڑی ہوئیں اور خیموں کی چوبیں اکھاڑ کر لڑنے پر کمر بستہ ہو گئیں۔ خولہؓ نے انہیں ایک دائرے کی صورت میں منظم کیا اور پھر سب یہ رجز پڑھتے ہوئے رومیوں پر حملہ آور ہوئیں:۔

''ہم تبع اور حِمیَر کی بیٹیاں ہیں، ہمارے نزدیک تمہیں ہلاک کرنا کارِ ثواب ہے اس لیے ہم لڑائی میں جانسوز آگ بن جاتی ہیں یاد رکھو آج تم بڑے عذاب میں ڈالے جاؤ گے''

رومیوں نے چاروں طرف سے عورتوں کا محاصرہ کر لیا لیکن وہ خیموں کی چوبوں سے ان کے سر توڑ دیتی تھیں اور کسی کو اپنے نزدیک نہ پھٹکنے دیتی تھیں۔ کافی دیر اس طرح مقابلہ جاری رہا اور کئی رومی ان جانباز خواتین کے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے۔ آخر رومیوں نے غضبناک ہو کر ان پر ایک فیصلہ کن وار کرنے کا ارادہ کیا۔ اُدھر حضرت خالدؓ اور حضرت ضرارؓ کو خواتین کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو وہ فوج کے ایک دستے کے ساتھ نہایت تیز رفتاری سے رومیوں کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ عین اُسی وقت جب رومی بناتِ اسلام پر بھرپور حملے کے لیے ہتھیار سنبھال رہے تھے انہوں نے مسلمان شیروں کی ہیبت ناک دھاڑ سنی، ان کے فلک شگاف نعرہ ہائے تکبیر سے زمین دہل رہی تھی۔ رومیوں کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر الٹے پاؤں دمشق کی طرف بھاگے۔ حضرت ضرارؓ بن ازور نے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر پیٹر کو جا لیا، اپنا خون آشام نیزہ اس کے جسم کے پار کر دیا اور پھر دمشق کے دروازے تک بھگوڑے رومیوں کا تعاقب کیا۔

عورتیں اس امدادِ غیبی پر خدا کا شکر بجالائیں اور ضرارؓ اپنی جانباز بہن سے مل کر بہت مسرور ہوئے۔ شام کے مختلف معرکوں میں رومیوں کو پے در پے شکستیں ہوئیں اور دمشق بھی مسلمانوں نے فتح کر لیا تو قیصرِ روم (ہرقل) کو سخت غیرت آئی اور اس نے مسلمانوں کو شام سے نکالنے کا تہیہ کر لیا۔ اس مقصد کے لئے اس نے انطاکیہ میں بہت بڑی فوج جمع کی جس میں بڑے بڑے آزمودہ کار جرنیل اور سپاہی شامل تھے۔ یہ جرار لشکر انطاکیہ سے چلا تو مسلمانوں نے طے کیا کہ شام کے جن جن شہروں پر اُن کا قبضہ ہو چکا ہے وہاں سے فوجیں ہٹا لی جائیں اور پھر یہ سب فوجیں ایک جگہ جمع ہو کر رومیوں کا مقابلہ کریں۔ عرب مورخین نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے دمشق و حمص وغیرہ شہروں سے نکلتے وقت وہاں کے غیر مسلم باشندوں کو یہ کہہ کر جزیہ کی رقمیں لوٹا دیں کہ

اب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے حُسنِ اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے تھے اور دعائیں مانگتے تھے کہ خدا مسلمانوں کو جلد واپس لائے۔

مسلمان شام کے شہروں سے نکل کر یرموک پہنچے اور یرموک کے کنارے وادیٔ واقوصہ میں خیمہ زن رومی لشکر کے سامنے پاؤں جما کر کھڑے ہو گئے۔ اسلامی لشکر کی کل تعداد مل ملا کر چالیس اور پچاس (یا بروایتِ دیگر تیس اور چالیس) ہزار کے درمیان تھی اس کے مقابلے میں رومی لشکر کی تعداد دو لاکھ سے اوپر تھی۔ رومیوں نے چاہا کہ مسلمان روپیہ لے لیں اور واپس چلے جائیں لیکن مسلمان اس پر آمادہ نہ ہوئے اور جنگ ناگزیر ہو گئی۔

لڑائی کا آغاز ہوا تو رومی بڑی بے جگری سے لڑے اور کئی بار مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیا لیکن ہر بار انہوں نے سنبھل کر ایسا جوابی حملہ کیا کہ رومیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ ایک بار رومیوں نے مسلمانوں کے میمنہ کو اس قدر دبایا کہ وہ اپنے بڑے لشکر سے الگ ہو کر نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے یہاں تک کہ عورتوں کے خیموں تک پہنچ گئے۔ عورتوں کو یہ دیکھ کر سخت غصہ آیا انہوں نے خیموں کی چوبیں نکال لیں اور رومیوں پر پل پڑیں ساتھ ہی انہوں نے پیچھے ہٹنے والے مجاہدین کو غیرت دلائی کہ ایام جاہلیت میں تو تم حق کے خلاف بڑھ چڑھ کر لڑتے تھے اب اللہ کی راہ میں لڑنا پڑا ہے تو قدم پیچھے ہٹاتے ہو۔ مسلمان غیرت کھا کر پیچھے پلٹے اور اس جوش سے لڑے کہ رومیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ رومیوں کا مقابلہ کرنے والی خواتین میں حضرت خولہؓ بھی شامل تھیں۔ وہ ہند بنتِ عتبہ اور دوسری عورتوں کو ساتھ مل کر رجز پڑھتی تھیں اور مسلمانوں کو لڑائی پر ابھارتی تھیں۔ لڑائی کے آخری دن رومیوں نے بار بار خوفناک حملے کیے لیکن مسلمان بڑے ثابت قدم نکلے۔ انہوں نے تلواروں کے نیام توڑ کر پھینک دیے، تلواریں سونت لیں، نیزے سیدھے کر لیے اور کفن بر دوش، دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ دشمن کے قدم لڑکھڑا گئے۔ رہی سہی کسر اسلامی فوج کے اُس دستے نے پوری کر دی جو بجلی کی تیزی کے ساتھ رومیوں پر پیچھے سے حملہ آور ہوا۔ اس جنگی چال نے دشمن کو حواس باختہ کر دیا۔ رومی فوج میں سے نصف فوج میدان جنگ میں کھیت رہی اور جو لوگ زندہ بچ گئے وہ بدحواسی کے عالم میں بھاگ نکلے۔

جنگ یرموک کا شمار شام کی فیصلہ کن لڑائیوں میں ہوتا ہے اس کے بعد قیصر روم پھر کبھی اتنا بڑا لشکر جمع نہ کر سکا۔ وہ انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی اس وقت اس کی زبان پر بے اختیار

یہ الفاظ آ گئے: "الوداع اے شام"

اور پھر اس نے فی الواقع سرزمین شام کو چھوڑ کر قسطنطنیہ کی راہ لی۔

حضرت ضرارؓ اور حضرت خولہؓ نے کب وفات پائی۔ اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک مشہور روایت کے مطابق حضرت خولہؓ نے ۱۸ ہجری میں وبائے طاعون (طاعونِ عمواس) میں وفات پائی۔ دمشق کے باب الشرقی کے باہر آج بھی دو قبریں موجود ہیں جن میں سے ایک حضرت ضرارؓ اور دوسری حضرت خولہؓ سے منسوب کی جاتی ہے۔

والله اعلم بالصواب

حضرت خولہؓ بنتِ ازور نے اپنی سرفروشی اور شجاعت کے جو نقوش صفحہ تاریخ پر مرتسم کیے وہ ان کا نام قیامت تک زندہ و تابندہ رکھیں گے۔

☆☆☆☆

حضرت فاطمہ بنتِ علی رحمہا اللہ تعالیٰ

حضرت فاطمہ رحمہا اللہ تعالیٰ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ ان کو فاطمۃ الصغریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کا نام اپنی پہلی زوجہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ (بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی یادگار کے طور پر رکھا تھا۔ ان کی والدہ اُمِ ولد تھی [1]۔ ایک روایت کے مطابق حضرت فاطمہؒ

---

[1] حضرت علیؓ کی اولاد میں چودہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے تین لڑکے (حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت محسنؓ) اور دو لڑکیاں (حضرت زینب کبریٰؓ اور حضرت اُم کلثومؓ) حضرت فاطمہ زہراؓ کے بطنِ مبارک سے تھے۔ سیدہ فاطمہ زہراؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں۔ باقی اولاد (گیارہ لڑکے اور پندرہ لڑکیاں) ان کی دوسری ازواج یا باندیوں (اُم ولد یعنی ملک یمین کنیزوں) سے تھی۔ ان گیارہ لڑکوں اور پندرہ لڑکیوں کے نام یہ ہیں عباس، جعفر، عبداللہ، عثمان، عبیداللہ، ابوبکر، یحییٰ، محمد اصغر، عمر، محمد (جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور تھے) اور محمد اوسط اور لڑکیاں رقیہ، اُم الحسن، رملہ کبریٰ، اُم ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، اُم کلثوم صغریٰ، فاطمہ صغریٰ، امامہ، خدیجہ، اُمِ سلمہ، اُمِ جعفر، جمانہ، نفیسہ۔

۳۰ھ سنہ ہجری میں یا اس کے قریبی زمانے میں پیدا ہوئیں۔ ان کی پرورش اور تربیت بڑے پاکیزہ ماحول میں ہوئی۔ انہوں نے حضرت اسماءؓ بنتِ عمیسؓ سے کئی احادیث روایت کی ہیں۔ اسی طرح اپنے بھائی حضرت محمدؒ بن حنفیہ سے بھی روایت کی ہے۔ خود حضرت فاطمہؒ سے بہت سے متلاشیان علم نے کسبِ فیض کیا۔ ان سے روایت کرنے والوں میں عروہ بن عبداللہ ابوسلمہؒ موسیٰؒ بن عبداللہ جہنی، نافع بن موسیٰ، ابی نعیم القاری، الحکم بن عبدالرحمٰن بن ابی نعم کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ سُنَنِ نسائی، طبقات ابنِ سعد اور دوسری کتابوں میں حضرت فاطمہؒ کی احادیث موجود ہیں۔

حضرت فاطمہؒ نہایت خدا ترس اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ قرآنِ حکیم سے گہرا لگاؤ تھا اکثر ساری ساری رات کلامِ الٰہی میں غور و فکر کرتے اور ذکرِ الٰہی میں گزر جاتی۔ ریاکاری سے سخت نفرت تھی اور اخلاصِ عمل ہی کو انہوں نے زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔ ان کو اپنے بھائی سیّدنا حضرت حسینؓ سے بڑی محبت تھی۔ سنہ ۶۱ھ میں کربلا کا المناک واقعہ پیش آیا تو وہ بھی حضرت حسینؓ کے دوسرے اہلِ خانہ کے ساتھ کربلا میں موجود تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد اُن کے اہلِ خاندان کو دمشق لے جایا گیا۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے ''تہذیب التہذیب'' میں لکھا ہے کہ:

''جب اہلِ بیت کا قافلہ یزید کے دربار میں لایا گیا تو جو شامی وہاں تھے وہ یزید کو فتح کی مبارکباد دینے کے لئے آئے تھے۔ ان میں سے سرخ رنگ کے ایک آدمی نے اہل بیت کی ایک لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا، اے امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے دے دیجیے۔ حضرت زینب بنت علیؓ (حضرت فاطمہؒ کی بڑی بہن) نے فرمایا، خدا کی قسم یہ لڑکی نہ تجھ کو مل سکتی ہے اور نہ خود یزید کو جب تک وہ اللہ کے دین سے نہ نکل جائے شامی نے پھر سوال کیا مگر یزید نے اسے ڈانٹ کر روک دیا''

(سیر الصحابہ جلد ۲۔ بحوالہ تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۳۵۳)

علامہ ابن جریر طبریؒ نے حارث بن کعب کی روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ لڑکی جس کا ذکر اس روایت میں ہے، فاطمہؒ بنت علیؓ تھیں۔ شامی کے مطالبے پر حضرت فاطمہؒ ڈر گئیں اور انہوں نے اپنی بڑی بہن حضرت زینب کا دامن پکڑ لیا۔ اس پر حضرت زینبؓ اور یزید کے درمیان سخت تند و تیز جملوں کا تبادلہ ہوا بالآخر یزید نے شامی کو ڈانٹ کر کہا'' تجھے خدا موت دے اور کبھی تجھے بیوی بھی نصیب نہ ہو۔ (سیر الصحابہ جلد ۶ بحوالہ طبری جلد ۷ صفحہ ۳۷۷۔۳۷۸)

شاہ معین الدینؒ (صاحب سیر الصحابہ) نے اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ درلیڈ یہ روایت خلاف قیاس ہے کیونکہ جس لڑکی کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس کا نام فاطمہ بنت علیؓ بتایا گیا ہے اور اس کے لئے جاریہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی وہ اس وقت بہت کم سن لڑکی تھی حالانکہ اس وقت فاطمہ بنت علیؓ کی عمر ۲۴ ـ ۲۵ سال سے کم نہ رہی ہوگی کیونکہ حضرت علیؓ ۴۰ھ میں شہید ہوئے اور ۶۱ھ کا یہ واقعہ ہے ـــــــ جاریہ کمسن اور نوخیز لڑکی کو کہتے ہیں اس لحاظ سے سرے سے اس واقعہ کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے۔

(سیر الصحابہ جلد ششم ترجمہ حضرت حسینؓ بن علیؓ)

ہمارا خیال ہے کہ یزید کے دربار میں اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ تو ضرور پیش آیا ہوگا لیکن اس کی صورت کچھ اور ہوگی۔ بہرصورت حضرت فاطمہ کسی قسم کے گزند سے محفوظ رہیں یہاں تک کہ یزید نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کے ذریعے انہیں اہل خاندان کے ساتھ بحفاظت مدینہ منورہ بھیج دیا۔

مخدرات اہل بیت محافظوں کے شریفانہ سلوک سے بہت متاثر ہوئیں چنانچہ حضرت زینبؓ اور حضرت فاطمہؓ نے اپنے کنگن اور بازوبند اتار کر شکرانہ کے طور پر ان کو بھیجے لیکن حضرت نعمان بن بشیرؓ نے انہیں واپس کر دیا اور کہا کہ ہم نے دنیاوی منفعت کے لئے یہ خدمت انجام نہیں دی بلکہ خالصۃً اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے خیال سے دی ہے۔

اس کے بعد حضرت فاطمہؓ نے باقی زندگی امن وسکون کے ساتھ مدینہ منورہ اور شام میں گزاری اور ۱۱۷ھ میں تقریباً نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ ایک روایت کے مطابق ان کی قبر باب الصغیر دمشق کے قبرستان میں ہے۔ حضرت فاطمہؓ کا پہلا نکاح محمد بن سعید بن عقیلؓ بن ابی طالب سے ہوا ان سے ایک لڑکی حمیدہ پیدا ہوئی۔ ان کے بعد ان کا نکاح سعید بن الاسود سے ہوا ان سے ایک لڑکی بزرہ اور ایک لڑکا خالد پیدا ہوئے۔ سعید کے بعد ان کا نکاح منذر بن عبیدہ بن زبیرؓ سے ہوا ان سے عثمان اور کبرہ پیدا ہوئے۔

(دور تابعین کی نامور خواتین)

☆☆☆☆

حضرت نائلہ بنتِ فرافصہ رحمہا اللہ

امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین ؓ (خلیفہء راشد ثالث) کی زوجہ تھیں۔ ان کا تعلق عرب قبیلے بنوکلب سے تھا اور ان کا خاندان کوفہ اور سرحدِ شام کے درمیان واقع ایک قصبے سمادہ میں آباد تھا۔ حضرت عثمانِ غنی ؓ نے ۲۸ھ (اپنے دورِ خلافت) میں ان سے نکاح کیا۔[1]

حضرت نائلہ ؒ نہایت دانا، ذہین اور نیک خصلت خاتون تھیں۔ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں اور نہایت فصیح البیان تھیں۔ خود حضرت عثمان ؓ ان کی عقلمندی اور اوصافِ حَسنہ کے مداح تھے۔

امیر المومنین حضرت عثمان ؓ سے نکاح کے بعد حضرت نائلہ ؒ مدینہ منورہ آئیں تو وہ وقتاً فوقتاً اُم المومنین حضرت عائشہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور اُن کے خوانِ علم سے ریزہ چینی کرتیں۔ ان سے کچھ حدیثیں بھی مروی ہیں جو انہوں نے حضرت عائشہ ؓ اور اپنے شوہر حضرت عثمان ؓ بن عفان سے روایت کی ہیں۔

۳۵ھ میں امیر المومنین حضرت عثمان ؓ کی شہادت کا المناک سانحہ پیش آیا۔ جس وقت باغی دیوار پھاند کر کاشانہء خلافت کے اندر گھسے اور امیر المومنین پر حملہ کیا، حضرت نائلہ ؒ ان کے پاس بیٹھی تھیں۔

ایک شقی نے جب (قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ضعیف العمر) امیر المومنین ؓ پر تلوار سے وار کیا تو حضرت نائلہ ؒ نے اس وار کو اپنے ہاتھ پر روکا۔ اس سے ان کی تین انگلیاں شہید ہو کر ہاتھ سے الگ ہو گئیں اور باغی امیر المومنین ؓ کی شمعِ حیات بجھانے میں کامیاب ہو گئے۔ شہر

---

[1] حضرت عثمان ؓ نے مختلف ادوار میں متعدد شادیاں کیں پہلی اہلیہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ ؓ تھیں ان کی وفات کے بعد حضور ؐ کی دوسری صاحبزادی حضرت اُمِ کلثوم ؓ سے نکاح ہوا ان کی وفات کے بعد مختلف موقعوں پر فاختہ بنتِ غزوان، اُم عمرو بنت جندب، فاطمہ بنتِ ولید، اُمِ البنین بنت عینیہ، رملہ بنتِ شیبہ اور نائلہ بنتِ فرافصہ سے نکاح ہوا۔ ایک روایت کے مطابق ۳۵ھ میں حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے وقت صرف ان کی دو بیویاں حیات تھیں اُمِ البنین بنتِ عینیہ اور نائلہ بنتِ فرافصہ۔

میں باغیوں کا زور تھا۔ دو دن تک حضرت عثمانؓ کی میت بے گور و کفن پڑی رہی۔ اس کو علانیہ دفن کرنا سخت پُر خطر تھا۔ دوسرے دن رات کو چند باہمت اصحاب نے جان ہتھیلی پر رکھ کر شہیدِ مظلوم کا جنازہ اُٹھایا۔ اس وقت حضرت نائلہؒ اور اُمِ البنین بنتِ عینیہ (امیر المومنین شہید کی ایک دوسری بیوی) جنازے کے ساتھ تھیں۔ حضرت نائلہؒ کے ہاتھ میں چراغ تھا اور ان کے لبوں پر یہ الفاظ تھے۔ واعثمانا وامیرُ المؤمنینا

حضرت جبیر بن مطعمؓ نے بنظرِ احتیاط حضرت نائلہؒ سے کہا کہ چراغ بجھا دیجیے تاکہ باغی ہمیں دیکھ نہ سکیں۔ حضرت نائلہؒ نے چراغ بجھا دیا اور رات کے اندھیرے میں کل سترہ آدمیوں نے شہید خلیفہ عرب و عجم کی نمازِ جنازہ پڑھی اور جنت البقیع کے پیچھے حشِ کوکب میں ان کو سپردِ خاک کر دیا (آج کل حشِ کوکب کا مقام جنت البقیع کے اندر آ گیا ہے) حضرت نائلہؒ کو اپنے شوہرِ نامدار کی دردناک شہادت سے سخت صدمہ پہنچا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ جب بھی موقع ملتا لوگوں کے سامنے حضرت عثمانؓ کے فضائل و مناقب بیان کرتیں۔ حضرت عثمان شہیدؓ کا خون آلود کرتا اور حضرت نائلہؒ کی کٹی ہوئی انگلیاں شام میں امیر معاویہؓ کے پاس پہنچائی گئیں۔ وہاں ان کو مجمع عام کے سامنے رکھا گیا تو ماتم برپا ہو گیا اور ہر طرف سے قصاص قصاص کی آوازیں آنے لگیں۔ اس کے بعد جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے جو واقعات پیش آئے وہ ہماری تاریخ کا ایک المناک باب ہیں اور ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔

حضرت نائلہؒ سے حضرت عثمانؓ کی صرف ایک بیٹی پیدا ہوئیں ان کا نام مریم تھا۔ حضرت نائلہؒ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔

(دورِ تابعین کی نامور خواتین)

☆☆☆☆

حضرت فاطمہؒ بنتِ مُنذِر رحمہا اللہ تعالی

ان کا شمار جلیل القدر تابعیات میں ہوتا ہے۔ وہ حواری رسول ﷺ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ (یکے از اصحاب عشرہ مبشرہ) کے فرزند حضرت منذرؒ کی بیٹی تھیں۔ دادا

حضرت زبیرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ اس رشتے سے حضرت فاطمہؒ کے والد حضرت منذر بن زبیرؓ حضور ﷺ کے بھتیجے ہوتے تھے۔ حضرت فاطمہؒ کی دادی عظیم المرتبت صحابیہ حضرت اسماءؓ بنتِ ابی بکر صِدّیقؓ تھیں۔ ان کے والد حضرت منذر صِدّیقِ اکبرؓ کے نواسے تھے۔ خاندانی نسبت قریش کی شاخ بنو اسد سے تھی۔ ایک روایت کے مطابق ان کی ولادت ۴۸ھ میں ہوئی۔ حضرت فاطمہؒ نے اپنی جلیل القدر دادی حضرت اسماءؓ "ذات النطاقینؓ" کے زیر سایہ پرورش پائی اس لیے ان سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔

حضرت فاطمہؒ کی شادی حضرت ہشام بن عروہ بن زبیرؓ سے ہوئی۔ حضرت ہشامؒ کا شمار اکابر تابعین میں ہوتا ہے ان سے تقریباً چار سَو احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے متعدد احادیث انہوں نے اپنی اہلیہ حضرت فاطمہؒ سے حاصل کیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہؒ اپنے شوہر سے عمر میں کئی سال بڑی تھیں۔ علامہ ابنِ سعد کا قول ہے کہ وہ ثقہ، حجت اور کثیر الحدیث تھے۔ امام ذہبیؒ نے ان کو امام اور ثقہ قرار دیا ہے۔ حضرت فاطمہؒ نے حضرت اسماءؓ کے علاوہ اُمّ المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ اور نامور تابعیہ حضرت عمرہ بنتِ عبدالرحمٰن انصاریہؒ سے بھی حدیث روایت کی ہے ان سے مروی احادیث صحاح، سُنن اور مسانید میں موجود ہیں۔ حضرت فاطمہؒ سے ان کے شوہر حضرت ہشام بن عروہؒ کے علاوہ محمد بن سوقة الغنوی اور محمد بن اسمٰعیل بن یسار نے بھی روایت کی ہے۔ حضرت فاطمہؒ نہایت پاکباز اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ حضرت ہشام بن عروہؒ سے ان کے دو بیٹے ہوئے، عروہؒ اور محمدؒ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے کے بہترین لوگوں کی صف میں جگہ پائی۔ حضرت فاطمہؒ کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔

☆☆☆☆
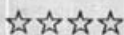
حضرت حفصہ تیمیہ رحمہا اللہ تعالیٰ

ان کا شمار پہلی صدی ہجری کی جلیل القدر تابعیات میں ہوتا ہے۔ سیدنا حضرت ابو بکر صِدّیق رضی اللہ عنہٗ اُن کے دادا تھے اور حضرت اُم رومان رضی اللہ عنہا ان کی دادی تھیں۔ والد

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ تھے اور والدہ قریبہؓ بنتِ ابی امیہ مخزومیہ تھیں۔ (وہ اُمّ المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ کی والدہ کی طرف سے بہن تھیں اس نسبت سے حضرت اُمِ سلمہؓ اُن کی خالہ ہوتی تھیں) اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت اسماء ذات النطاقینؓ ان کی پھوپھیاں تھیں۔
ان فضائل وانوار کی حامل شخصیات کے دامنِ عاطفت میں حضرت حفصہؓ کی تعلیم وتربیت ہوئی۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تو بہت محبوب بھتیجی تھیں اس لیے انہوں نے ان کی تعلیم و تربیت پر سب سے زیادہ توجہ دی۔ اس کے نتیجے میں ان کو علم وفضل کے اعتبار سے بہت بلند مرتبہ حاصل ہو گیا۔ انہوں نے اپنے والد حضرت عبدالرحمٰنؓ، پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہؓ اور خالہ حضرت اُمِ سلمہؓ سے روایت کی ہے۔ ان سے مروی احادیث، سُنَن میں موجود ہیں۔ ان کی ثقاہت پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ جن اصحاب نے ان سے روایت کی ہے ان میں عون بن عباسؒ، عراک بن مالک غفاریؒ، یوسف بن ماہکؒ اور عبدالرحمٰن بن سابطؒ شامل ہیں ان سب کا شمار بلند پایہ تابعین میں ہوتا ہے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہؓ کی تربیت جس انداز سے کی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت حفصہؓ باریک کپڑے کا دوپٹہ اوڑھ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت عائشہؓ نے اس دوپٹے کو ان سے لے کر پھاڑ دیا اور گاڑھے کا دوپٹہ منگوا کر ان کو اوڑھایا پھر ان سے فرمایا حفصہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (سترِ عورت کے بارے میں) کیا نازل فرمایا ہے؟[1]

حضرت حفصہؓ کی شادی حضرت منذرؓ بن زبیرؓ بن العوامؓ سے ہوئی۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بھانجے تھے اور قریش کے بہادر اور وجیہ جوانوں میں شمار ہوتے تھے۔ وہ ۷۳ھ میں اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ شہید ہوئے۔ حضرت حفصہؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔

☆☆☆☆

---

[1] حضرت عائشہؓ کا اشارہ سورۃ نور کی آیت ۳۱ کی طرف تھا جس میں حکم دیا ہے گیا کہ عورتیں اپنے سینوں پر اپنی اُوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں اور اپنا بناؤ سنگھار سوائے اُن لوگوں کے جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے، کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں۔

حضرت حمیدہؒ بنتِ عبیدؒ انصاریہ

انصارِ مدینہ کے ایک معزز خاندان میں باختلاف روایت ۷۰ھ یا ۷۲ھ میں پیدا ہوئیں۔ والدین نے ان کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ اس کے نتیجے میں انہوں نے نہ صرف علم و فضل بلکہ سیرت و کردار کے اعتبار سے بھی بہت بلند مقام حاصل کر لیا ان کو متعدد صحابہؓ کرامؓ اور صحابیاتؓ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور بعض سے کسبِ فیض کی سعادت بھی حاصل ہوئی بالخصوص حضرت عائشہ بنتِ کعب بن مالک رضی اللہ عنہا کی خدمت میں کافی عرصہ رہ کر علمِ حدیث حاصل کرتی رہیں۔ کُتبِ حدیث میں ان سے مروی کئی احادیث ملتی ہیں۔ ان کی شادی حضرت اسحاقؒ بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے ہوئی ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ حضرت حمیدہؒ سے روایت کرنے والوں میں ان کے شوہر حضرت اسحاقؒ اور بیٹے حضرت یحییٰؒ بھی شامل ہیں۔

اہلِ سِیَر نے حضرت حمیدہ بنتِ عبیدؒ کے اخلاق و خصائل کی بہت تعریف کی ہے۔ ان کے قول کے مطابق وہ بڑی سلیم الطبع اور خوش اخلاق تھیں۔ لوگوں کو بڑی محبت اور توجہ کے ساتھ حدیث کی تعلیم دیا کرتی تھیں۔ کبھی کسی کی دل آزاری نہ کرتیں اور بحث و مناقشہ سے ہمیشہ اپنا دامن بچاتی تھیں۔ طبیعت میں کمال درجے کا صبر و ضبط تھا۔ کسی دکھ یا تکلیف میں مبتلا ہوتیں تو اس کو بڑی ہمت اور حوصلے کے ساتھ جھیلتیں اور لوگوں کے سامنے اس کے اظہار سے گریز کرتیں۔ اگر کسی کو کوئی ناجائز حرکت کرتے دیکھتیں تو بطریقِ احسن اس کو روک دیتیں۔ اگر کبھی کوئی شخص ان کے مزاج یا رائے کے خلاف نامعقول بات کرتا تو اس سے الجھنے کے بجائے صبر و تحمل سے کام لیتیں۔ اپنے فرزند یحییٰؒ کی تربیت ایسی عمدگی سے کی کہ وہ بڑے ہو کر ایک بلند پایہ عالم اور نیک سیرت انسان بنے۔ حضرت حمیدہؒ نے ۱۳۲ ہجری میں وفات پائی۔

☆☆☆☆
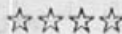
اُم البنینؒ بنتِ عبدالعزیز رحمہا اللہ تعالیٰ

بنو امیہ کے چھٹے حکمران ولید بن عبدالملک کی اہلیہ چوتھے اموی حکمران مروان بن الحکم کی پوتی اور آٹھویں اموی حکمران حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی (جن کو پانچواں خلیفہ راشد کہا جاتا ہے) بہن تھیں۔ ان کے شوہر کے عہدِ حکومت میں بنو امیہ کا اقتدار انتہائی عروج پر پہنچ گیا اور اسلامی سلطنت بہت وسیع ہو گئی۔ بلادِ روم' بلادِ اندلس' جزیرہ سارڈینیا' سمرقند' بخارا وغیرہ اسی کے عہد میں فتح ہوئے اور اموی افواج بلادِ ہند و چین تک جا پہنچیں۔ ولید نے رفاہ عامہ کے بھی بہت سے کام کیے جن میں متعدد شفاخانوں کی تعمیر محتاج خانوں کا قیام اور سڑکوں کی تعمیر جیسے کام شامل تھے۔ دمشق کی مشہور جامع مسجد اسی کے عہد میں تعمیر ہوئی۔ ولید بن عبدالملک کا زمانہ حکومت ۸۶ھ سے ۹۶ھ تک رہا۔

ولید جیسے عظیم الشان فرمانروا کی اہلیہ ہونے کے باوجود اُمّ البنینؒ نہایت سادہ مزاج اور وہ خداترس خاتون تھیں۔ انہوں نے قرآن حدیث فقہ اور دوسرے دینی علوم بڑے ذوق و شوق سے اپنے دور کے کئی جید علماء اور تابعینِ کرامؒ سے حاصل کیے تھے۔ ان سے ایک تابعی حضرت ابو اسماعیل ابراہیمؒ بن ابی عبلہ (وفات ۱۵۲ ہجری) نے حدیث بھی روایت کی ہے۔

اُمّ البنینؒ کو قرآن حکیم اور عبادتِ الٰہی سے بڑا شغف تھا۔ قرآن حکیم کی تلاوت صبح شام باقاعدگی سے کرتیں اور اللہ کا ذکر بھی کثرت سے کرتی رہتی تھیں۔ اسی طرح وہ بہت زیادہ نمازیں پڑھا کرتی تھیں۔ نمازوں میں انہماک کا یہ عالم تھا کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتی تھیں۔ ان کے گلشنِ اخلاق میں خشیت الٰہی، جود و سخا' خدمتِ خلق' تقویٰ اور سبقت الی الخیر سب سے خوش رنگ پھول تھے۔ وہ اکثر غریب عورتوں کو اپنے ہاں بلاتیں اور ان کو پہننے کے لیے بہترین کپڑے اور بہت سے دینار دے کر رخصت کیا کرتی تھیں۔ جن خواتین کے بارے میں وہ سمجھتی تھیں کہ ان کو دیناروں کی چنداں حاجت نہیں ہے، ان سے کہتیں کہ یہ دینار مساکین میں تقسیم کر دینا۔ علامہ ابن جوزیؒ کا بیان ہے کہ وہ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتیں اور ایک گھوڑا اللہ کے راستے میں بھیجتیں۔ ان کے تقویٰ کی یہ کیفیت تھی کہ مال یا کسی چیز کا ہدیہ اس وقت تک قبول نہ کرتیں جب تک ان کو اطمینان نہ ہو جاتا کہ یہ کسی ناجائز طریقے سے حاصل نہیں کیا گیا۔ حاجت مندوں

اور مصیبت زدہ لوگوں کے لیے ان کی ذات ابرِ کرم کی حیثیت رکھتی تھی جس سے ان پر درہم و دینار کی بارش ہوتی رہتی تھی۔ اگر کوئی شخص ان کے شوہر کے زیرِ عتاب ہوتا اور عفوِ تقصیر کے لیے اُمّ البنین کا ذریعہ ڈھونڈتا تو وہ شوہر سے اس کی سفارش کرنے میں دریغ نہ کرتیں۔ مختصر یہ کہ گوناگوں اوصافِ حمیدہ کی حامل ہونے کی بناء پر وہ ایک مثالی خاتون تھیں۔ ان کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔

☆☆☆☆
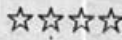
حضرت ماوردیہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ

ان کا شمار پانچویں صدی ہجری کی نامور عارفات وصالحات میں ہوتا ہے۔ وطنِ مالوف عراق تھا ۳۸۴ ہجری میں بصرہ کے ایک علمی اور دینی خاندان میں پیدا ہوئیں ان کی تعلیم وتربیت بڑے عمدہ پیمانے پر ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بصرہ کے متعدد عظیم المرتبت علماء سے قرآن' حدیث' تفسیر، فقہ اور دوسرے دینی علوم کی تعلیم حاصل کی لیکن معلوم نہیں کیا واقعات پیش آئے کہ ان کا دل عنفوانِ شباب ہی میں دنیا سے اچاٹ ہو گیا اور انہوں نے تعلیم وتعلم کے میدان میں سرگرم ہونے کے بجائے زاہدانہ زندگی اختیار کر لی موٹا جھوٹا لباس پہنتی تھیں اور غذا نہایت سادہ اور مقدار میں قلیل ہوتی تھی۔ ایک روایت کے مطابق لوبیا پیس کر روٹی پکاتی تھیں اس کے ساتھ مُنَقّٰی کے چند دانے اور تھوڑے سے انگور ان کی دن رات کی کُل غذا تھی۔ روزے بڑی کثرت سے رکھتی تھیں اور بالعموم رات بھر عبادت میں مصروف رہتی تھیں۔ بعض اربابِ سِیَر نے ان کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک پاکباز خاتون تھیں اور انہوں نے اپنے نظریے کے مطابق زاہدانہ زندگی صرف اس لیے اختیار کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔ حضرت ماوردیہ" نے ۴۶۶ ہجری میں داعئِ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت خدیجہ بنتِ محمد بغدادی رحمہا اللہ تعالیٰ

ان کا شمار چوتھی /پانچویں ہجری کی نامور عالمات میں ہوتا ہے۔ ۳۷۶ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام محمد بن علی تھا۔ انہوں نے اپنی صاحبزادی کو بغداد کے نابغۂ روزگار عالم اور واعظ علامہ ابوالحسن بن سمعون الواعظ سے تعلیم دلائی۔ اس کے نتیجے میں صاحبزادی بھی پیکرِ فضل وکمال بن گئیں۔ ایک طرف تو انہوں نے اپنا حلقۂ درس قائم کیا اور تشنگانِ علم کو اپنے سرچشمۂ علم سے سیراب کرنا شروع کر دیا اور دوسری طرف وہ بغداد کی خواتین میں وعظ ونصیحت کے ذریعے اصلاحِ معاشرہ کا کٹھن کام تسلسل کے ساتھ انجام دینے لگیں۔ ان کے سامعین میں دینوی اعتبار سے بڑے اونچے رتبے کی خواتین بھی ہوتی تھیں۔ (ان میں سے بعض کا تعلق خاندان خلافت سے ہوتا تھا) لیکن حضرت خدیجہؒ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بلا خوف وخطر ادا کرتی تھیں اور ان خواتین کو حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرنے کی تلقین بڑے مؤثر پیرائے میں کرتی تھیں۔ ان کے مواعظ میں اپنے نامور استاد کے مواعظ کی جھلک ہوتی تھی اور وہ بھی واعظہ کے لقب سے مشہور ہو گئی تھیں۔ ان کے شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ ان میں سے بعض اس دور کے نامور محدثین میں شمار ہوئے۔ ان میں ابو غالب احمد بن حسنؒ بدر کرخیؒ اور ابوبکرؒ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت خدیجہؒ اخلاقِ فاضلہ سے متصف تھیں۔ مال ودولت کی طرف قطعاً کوئی رغبت نہیں تھی ہر کام رضائے الٰہی کی خاطر کرتی تھیں۔ اپنی زندگی انہوں نے اشاعتِ علم اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ انہوں نے محرم ۴۶۰ہجری میں ۸۴سال کی عمر میں وفات پائی۔

بعض اہل سِیَر نے ان کے مواعظ کے جو اقتباسات نقل کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؒ کی زبان میں بڑا اثر تھا اور ان کے دل میں ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ دیکھنے کی تڑپ تھی جو عیش وعشرت سے مجتنب اور احکام شریعت کا پابند ہو۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے اپنے استاد علامہ ابوالحسنؒ کے امالی کا ایک حصہ اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا اور پھر اسے ان کے شاگردوں نے نقل کر کے آگے پھیلایا۔

☆☆☆☆
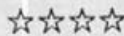
حضرت خدیجہ بنتِ سحنون رحمہا اللہ تعالیٰ

ان کا شمار تیسری صدی ہجری کی نامور عالمات میں ہوتا ہے وطنِ مالوف تیونس تھا۔ ۲۱۰ھ سے ۲۱۵ھ تک کے درمیانی عرصے میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام سحنون بن سعید تنوخی تھا جو فقہ مالکی کے بہت بڑے عالم تھے۔ بی بی خدیجہؒ نے اپنے والد کے علاوہ کئی دوسرے اونچے درجے کے علماء سے بھی تعلیم حاصل کی اور علم و فضل کے اعتبار سے معتبر مقام پر فائز ہو گئیں۔ قرآن اور حدیث پر ان کی گہری نظر تھی اور ہر طرح کے مسائل میں قرآن و حدیث سے استنباط کرتی تھی۔ فقہی مسائل میں امام مالکؒ کے مسلک پر عمل کرتی تھیں۔ نہایت عبادت گزار تھیں فرائض کے علاوہ سنن و نوافل بھی اہتمام سے ادا کرتی تھیں۔ اہلِ سِیَر نے ان کی پرہیز گاری، جلالتِ علمی، معاملہ فہمی اور اَخلاقِ حسنہ کی بہت تعریف کی ہے۔ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں۔ انہوں نے ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

☆☆☆☆
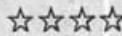
حضرت عائشہ بنتِ محمد حرّانی رحمہا اللہ تعالیٰ

ان کا شمار ساتویں صدی ہجری کی جلیل القدر محدّثات اور عالمات میں ہوتا ہے ۶۴۰ ہجری میں حرّان (شام) میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام محمد بن مسلم تھا۔ انہوں نے اپنی صاحبزادی کی تعلیم کا خاص اہتمام کیا اور ان کو اس دَور کے متعدد نامور علمائے حدیث و فقہ سے تعلیم دلائی۔ حضرت عائشہؒ کو بھی تحصیلِ علم کا بے حد شوق تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ذہنِ رسا بھی عطا کیا تھا، چند سال کے اندر اندر حدیث اور فقہ میں کامل دستگاہ پیدا کر لی اور مُحدِّثہ حرّان کے لقب سے مشہور ہو گئیں۔ ان کے اساتذہ میں محمد عبدالہادیؒ، ابراہیم بن خلیلؒ، فرح القرطبی، محمد بن ابوبکر بلخیؒ اور کئی دوسرے متبحّر علما شامل تھے۔ حضرت عائشہؒ پہلے حرّان میں اور پھر دمشق میں سالہا سال تک درس و تدریس میں مشغول رہیں۔ لوگ دُور دُور سے ان سے علمِ حدیث حاصل کرنے کے لیے

آتے تھے۔ایک روایت کے مطابق مشہور سیاح ابن بطوطہ نے بھی ۷۲۶ھ میں ان سے جامع دمشق میں استفاضہ کیا (جس کے ایک کونے میں بیٹھ کر وہ درسِ حدیث دیا کرتی تھیں) وہ بڑی قناعت پسند اور مخیّر تھیں ۔ اپنے شاگردوں اور حاجت مندوں کی دل کھول کر مدد کرتی تھیں۔کسی کو مصیبت اور تکلیف میں مبتلا دیکھتیں تو جس طرح بھی بن پڑتا اس کی مصیبت اور تکلیف دور کرنے کی کوشش کرتیں۔انہوں نے ۷۲۶ھ میں چھیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

☆☆☆☆

اُمّ الخیر جویریہؒ بنتِ زین الدین احمد

اُمّ الخیر جویریہؒ بنتِ قاضی زین الدین احمد کا شمار آٹھویں صدی ہجری کی نہایت بلند پایہ مُحدّثات وصالحات میں ہوتا ہے۔ان کا تعلق مکّہ معظمہ میں مقیم مشہورِ عالم طَبَری خاندان سے تھا جو علم وفضل کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا۔ان کے والد قاضی زین الدین احمد طبریؒ مکہ معظمہ کے قاضی تھے[1]۔ والدہ اُمِ کلثومؒ بنتِ ابوعبداللہ محمد غرناطی بھی بڑی عالمہ اور محدثہ تھیں ۔ یہ گھرانا جلالتِ علمی کے علاوہ دولتِ دنیا سے بھی بہرہ ور تھا۔والدین نے بڑے ناز ونعم سے اُمِ الخیر جویریہ کی پرورش اور تربیت کی ۔انہوں نے جویریہ کو ان کے بھائی زین محمدؒ کے ساتھ کئی جید علماء اور محدّثین کی خدمت میں تحصیلِ علم کے لیے بھیجا۔تکمیلِ تعلیم کے بعد بھائی اور بہن دونوں نے مکّہ معظمہ کے محدّثین اساتذہ سے اجازت حاصل کی ۔ان کے علاوہ ان کو مصر اور دمشق کے شیوخ سے بھی حدیث (بیان کرنے کی) اجازت حاصل ہوگئی۔اس کے بعد اُمّ الخیرؒ نے ساری زندگی دینی علوم (بالخصوص حدیث) کی اشاعت میں گزاری اور بے شمار لوگ ان کے خوانِ علم سے ریزہ چینی کر کے اونچے درجے کے عالم بن گئے۔

---

[1] قاضی زین الدین احمد طبریؒ ۶۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔انہوں نے اپنے دادا (نامور محدث

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ام الخیر جویریہ رحمہا اللہ اخلاقِ حسنہ کا پیکرِ جمیل تھیں۔ اپنے والد کی طرح وہ بھی نہایت سخی اور کشادہ دست تھیں۔ کوئی حاجت مند اور سائل کبھی ان کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔ اپنا مال بے دریغ اللہ کی راہ میں لٹاتی رہتی تھیں۔ ایک خوشحال گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود نہایت سادہ زندگی گزارتی تھیں، جسے زاہدانہ اور درویشانہ کہا جا سکتا ہے۔ اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتی تھیں اور بسا اوقات ان کی سخاوت ایثار کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔ فکرِ آخرت سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتی تھیں۔ عبادتِ الٰہی سے اس قدر شغف تھا کہ رات رات بھر عبادت میں مصروف رہتی تھیں اور کثرت سے نفلی روزے رکھا کرتی تھیں۔ نیکی کے ہر کام میں حصہ لینے کے لیے ہمیشہ کمربستہ رہتی تھیں۔ ان کی صالحیت اور جود و سخا نے لوگوں میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لی تھیں۔ آخری عمر میں وہ اپنے فرزند قاضی محب الدین نویریؒ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ چلی گئیں اور آخری دم تک مسجدِ نبوی ﷺ کے جوار میں مقیم رہیں۔ وہیں محرم ۹۵۷ھ میں انہوں نے پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ان کی وفات کی خبر جونہی پھیلی لوگ دور دور سے جنازے میں شامل ہونے کے لیے اُمڈ پڑے۔ جنازہ اٹھا تو حدِ نظر تک خلقت کا ہجوم اس کے پیچھے تھا۔ نمازِ جنازہ کے بعد اس جامع صفات ہستی کو جنت البقیع میں سپردِ خاک کیا گیا۔

☆☆☆☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

محب طبریؒ اور کئی مصری شیوخ سے حدیث پڑھی اور ان سے اجازتِ حدیث حاصل کی پھر سالہا سال تک مکہ معظمہ میں درسِ حدیث دیتے رہے۔ وہ اس مقدس شہر کے منصب قضا پر بھی فائز تھے۔ وہ بے حد خیّر اور سخی تھے ہر سال ۱۶ ذیقعد سے مکی پیمانے کے مطابق روزانہ دو من گوشت کا سالن پکواتے اور اسے مکہ معظمہ آنے والے مساکین میں تقسیم کرواتے۔ کسی سائل کو اپنے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہ جانے دیتے۔ رات کا کھانا اس وقت تک نہ خود کھاتے اور نہ اہلِ خانہ کو کھانے دیتے جب تک کسی سائل کے آنے کی امید ہوتی۔ کئی دفعہ سارا کھانا سائلوں کو دے دیتے اور خود اہلِ خانہ سمیت کھجوریں کھا کر سو جاتے۔ آخری عمر میں دونوں آنکھیں جاتی رہیں لیکن علاج معالجہ نہ کروایا۔ فرماتے تھے کہ میں اس تکلیف پر اللہ کے ہاں اجر کی امید رکھتا ہوں۔ انہوں نے ۴۲ھ ہجری میں وفات پائی۔

بی بی بیرم بنتِ احمد رحمہا اللہ تعالیٰ

بی بی بیرم بنتِ احمدؒ کا شمار نویں صدی ہجری کی نامور اہل علم خواتین میں ہوتا ہے۔ وہ ۸۳۲ھ میں غرناطہ (اندلس Spain) کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئیں ان کے والد احمد بن محمد ایک جید اور ہر دلعزیز عالمِ دین تھے۔ انہوں نے بیرم کی تعلیم تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ ان کو اپنی نگرانی میں نہایت بلند پایہ علماء و فقہا سے تعلیم دلائی یہاں تک کہ انہوں نے قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور دوسرے دینی علوم میں درجہء تبحّر حاصل کرلیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے فنِ قرات اور فنِ کتابت میں بھی بڑے قابل اساتذہ سے کسبِ فیض کیا اور نہ صرف ایک بہترین قاریہ بلکہ ایک باکمال خوشنویس بھی بن گئیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کو زیادہ سے زیادہ علم کی تحصیل کا اس قدر شوق تھا کہ مقامی اساتذہ کے علاوہ بیت المقدس کے بعض یگانہ، روزگار علماء سے بھی علم حاصل کیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے والد کے ساتھ غرناطہ سے بیت المقدس تک کا طویل سفر اختیار کیا اور عرصہ تک وہاں مقیم رہ کر جملہ علوم وفنون میں کمال حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تقریر و خطابت کا بھی خاص ملکہ عطا کیا تھا۔ وہ خواتین کے بڑے بڑے مجمعوں میں نہایت پُر اثر عالمانہ خطبے دیا کرتی تھیں ان کے خطبوں سے متاثر ہو کر اکثر خواتین میں دین سے محبت اور کارہائے خیر سے رغبت پیدا ہو جاتی تھی۔ لوگ ان سے علم حاصل کرنے کے لئے دور دور سے آتے تھے۔ اس طرح ان کے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ معرضِ وجود میں آ گیا تھا۔

بیرم بی بی کو مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ قرآنِ حکیم و کُتُب حدیث کے علاوہ بڑے بڑے ائمہء دین کی کتابیں ان کے زیرِ مطالعہ رہتی تھیں۔ حافظہ بھی غضب کا پایا تھا بے شمار تفسیری نکات، احادیث، فقہی مسائل، تاریخی واقعات اور عمدہ اشعار نوکِ زبان تھے۔ ان کی ذاتی زندگی بھی بڑی پاکیزہ اور قابلِ رشک تھی۔ بی بی بیرم نے ۸۸۴ھ یا ۸۸۵ھ میں وفات پائی۔

☆☆☆☆

دَورِ قریب (ماضی قریب) یا عہدِ حاضر

کی

چند صالحات

محترمہ حلیمہ بی رحمہا اللہ تعالیٰ

محترمہ حلیمہ بیؒ ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۸۴۰ء میں مدراس (تامل ناڈو بھارت) کے ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئیں جو دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے مدراس کے مسلمانوں میں ایک خاص مقام رکھتا تھا۔ والد کا نام قاضی بدر الدولہ تھا اور والدہ کا نام آمنہ بی۔ دونوں عربی فارسی اور اُردو میں اعلیٰ علمی استعداد رکھتے تھے حلیمہ بی نے عربی فارسی اور اُردو کی تعلیم اپنے والدین ہی سے حاصل کی اور اس کے علاوہ علمِ طب بھی حاصل کیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دستِ شفا عطا کیا جس سے بے شمار مریضوں کو فائدہ پہنچا۔ نہایت صالحہ اور نیک فطرت خاتون تھیں۔ شادی بیاہ اور مرگ کے سلسلے میں مسلمانوں میں جو فضول رسوم رواج پا گئی تھیں ان کے سخت خلاف تھیں۔ انہوں نے ساری عمر ان رسوم کے خلاف جہاد کرتے گزاری اور معاشرے کی اصلاح میں اہم کردار ادا کیا۔

حلیمہ بی کو دینی علوم کی نشر و اشاعت اور درس و تدریس سے بھی بڑی دلچسپی تھی چنانچہ انہوں نے ایک دینی مدرسے کی تاسیس کے لیے زمین کا ایک بڑا ٹکڑا وقف کیا تھا اس پر ۲۶ رجب ۱۳۵۹ھ کو دیوان صاحب باغ میں عربی مدرسہ محمدی کی بنیاد رکھی گئی۔ مشہور سیرت نگار اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ کا بیان ہے کہ حلیمہ بی نے مدرسہ محمدی کے لئے اپنا مکان اور اطراف کی بہت سی زمین وقف کی۔ مولانا محمد یوسف کوکن نے اپنی کتاب "خانوادہ قاضی بدر الدولہ" میں لکھا ہے کہ مدرسہ کے لیے پہلی مرتبہ زمین وقف کرتے وقت حلیمہ بیؒ نے وصیّت کی کہ اگر آئندہ مدرسہ کے لئے ضرورت پیش آئے تو زمین کا ایک اور حصہ بھی مدرسہ کے لیے دیا جائے۔

جناب علیم صبا نویدی نے اپنی تالیف "خواتین ٹملناڈو کی دینی و علمی خدمات" میں لکھا ہے کہ حلیمہ بی کی وصیت کے مطابق اُن کے پوتے ابو احمد عبد اللہ نے اس (مدرسہ محمدی کے) احاطے میں ایک اور عمارت تیار کی جس میں آج کل امانتی کتب خانہ ہے گویا یہ کہنا مقصود ہے کہ حلیمہ بی کا فیضان آج بھی جاری ہے۔

حلیمہ بیؒ کی شادی ۱۲۶۹ھ بمطابق ۱۸۵۲ء میں غلام محمد شرف الدولہ (جو ان کے ابنِ عم اور عبد الوہاب بدر الامراء کے فرزند تھے) سے ہوئی۔ حلیمہ بیؒ نے ۹ رجب ۱۳۴۳ھ

بمطابق ۳ فروری ۱۹۲۵ء کو تقریباً پچاسی سال کی عمر میں پیکِ اجل کو لبیک کہا اور مسجدِ والا جاہی (مدراس) میں مدفون ہوئیں۔

(خواتین تملناڈو کی دینی و علمی خدمات)

☆☆☆☆

محترمہ بی صاحبہ حسینہ بی رحمہا اللہ تعالیٰ

نام تو حسینہ بی تھا لیکن اپنے عرف یا لقب بی صاحبہ سے شہرت پائی یہ حلیمہ بیؒ کی چھوٹی بہن تھیں۔ ۱۵ رمضانُ المبارک ۱۲۶۳ھ (بمطابق ۲۷ اگست ۱۸۴۷ء) کو مدراس میں پیدا ہوئیں۔ عربی فارسی اور اُردو کی تعلیم اپنے والدِ ماجد قاضی بدر الدولہ سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ انگریزی زبان بھی سیکھی۔ عربی اور فارسی زبانوں پر اتنا عبور حاصل ہو گیا تھا کہ ان زبانوں میں لکھی گئی کتابوں کا اردو میں ترجمہ بلا تکان کر لیتی تھیں۔ عربی سے اُردو میں ان کی ترجمہ کی ہوئی کتاب "الترغیب والترہیب" بہت مشہور ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے عربی کی ایک اور کتاب سے اُردو میں ترجمہ "رسالہ مسواک" کے نام سے کیا جو اُردو دان طبقے میں بہت مقبول ہوا۔ ایک اور کتابچہ "رسالہ عقد انامل" کے نام سے مرتب کیا۔ اس میں اللہ کے نام ایک ہزار تک انگلیوں کے پوروں پر پڑھنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

حسینہ بیؒ علم طب میں بھی خاص دسترس رکھتی تھیں۔ خود ان کے خاندان کی خواتین اور بچے بیماری کی حالت میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ وہ نہ صرف ان کو مفید مشورے دیتی تھیں بلکہ اپنی تیار کی ہوئی دواؤں سے ان کا علاج بھی کرتی تھیں۔ ان کے جاننے والوں کا بیان ہے کہ ان کو عربی ادب اور شاعری سے بھی خاصا لگاؤ تھا۔ حسینہ بیؒ نہایت عبادت گزار اور صالحہ خاتون تھیں انہوں نے تصوف اور سلوک کی منزلیں بھی غائبانہ طور پر طے کیں اور روحانی اعتبار سے بھی خاص مقام حاصل کر لیا۔ وہ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ (مطابق ۳ نومبر ۱۸۹۱ء) کو اس عالَمِ فانی سے دار البقا کو سدھاریں۔

(خواتین تملناڈو کی دینی و علمی خدمات)

محترمہ امام بی بی، بے جی رحمہا اللہ تعالیٰ

محترمہ امام بی بیؒ جن کو ان کی اولاد اور رشتے دار یا عمر میں چھوٹے سب لوگ بے جی کہتے تھے، حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ ان کا تعلق سمبڑیال ضلع سیالکوٹ کے ایک کشمیری گھرانے سے تھا۔ سیالکوٹ کے شیخ نور محمدؒ سے شادی کے کچھ عرصہ بعد محترمہ امام بی بی کے گھر والے (یعنی شیخ نور محمدؒ کے سسرال والے) سیالکوٹ میں آ کر آباد ہو گئے۔ بے جیؒ کے زمانے میں خواتین (بالخصوص دیہات کی خواتین) میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لیے بے جی نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا البتہ نماز ان کو ازبر تھی اور وہ اس کو پابندی سے ادا کیا کرتی تھیں۔ ناخواندہ ہونے کے باوجود وہ حلم و وقار، خوش خُلقی، سمجھ بوجھ، معاملہ فہمی، خانہ داری، دریا دلی اور صالحیت یا تدیّن کے اعتبار سے ایک مثالی خاتون تھیں۔ برادری کے باہمی جھگڑے نہایت عمدگی سے سلجھا لیتی تھیں اور ایک دوسرے سے ناراض عناصر کو باہم گلے مِلوا دیتی تھیں۔ اپنی خوش خُلقی اور دردمندی کے باعث وہ محلے کی خواتین میں بے حد ہر دلعزیز تھیں۔ ان کو بے جی پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب کبھی ضرورت پڑتی وہ اپنے زیورات یا روپیہ پیسہ ان کے پاس امانت رکھوا دیتی تھیں۔ بے جیؒ ایسی تمام امانتیں بڑی احتیاط کے ساتھ علیحدہ علیحدہ سرخ کپڑے کی پوٹلیوں میں باندھ کر اپنے پاس محفوظ کر لیتی تھیں۔

بے جیؒ کی زندگی کا سب سے تابناک پہلو اُن کا جذبہ خیر تھا وہ غریبوں اور حاجت مندوں کی اس طرح مدد کرتی تھیں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ کئی حاجت مند خواتین کو ان کے دستِ فیض رساں سے پوشیدہ طور پر نقد رقوم ملتی رہتی تھیں۔ پوشیدہ طور پر اس لیے کہ وہ یہ کام نام و نمود کے لیے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا کی خاطر کرتی تھیں۔ ان کے بڑے فرزند شیخ عطا محمد بے جی کی ایسی خیرات کو گپت دان کہا کرتے تھے۔ وہ جب رخصت پر سیالکوٹ آتے تو بے جی کو اس گپت دان کے لیے خصوصی رقم دیا کرتے تھے۔ اس طرح بے جی کا دریائے فیض برابر جاری رہتا تھا۔ وہ ایک اور انداز سے بھی غریبوں کی مدد کیا کرتی تھیں وہ یوں کہ نادار گھرانوں کی تین چار لڑکیاں اپنے ہاں لے آتی تھیں اور ان کی کفالت اپنے ذمہ لے لیتی تھیں۔ ان بچیوں کو وہ اپنی بیٹیوں کی طرح سمجھتی تھیں اور ان سے بہت پیار کرتی تھیں۔ یہ بچیاں گھر کے

کام کاج میں ہاتھ بٹاتی تھیں لیکن ملازموں کی طرح نہیں بلکہ دوسرے اہلِ خانہ کی طرح وہ اس کو اپنا (یعنی اپنے گھر کا) کام سمجھ کر کرتی تھیں۔ بے جی کی بہو بیٹیاں ان کی ہدایت کے مطابق ان بچیوں کو قرآن مجید پڑھاتیں، نماز سکھاتیں، معمولی دینی تعلیم دیتیں اس کے علاوہ اُردو لکھنا پڑھنا، کھانا پکانا اور سینا پرونا بھی سکھاتی تھیں۔ کچھ مدت کے بعد وہ مناسب رشتہ تلاش کر کے ان کی شادی کر دیتیں اور انہیں اپنی بیٹیوں کی طرح رخصت کرتیں۔ یہ لڑکیاں عمر بھر بے جی کو اپنی حقیقی ماں کا درجہ دیتی تھیں اور ان کے پاس اپنے سسرال سے اُسی طرح آتیں جس طرح بیٹیاں اپنے میکے آتی ہیں۔

بے جیؒ اپنی اولاد کی تربیت پر خاص توجہ دیتی تھیں اور ہر وقت ان کو ادب و تمیز سکھانے میں کوشاں رہتی تھیں۔ علامہ اقبالؒ نے ان کے حُسنِ تربیت اور حُسنِ عمل کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین ادا کیا ہے:

تربیت سے میں تری انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا

دفترِ ہستی میں تھی زرّیں وَرَق تیری حیات
تھی سراپا دین دنیا کا سبق تیری حیات

(بانگِ درا)

بے جیؒ نہایت اعلیٰ درجے کی منتظم تھیں اور اقبالؒ ان سے بے حد محبت کرتے تھے بے جیؒ کو بھی ان سے والہانہ محبت تھی جب وہ یورپ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے تو وہ پہروں ان کے خطوط کے انتظار میں بیٹھی رہتی تھیں۔

جب تک بے جیؒ حیات رہیں لاہور کے دورانِ قیام میں علامہ اقبالؒ کا یہ معمول رہا کہ وہ گرمیوں کی تعطیلات میں، یا جب بھی ان کو فرصت ملتی، سیالکوٹ والدہ کی خدمت میں پہنچ جاتے۔ دوپہر کو کھانے سے پہلے یا کھانے کے بعد روزانہ زنان خانے میں محفل جمتی جس میں بے جی، اقبال کی بہنیں اور بے جی کی بہوئیں شریک ہوتیں۔ اس محفل میں برادری اور محلے کے واقعات اور تنازعات کا ذکر ہوتا جن کو اقبالؒ بڑی دلچسپی سے سُنتے۔ اُس وقت مسکراہٹ ان کے لبوں پر کھیل رہی ہوتی بعض اوقات وہ تفننِ طبع کے طور پر بے جی سے پوچھتے 'اچھا'' بے جی فلاں ساس اور بہو کے جھگڑے کا فیصلہ کس طرح ہوا اور آپ نے ان کے درمیان کیسے صلح کرائی؟

بے جیؒ ۹ نومبر ۱۹۱۴ء کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئیں اور امام صاحب کے

قبرستان میں ان کو سپردِ خاک کیا گیا۔ علامہ اقبالؒ کو ان کی وفات سے شدید صدمہ پہنچا اور بہت دنوں تک ان پر یاس کی کیفیت طاری رہی۔ مولانا عبدالمجید سالکؔ (مرحوم) کا بیان ہے کہ میں تعزیت کے لیے علامہ اقبالؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ دیر تک والدہ مرحومہ کے اوصاف و محاسن بیان کر کے آبدیدہ ہوتے رہے۔ کہتے تھے کہ جب میں سیالکوٹ جاتا تھا تو والدہ مرحومہ شگفتہ ہو کر فرماتیں "میرا بالی آ گیا" اُس وقت میں اپنے آپ کو ایک ننھا سا بچہ سمجھنے لگتا۔

علامہ اقبالؒ نے (آنجہانی) مہاراجہ سر کشن پرشاد (صدرِ اعظم حیدر آباد دکن) کے نام ایک خط میں اپنی والدہ مرحومہ کی وفات کے حوالے سے ان جذبات کا اظہار کیا:

" انسان اپنی کمزوری کو چھپانے میں کس قدر تاک ہے، بے بسی کا نام صبر رکھتا ہے اور پھر اس صبر کو ہمت و استقلال کی طرف منسوب کرتا ہے، مگر اس حادثے نے میرے دل و دماغ میں ایک شدید تغیر پیدا کر دیا ہے۔ میرے لیے دنیا کے معاملات میں دلچسپی لینا اور دنیا میں بڑھنے کی خواہش کرنا صرف مرحومہ کے دم سے وابستہ تھا۔ اب یہ حالت ہے کہ موت کا انتظار ہے۔ دنیا میں موت سب انسانوں تک پہنچتی ہے اور کبھی انسان بھی موت تک جا پہنچتا ہے میرے قلب کی موجودہ کیفیت یہ ہے کہ وہ تو مجھ تک پہنچتی نہیں کسی طرح میں ان تک پہنچ جاؤں"

بے جیؒ کی وفات پر علامہ اقبالؒ نے اپنے دلی جذبات کا اظہار اپنی بے مثل نظم "والدہ مرحومہ کی یاد میں" کیا۔ یہ لافانی نظم بانگِ درا میں شامل ہے۔

☆☆☆☆
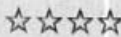
محترمہ زینب بنتِ عبدالکریم رحمہا اللہ تعالیٰ

محترمہ زینب (دخترِ منشی عبدالکریمؒ) مرحومہ میاں طفیل محمد صاحب سابق امیر جماعتِ اسلامی پاکستان کی والدہ ماجدہ تھیں۔ وہ ایک نہایت صابر شاکر، سخی، عبادت گزار اور فنا فی القرآن خاتون تھیں۔ ان کا آبائی گاؤں صفدر پور ارائیاں تھا جو مشرقی پنجاب (بھارت) کے مشہور شہر کپورتھلہ کے مغرب میں چند میل کے فاصلے پر دریائے بیاس کے پاس واقع ہے۔ ان کی

شادی رائے پور ارائیاں کے میاں برکت علیؒ سے ہوئی جو ایک مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ رائے پور ارائیاں کپورتھلہ شہر سے شمال کی جانب ۱۳ میل کے فاصلے پر دریائے بیاس کے کنارے واقع ہے۔ میاں برکت علی اور محترمہ زینب کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹے اور چھ بیٹیاں عطا کیں۔ دو بیٹے بچپن ہی میں فوت ہو گئے اسی طرح دو بیٹیاں بھی بچپن میں فوت ہو گئیں۔ ۱۷۔۱۸ سال کی عمر میں ایک جوان بیٹی پاکستان آ کر فوت ہوئی۔ یوں ان کی اولاد میں صرف تین بیٹیاں اور ایک فرزند (میاں طفیل محمد) باقی رہ گئے۔ میاں طفیل محمد صاحب کا بیان ہے کہ:۔

''میں نے والدہ صاحبہ کو کسی بچے کے فوت ہونے پر ذرہ برابر بھی جزع فزع کرتے نہیں دیکھا، بس خاموشی سے آنسو ٹپکے اور مکمل صبر و تحمل کے ساتھ میت کو دفن کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ ہر موقع پر والدہ صبر و شکر کا پیکر بنی رہیں اور جو زندہ تھے ان کی خیر مناتی رہیں کہ اللہ کا مال اور عطیہ ہے، وہ جس کو چاہے لے لے اور جسے چاہے ہمارے پاس رہنے دے''

محترمہ زینبؒ نے قرآن مجید اور دوسری دینی تعلیم اپنے درویش منش پھوپھا مولانا عبدالقادرؒ سے پائی[1]۔ ان کو تلاوتِ قرآن اور نوافل کا بے حد شوق تھا۔ گھر کے کام کاج نمٹا کر

---

[1] میاں طفیل محمد بیان کرتے ہیں کہ میں نے باجہ گاؤں میں مولانا عبدالقادرؒ سے بڑھ کر خدا پرست، متوکل علی اللہ، متانی الدین شخص کوئی نہیں دیکھا۔ وہ خود ہل چلا کر اپنی مختصر سی زمین میں روزی کماتے اور پھر دس بجے کے قریب میری والدہ کے آبائی گاؤں صفدر پور چلے جاتے جو باجے سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر بڑا گاؤں تھا۔ وہ پیدل چل کر چند طالب علموں کے ساتھ صفدر پور کی مسجد میں آ کر ڈیرا ڈال دیتے اور اس مسجد میں مقیم شاگردوں کو قرآن، حدیث، فقہ اور دوسرے متعلقہ علوم کی تعلیم دینے میں مصروف ہو جاتے۔ پھر عصر کی نماز پڑھا کر اپنے ان شاگردوں کے ہمراہ جو باجے سے ان کے ساتھ آتے واپس چلے جاتے اور گھر کے کام کاج کرتے۔ یہ ان کا مستقل اور روزمرہ کا معمول تھا جسے انہوں نے عمر بھر پابندی سے نبھایا۔ سر پر سبز پگڑی اور عربوں جیسا ٹخنوں تک کھدر کا کرتا، یہ ان کا مستقل لباس تھا۔ کھانا گھر سے کھا کر آتے اور رات کو گھر جا کر کھاتے۔ مدرسہ یا اہل دیہہ پر ان کا ہرگز کوئی بار نہ تھا صفدر پور کے کچھ متعین گھر درویشوں (مقیم طالب علموں) کی تعداد کے لحاظ سے صبح شام ایک ایک روٹی مہیا کرتے تھے اور بس۔

قرآن مجید یا پھر پنجابی کتاب "احوال الآخرۃ" لے کر بیٹھ جاتیں۔ نوافل بڑی کثرت سے پڑھا کرتی تھیں۔ آخر عمر میں جب بچوں سے فارغ ہو گئیں، ہر وقت قرآن مجید کی تلاوت کرتی رہتی تھیں یا نوافل پڑھتی رہتی تھیں۔ پنجگانہ نمازیں اپنے وقت پر پابندی سے پڑھتی تھیں۔ اپنے بچوں کو بھی نماز سکھا کر اس کی پابندی کراتیں اور رمضان المبارک میں ان کو روزہ رکھنے کی عادت ڈالتیں۔ ہر کام بسم اللہ سے شروع کرتیں۔ انہوں نے اپنی زبان کو کبھی کسی کی غیبت یا چغلی سے آلودہ نہیں کیا۔ ان کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ لباس ہمیشہ قمیص شلوار اور دوپٹے پر مشتمل تھا۔ کانوں میں چاندی کی ڈنڈیوں اور بانہوں میں ایک آدھ چوڑی کے سوا شاذ ہی کبھی کوئی زیور پہنا ہو۔ کھانا بھی عام دال روٹی اور سبزی اور کبھی کبھار گوشت جب مہیا ہوا کھا لیا۔

میاں طفیل محمد کہتے ہیں کہ غریبانہ گزر بسر ہونے کے باوجود میری والدہ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ان کی کوشش یہ ہوتی کہ گھر کی کم سے کم ضروریات کو چھوڑ کر جو ہاتھ میں ہو وہ کسی ضرورت مند کو دے دیا جائے۔ ان کی یہ بات مجھے کبھی نہیں بھولی کہ اپنے کھانے کا کیا ہے وہ روکھا سوکھا ٹکڑا کھا لیں یا حلوا پلاؤ کھا لیں، سب اگلی صبح گندگی بن کر خارج ہو جائے گا۔ اپنا تو وہی ہے جو کسی دوسرے کے پیٹ میں چلا جائے۔ حتی الامکان وہ کسی سوالی کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیتی تھیں کھانا پکانے سے لے کر دھلائی صفائی تک گھر کے سارے کام عمر بھر وہ خود ہی کرتی رہیں۔

محترمہ زینب "قیامِ پاکستان تک اپنے پورے کنبے کے ساتھ رائے پور ارائیاں ہی میں مقیم رہیں۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں وہ سارے خاندان کے ساتھ وہاں سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئیں [1]۔ یہ سب لوگ پھرالہ چک نمبر ۲۵۸ گ ب متصل ڈجکوٹ ضلع فیصل آباد میں آباد ہو گئے۔ وہیں محترمہ زینب نے ۱۹۷۹ء میں اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

☆☆☆☆

---

[1] میاں طفیل محمد صاحب ۱۹۴۴ سے جماعتِ اسلامی کے مرکز دارالاسلام پٹھانکوٹ میں مقیم تھے، وہاں سے ۳۰ اگست ۱۹۴۷ء کو ہجرت کر کے لاہور آ گئے تھے۔

محترمہ محمودہ بیگم رحمہا اللہ تعالیٰ

محترمہ محمودہ بیگم مرحومہ، میاں طفیل محمد سابق امیر جماعتِ اسلامی پاکستان کی زوجہ تھیں ۔انہوں نے اپنی عزیمت واستقامت اور صبرو صالحیت کی جو روشن مثال قائم کی اس کو دیکھ کر ان کو بلا تامل ایک مثالی مومنہ خاتون کہا جا سکتا ہے۔محترمہ محمودہ بیگم کے والد میاں فتح محمد زمیندار بھی تھے اور محکمہ ڈاک (ہندوستان) کے ملازم بھی۔وہ میاں طفیل محمد صاحب کے حقیقی ماموں تھے۔ان کی سرکاری ملازمت کا سارا زمانہ بلوچستان میں گزرا۔وہ میر جاوا، فورٹ سنڈیمن، لورالائی ، چمن ، سبی ، نوشکی ، دالبندین ، قلات، خضدار، کوئٹہ وغیرہ مختلف مقامات پر بطور سب پوسٹ ماسٹر تعینات رہے۔محمودہ بیگم ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۵ء کے درمیان کسی وقت پیدا ہوئیں ان کا بچپن (سولہ سترہ سال کی عمر تک) بلوچستان کے قبائلی ماحول میں گزرا اور ان کو بلوچی، بروہی، پشتون ، ایرانی وغیرہ مختلف نسلوں کی لڑکیوں سے میل جول اور مل کر رہنے سہنے اور کھیلنے کا موقع ملا۔ان کے والد نے ان کی اور اپنی دوسری بچیوں کی تعلیم بالخصوص دینی تعلیم کا گھر پر انتظام کر رکھا تھا۔اس تعلیم کا یہ اثر تھا کہ ہر قسم کا لٹریچر بآسانی پڑھتی اور سمجھتی تھیں۔قرآنِ حکیم کی تعلیم انہوں نے ایک عالمِ دین سے حاصل کی اس لیے قرآنِ پاک کو سمجھ کر پڑھتی تھیں۔

محترمہ محمودہ بیگم کی شادی میاں طفیل محمد سے یکم جون ۱۹۴۱ء کو ہوئی۔شادی کے دوسرے دن ان کے والدین ولیمہ میں شریک ہونے کے لیے میاں طفیل محمد صاحب کے گاؤں رائے پور ارائیاں آئے۔اگلے دن وہ اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر اپنے گاؤں کے لئے بیل گاڑی پر روانہ ہوئے (بیل گاڑی اس زمانے میں بڑی اعلیٰ سواری سمجھی جاتی تھی) تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ایک المناک سانحہ پیش آیا وہ یہ کہ میاں فتح محمد کو دل کا دورہ پڑا اور وہ زمین پر گر کر جاں بحق ہو گئے۔لوگ ان کی میت اٹھا کر واپس رائے پور ارائیاں لے آئے۔اس طرح محترمہ محمودہ بیگم شادی کے فوراً بعد سایہء پدری سے محروم ہو گئیں۔

۲۶۔اگست ۱۹۴۱ء کو جماعتِ اسلامی پاکستان کی تاسیس ہوئی اور اسی دن میاں طفیل محمد جماعتِ اسلامی میں شامل ہو گئے۔اس زمانے میں وہ کپورتھلہ (مشرقی پنجاب، بھارت) میں ایک کامیاب وکیل کی حیثیت سے کام کر رہے تھے مگر جماعت کا رکن بننے کے بعد

انہوں نے چند ماہ کے اندر (جنوری ۱۹۴۲ء تک) نہ صرف وکالت کا پیشہ (جو جماعت اسلامی کے نزدیک ناپسندیدہ تھا) ترک کر دیا بلکہ اپنی وضع قطع بھی تبدیل کر لی (سوٹ بوٹ چھوڑ کر سادگی اختیار کر لی) امیر جماعت اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس جوہرِ قابل کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور ان کو جماعتِ اسلامی کا قیّم (سیکرٹری) نامزد کر دیا۔

میاں صاحب جماعت کے ہمہ وقتی قیّم کی حیثیت سے کام کرنے ۷ اپریل ۱۹۴۴ء کو پٹھان کوٹ (حال مشرقی پنجاب بھارت) پہنچ گئے جو اس وقت ''دارالاسلام'' کے نام سے جماعتِ اسلامی کا مرکز تھا۔ دو تین ماہ کے بعد وہ اہلیہ کو بھی وہاں لے آئے۔ دارالاسلام میں رہائش کے لیے انہیں بغیر پلستر کے دو کمروں اور ایک برآمدے پر مشتمل ایک کوارٹر ملا۔ گزارے کے لیے میاں صاحب کا وظیفہ سَو روپے ماہانہ مقرر ہوا۔ کوارٹر میں نہ بجلی تھی نہ پانی اور نہ باورچی خانہ۔ یہ بڑی کٹھن زندگی تھی جو محترمہ محمودہ بیگم نے شدت سے محسوس کی۔ میاں طفیل محمد کا بیان ہے کہ اہلیہ کو وہاں کی زندگی اس لیے تکلیف دہ محسوس ہوئی کہ وہ دعوت اور اس کے تقاضوں سے ابھی واقف نہیں ہوئی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں ناگواری کا اظہار کرنا شروع کیا تو ایک دن میں نے نرمی کے ساتھ ان سے کہا:

''دیکھیے میں نے اس راہ کو خوب سوچ سمجھ کر اور سارے نتائج پیشِ نظر رکھ کر اختیار کیا ہے۔ میں تو اس راہ کو کسی صورت میں نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ اچھی طرح سے سوچ لیجیے کہ اس کٹھن راہ میں میرے ساتھ چل سکتی ہیں یا نہیں۔ اگر چل سکتی ہیں تو اس سے بڑھ کر میرے لیے خوشی کی کوئی بات نہ ہوگی اور اگر آپ اپنے اندر میرا ساتھ دینے کی ہمت نہیں پاتیں اور میرا طرزِ عمل پسند نہیں کرتیں بلکہ دنیا کی آسائشیں چاہتی ہیں تو میں آپ کو آزاد کرنے کے لئے تیار ہوں تاکہ آپ اپنی پسند کی راہ اختیار کر لیں۔ میری بات سن کر اللہ کی اس بندی نے ہر مشکل جھیلنے اور ہر حال میں ساتھ دینے کا عزم ظاہر کیا اور سچی بات یہ ہے کہ وہ توقعات سے بڑھ کر اس میں سُرخرو ہوئی۔

اس کے بعد محترمہ محمودہ بیگم تقریباً چھیالیس سال حیات رہیں۔ اس طویل عرصے میں میاں صاحب کی درویشانہ زندگی میں بڑی بڑی آزمائشیں آئیں قید و بند کی صورت میں بھی اور سخت تنگ دستی کی صورت میں بھی۔ اس دوران میں بیگم صاحبہ کو ناقابلِ بیان تکالیف کا سامنا کرنا پڑا لیکن جہاں میاں صاحب ان تمام آزمائشوں میں پورے اُترے وہاں بیگم صاحبہ نے بھی تمام

شدائد نہایت ہمت حوصلے اور صبر وشکر کے ساتھ برداشت کیے۔ گھر کا انتظام بھی جیسے تیسے چلاتی رہیں اور بچوں کی نگہداشت اور تعلیم وتربیت میں بھی کوئی خلل نہ پڑنے دیا۔ میاں صاحب کا بیان ہے کہ:

''میں سات مرتبہ جیل گیا ہوں مگر میری بیوی نے نہ کبھی کوئی شکایت کی اور نہ اعتراض۔ اسے میری وجہ سے بہت تکالیف اُٹھانا پڑیں ہیں لیکن وہ ہر حال میں صابرو شاکر رہی ہیں۔ ہماری پہلی گرفتاری کے پورے بیس ماہ کے عرصے میں صرف ایک مرتبہ جیل میں ملاقات کے لئے آسکیں باقی مدت میں خط وکتابت ہی سے خیروعافیت معلوم کرتے رہے''

محترمہ محمودہ بیگم صاحبہ نہایت منکسر المزاج، قناعت پسند، مُخَیِّر، محنتی اور خدا ترس خاتون تھیں۔ نفاستِ طبع کا یہ حال تھا کہ گھر میں کہیں کوئی تنکا یا فرش پر کوئی دھبہ دیکھنا قطعاً گوارا نہ کرتی تھیں۔ لوگ ان کے گھر کی صفائی کو دیکھ کر اس پر رشک کرتے تھے۔ خواتین کے اجتماع میں جاتیں تو خاموشی سے ایک طرف ہو کر اس طرح بیٹھ جاتیں گویا ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اگرچہ ان کے پاس دولت کی فراوانی کبھی نہیں رہی بلکہ زندگی کا بڑا حصہ تنگ دستی یا محدود آمدنی میں گزارا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑا کشادہ دل عطا کیا تھا۔ کبھی کوئی حاجت مند خاتون اپنی حاجت لے کر ان کے پاس آتی تو اس کو خالی ہاتھ کبھی واپس نہ کرتی تھیں۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے بعض غریب بیواؤں کی ماہانہ امداد بھی مقرر کر رکھی تھی جو اگرچہ زیادہ نہ تھی لیکن وہ اسے پابندی سے ادا کرتی تھیں میاں صاحب کا بیان ہے کہ:

'' میں نے جماعت کا جتنا کچھ کام بھی کیا ہے اس میں ۷۵ فیصد حصہ اس خاتون کا ہے اس نے گھر کی ہر فکر سے مجھے آزاد کر رکھا تھا۔ میں بس بیت المال سے ملنے والی کفالت کی رقم لا کر اسے دے دیتا تھا۔ اس کے بعد اس سے گزر کرنا اس کا کام تھا۔ راضی برضائے الٰہی رہنا اس کا مستقل شیوہ تھا۔''

میاں صاحب کے فرزند میاں حسن فاروق صاحب کا بیان ہے کہ امّی مرحومہ عمر بھر گھر کے کاموں میں پوری دلچسپی لیتی رہیں۔ آخری عمر میں (وفات سے سال ڈیڑھ سال پہلے) جب سے ان کے جوڑوں میں تکلیف زیادہ بڑھ گئی تو نمازِ فجر کے بعد آٹھ نو بجے تک لیٹنا ان کا معمول بن گیا تھا لیکن ابا جان کا ناشتہ پھر بھی ہمیشہ کی طرح خود بناتیں اور دیتیں اور کھانا بھی انہیں خود ہی

کھلاتیں۔ان کا سارا وقت یا تو کام میں یا پھر مطالعہ میں صَرف ہوتا۔(وہ دینی لٹریچر کے علاوہ کم از کم دو روزنامے جسارت اور نوائے وقت یا جنگ روزانہ پڑھتی تھیں۔تکبیر،ایشیاء،بتول اور کئی دوسرے پرچوں کا مطالعہ بھی باقاعدگی سے کرتی تھیں)

جب تک میاں صاحب کے بیٹوں نے برسرِ روزگار ہو کر اپنے کپڑے خود سلوانے کا انتظام نہ کر لیا،گھر کے تمام افراد کے کپڑے محترمہ محمودہ بیگم خود سیتی رہیں۔(صرف شیروانی اور کوٹ درزی سے سلوائے جاتے تھے) شادی کے وقت ان کو جو سلائی مشین جہیز میں ملی تھی وہ اسی سے عمر بھر کام لیتی ہیں۔وہ پرانے کپڑوں کو نئے بنا لینے کا فن خوب جانتی تھیں۔بڑوں کے پرانے کپڑوں کے جاندار ٹکڑے جوڑ جاڑ کر چھوٹے بچوں کے کپڑے بنا دیتی تھیں۔

محترمہ محمودہ بیگم کو زندگی کے آخری چند سالوں میں قدرے معاشی کشادگی نصیب ہوئی لیکن روز افزوں مہنگائی نے ان کی مشقت میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔حقیقت یہ ہے کہ تنگی ترشی اور فقر و فاقے میں اور تمام گرم و سرد حالات میں محترمہ محمودہ بیگم نے میاں صاحب کا بھرپور ساتھ دیا اور ان سے نہ کبھی کوئی مطالبہ کیا اور نہ کوئی شکوہ یا شکایت۔

۴ نومبر ۱۹۹۰ء کو محترمہ محمودہ بیگم نمازِ مغرب کے لیے کھڑی ہوئیں۔ایک رکعت پڑھ لی اور دوسری کے لیے ہاتھ باندھے کھڑی تھیں کہ خالقِ حقیقی کی طرف سے بلاوا آ گیا اور وہ سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے لڑکھڑا کر گریں اور جاں بحق ہو گئیں۔اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔چند سال پہلے انہوں نے حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کی تھی۔حسنِ اتفاق سے محترمہ وفات کے وقت اسی قمیص شلوار اور چادر میں ملبوس تھیں جس میں انہوں نے حج کیا تھا۔مرحومہ نے اپنے پیچھے چار سعادت مند بیٹے اور آٹھ بیٹیاں چھوڑیں۔

(یہ مضمون پروفیسر کریم بخش نظامانی صاحب کی تالیف "میاں طفیل محمد" میں حافظ محمد ادریس صاحب کے مضمون "بیگم میاں طفیل محمد" کی مدد سے لکھا گیا ہے)

☆☆☆☆
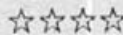
محترمہ کریم بی بی رحمہا اللہ تعالیٰ

محترمہ کریم بی بی رحمہا اللہ تعالیٰ نامور ادیب، مصنف اور نعت گو جناب لالہ صحرائی (چودھری محمد صادق) مرحوم کی والدہ ماجدہ تھیں۔ ان کی زندگی ایک بیوی، ایک ماں اور ایک ساس کی حیثیت سے ایک مثالی زندگی تھی۔ انہوں نے ناظرہ قرآن مجید کے سوا کوئی اور تعلیم حاصل نہیں کی تھی گویا عرفِ عام میں اَن پڑھ تھیں لیکن انتہائی پاکباز، عبادت گزار اور صابر و شاکر خاتون تھیں۔ ان کو قرآن حکیم اور عبادتِ الٰہی سے عمر بھر والہانہ شغف رہا۔ اسی طرح انہوں نے جس طرح اپنے شوہر کی خدمت گزاری کی اور اپنی اولاد اور بہوؤں سے جس بے پناہ محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا وہ بھی اپنی نظیر آپ ہی تھا۔ اس زمانے میں ایسی مثالیں شاذ ہی دکھائی دیتی ہیں۔ محترمہ کریم بی بیؒ کے فرزند چودھری محمد صادقؒ (لالہ صحرائی) کا بیان ہے کہ:

"اپنے ہوش سنبھالنے سے اُن کے ایامِ وفات تک میں نے ان کی صبح کی تلاوت قرآن مجید میں کبھی ناغہ نہ پایا۔ عمر ڈھلنے سے پہلے ایک عرصے تک اُن کا یہ معمول رہا کہ سردی ہو یا گرمی، وہ رات کے پچھلے پہر اٹھ جاتیں، پھر تہجد کے نوافل کے بعد جھٹ چکی پر بیٹھ جاتیں اور روزانہ ضرورت کے مطابق آٹا پیسنا شروع کر دیتیں جس کے ساتھ ہی وہ سورۃ رحمٰن کی تلاوت کا آغاز بھی کر دیتیں جو انہوں نے زبانی یاد کر رکھی تھی۔ وہ ماشاء اللہ بہت خوش الحان تھیں۔ آخرِ شب کے سناٹے میں جب چکی کی گھمر گھمر کے ساتھ سورۃ رحمٰن کا ملکوتی آہنگ اُن کی خوش آوازی میں ڈھلتا تو بعض اوقات میری آنکھ کھل جاتی، بے اختیار ہو کر ان کی سمت دیکھتا تو یوں لگتا جیسے آٹا پس پس کر چکی کے حلقے میں ایک نورانی آبشار کی صورت میں گر رہا ہے"

محترمہ کریم بی بیؒ اپنے سارے خاندان کے لئے رحمت اور برکت کا باعث تھیں۔ خاندان کا شاید ہی کوئی ایسا فرد ہو جس کو ان کے بابرکت وجود سے فیض نہ پہنچا ہو۔ شوہر کے ساتھ عمر بھر دکھ سکھ ہر حال میں ایسی خوشدلی سے نباہ کیا کہ وفاشعاری اور خدمت گزاری کا حق ادا کر دیا۔ شوہر کو عمر کے آخری دور میں بیماری کی شدت نے معذور کر دیا تھا مگر اللہ کی اس نیک بندی نے اپنی کمزور صحت کے باوجود ان کی وفات تک ساری ساری رات جاگ کر ان کی خدمت کی اور کبھی اشارے کنائے سے بھی اپنی درماندگی، اکتاہٹ یا شکوے شکایت کا اظہار نہ کیا۔ ان کے ایک

بیٹے کو کاروباری معاملات کی وجہ سے رات کو بہت دیر تک گھر سے باہر رہنا پڑتا تھا۔ جب تک وہ گھر آ نہ جاتے محترمہ جاگتی رہتیں اور بیٹے کے لیے دعائیں مانگنے میں مشغول رہتیں۔ عبادت کے حوالے سے بھی ان کی پابندیِ اوقات اور لگن قابلِ رشک تھی۔

ہمارے معاشرے میں ساس بہو کی لڑائی ایک عام روایت بن چکی ہے بقول لالہ صحرائی مرحوم (ساس بہو میں لڑائی) پہلے اَن بَن پھر کھٹ پٹ اور آخر میں چیخ چیخ کی صورت اختیار کر کے ہمسایوں کے لیے لطف اندوزی کا باعث بن جاتی ہے۔ محترمہ کریم بی بیؒ کہنے کو تو دو بہوؤں کی ساس تھیں لیکن انہوں نے بہوؤں کو ہمیشہ اپنی بیٹیاں سمجھا اور اُن کو ماں کا پیار دیا۔ اپنی وفات تک اُن کے تیس پینتیس برس اپنی بہوؤں کے ساتھ اس طرح گزرے کہ کبھی اُن کے درمیان کسی قسم کی بدمزگی کی نوبت نہ آئی اور اڑوس پڑوس والوں کا اُن کے گھر کے بارے میں ہمیشہ یہی تاثر رہا کہ وہ بہوؤں کے بجائے دو بیٹیوں کے ساتھ بس رہی ہیں۔

اپنی اولاد کے ساتھ ہر ماں کو قدرتی طور پر غیر معمولی محبت ہوتی ہے۔ محترمہ کریم بی بیؒ کو بھی اپنے بچوں کے ساتھ ایسی ہی محبت تھی لیکن ان کی ممتا بعض اوقات تحیّر خیز صورت میں ظاہر ہوتی تھی۔

اُن کے فرزند چودھری محمد صادقؒ کہتے ہیں کہ میری عمر آٹھ دس برس کی ہوگی کہ میں ایک مہلک بیماری میں مبتلا ہو گیا جس کو حکیموں نے لاعلاج قرار دیا۔ مرض کی شدت سے میں دن بھر بے چین رہتا البتہ رات کو کچھ دیر کے لیے میری آنکھ لگ جاتی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ہر شب نمازِ عشاء کے بعد میری والدہ میری چارپائی کے بازو کے ساتھ اپنا مُصَلّا بچھا لیتیں اور بعض اوقات رات بھر نوافل اور دعاؤں میں مشغول رہتیں۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ چہرے پر قدرے حرارت محسوس ہونے پر جب میری آنکھ کھلتی تو میں دیکھتا کہ میری پیشانی پر والدہ کے ہونٹ پیوست ہیں اور ان کے آنسوؤں کی گرم گرم پھوار میری آنکھوں کے پیالے لبریز کر رہی ہے۔ والدہ کی ان دُعاؤں کی معجزہ نمائی دیکھیے کہ عزیزوں اور معالجین کے اندیشوں کے باوجود میں نے دو ماہ کی جاں گسل تکلیف کے بعد اپنے مہلک مرض سے مکمل شفا پائی۔

اولاد سے ان کی مثالی محبت اور ممتا کا ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو۔ اُن کے یہی بیٹے چودھری محمد صادق ملازمت کے سلسلے میں (قیامِ پاکستان سے پہلے) لکھنؤ میں مقیم تھے تو ایک خط

میں ان کو لکھوایا کہ بیٹے! تمہارے لیدر شوز کا تلہ ربڑ کا ہے جس کی وجہ سے تمہارے پاؤں گرمیوں میں گرم رہتے ہوں گے اور سردیوں میں سرد، لہٰذا یہ جوتے کسی ضرورت مند کو دے دو اور اپنے لیے چمڑے کے تلے والے جوتے جلد خرید لو۔۔۔۔ بظاہر یہ ایک چھوٹی سے بات معلوم ہوتی ہے لیکن محترمہ کریم بی بیؒ اپنی ساری اولاد کی راحت کے لیے ایسی ''چھوٹی چھوٹی باتیں'' یا ضرورتوں کا خیال رکھتی تھیں۔

ایک اور موقع پر جب وہ سخت بیمار تھیں (بلکہ بستر مرگ پر تھیں) محمد صادق بھی سخت بیمار ہو گئے یہاں تک کہ ڈاکٹروں نے انہیں فوراً نشتر ہسپتال ملتان میں داخل ہونے کی ہدایت کی۔ وہ محترمہ والدہ کی خدمت میں الوداعی سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ والدہ محترمہ نے اپنے لرزتے ہاتھ ان کے سر پر پھیرتے ہوئے خدا حافظ کہا۔ جب محمد صادق گھر سے باہر نکل کر گاڑی میں بیٹھنے کو تھے تو یکا یک گھر کا بیرونی دروازہ کھٹاک سے کھلا محترمہ کریم بی بی اس میں سے بھاگتی ہوئی برآمد ہوئیں اور اپنے بیمار فرزند سے لپٹ گئیں، روتی جاتی تھیں اور ان کی صحت کے لیے دُعائیں کرتی جاتی تھیں۔ یہ رقت انگیز منظر دیکھ کر وہاں پر موجود سب لوگوں کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ان دنوں محترمہ کی علالت اس قدر شدید تھی کہ گزشتہ دو ہفتوں سے وہ بستر سے لگ چکی تھیں اور ان کے لیے ایک قدم تک اُٹھانا محال تھا لیکن بیٹے کی محبت یا ممتا نے ان کے اندر ایسی طاقت بھر دی تھی کہ تیس گز کا فاصلہ دوڑتے ہوئے طے کر لیا اور بیٹے کو سینے سے لگا کر دعاؤں کے ساتھ جہانیاں سے ملتان روانہ کیا۔

اس واقعہ سے کچھ عرصہ پہلے محترمہ کریم بی بی کو جگر کے سرطان (کینسر) کا جان لیوا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے وہ تقریباً تین ماہ تک اس ہولناک مرض کی اذیتیں جھیلتی رہیں لیکن ان کے صبر اور ضبط کا یہ عالم تھا کہ آخر دم تک کبھی منہ سے ہلکی سی کراہ بھی نہ نکالی۔ جب درد کی شدت انتہا کو پہنچ جاتی تو ان کے ہونٹ تیزی سے ہلنے لگتے، انگلی آسمان کی طرف اُٹھ جاتی اور وہ پاس بیٹھے ہوئے عزیزوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنے لگتیں یا اُن کے گال سہلانے لگتیں۔ ان کی ہمت دیکھیے کہ بیماری کی شدت کے دوران میں بھی وہ کسی کو اپنی خدمت کی زحمت نہ دیتیں یہاں تک کہ وفات سے دو ہفتے پہلے جن میں ان کا ہلنا جلنا محال ہو گیا تھا جب کبھی رات کو رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہوتی تو گھر کے کسی فرد کو آواز دے کر جگانے کے بجائے وہ

جوں توں کر کے چارپائی سے اترتیں اور پھر دو زانو ہو کر گھسٹتی ہوئی انچ انچ کر کے باتھ روم تک پہنچتیں۔

اُدھر فرزندِ عزیز چودھری محمد صادق نشتر ہسپتال میں زیرِ علاج تھے۔ انہیں جب والدہ کی نازک حالت کی اطلاع ملی تو ڈاکٹروں کی رائے کو نظر انداز کرتے ہوئے فوراً جہانیاں پہنچے۔ ان کا بیان ہے:

"اس وقت والدہ پر سخت نقاہت کا عالم طاری تھا لیکن ان کے لبوں کی خاموش حرکت سے معلوم ہوتا تھا کہ اپنے خالق کے ساتھ ان کا رابطہ قائم ہے۔ دوسرے دن عصر کے بعد ان پر نزع کی کیفیت شروع ہو گئی اور انہوں نے مجھے اپنے پاس بلا کر کہا کہ میری ٹانگوں سے جان نکل گئی ہے۔ میں نے گھبرا کر گھر کے سارے افراد کو آواز دی اور وہ سب ان کی چارپائی کے گرد جمع ہو گئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں جواب ملا، میں اپنے پاس اپنے اعمال کو دیکھ رہی ہوں ـــــــ میں نے تیزی سے سوال کیا کہاں ہیں آپ کے اعمال؟ والدہ نے جواب دیا، ارے میرے دائیں جانب تو کھڑے ہیں، کیا تمہیں نظر نہیں آ رہے؟ اس کے بعد ان کے چہرے پر عجیب تازگی آ گئی جیسے شبنم سے دُھلا نو شگفتہ پھول ـــــ ایک طویل سانس، جسم کا ہلکا سا ارتعاش، لبوں پر ذرا سا تبسم، آنکھیں آپ سے آپ بند ـــــ یوں میری جنّت لُٹ گئی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن

اس دن جون ۱۹۷۱ء کی ۲۳ تاریخ تھی۔ محترمہ کریم بی بیؒ نوے برس کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

رحمہا اللہ تعالیٰ

☆☆☆☆

محترمہ اماں بی رقیہ بیگم رحمہا اللہ تعالیٰ

مرزا غالبؔ کے ہم عصر نامور شاعر اور صاحب قلم مرزا قربان علی بیگ سالکؔ کی دختر نیک اختر رقیہ بیگم، سید احمد حسن مودودیؒ کی اہلیہ اور ادیب شہیر سید ابو الخیر مودودی مرحوم اور صاحب تفہیم القرآن مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ نہایت سادہ مزاج، مخیر، فیاض، نیک دل اور دیندار خاتون تھیں۔ ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوئیں۔ سید احمد حسن مودودیؒ سے ان کی شادی انیسویں صدی عیسوی کے آخری عشرے میں ہوئی۔ اس وقت وہ نوجوان تھیں جبکہ سید احمد حسنؒ کی عمر چالیس برس کے لگ بھگ تھی۔ چند سال پہلے ان کی اہلیہ امتہ الحبیب وفات پا چکی تھیں۔ انہوں نے اپنے پیچھے تین بچے چھوڑے تھے۔ عصمت خاتون، ابو محمد اور ابو القاسم۔ محترمہ رقیہ بیگم سید احمد حسنؒ کی دوسری بیوی تھیں مگر انہوں نے سوتیلے بچوں کو حقیقی ماں کا پیار دیا اور ان سے ایسا مثالی برتاؤ کیا کہ کوئی ناواقف یہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ وہ ان بچوں کی سوتیلی ماں ہیں۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کا بیان ہے:

"ہم دونوں بھائیوں نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے گھر میں ہم سوتیلے رشتے کے تصور سے ناآشنا تھے۔ بڑے بھائیوں اور بہن کے ساتھ ہمارے تعلقات کو دیکھ کر کسی کو بھی یہ گمان نہ ہو سکتا تھا کہ ان کے درمیان کوئی سوتیلا رشتہ ہے۔"

بی بی رقیہ بیگم کے اجداد مغل سلطنت کے اعلیٰ فوجی مناصب پر فائز رہے تھے۔ ان کے والدین بھی رئیسانہ شان رکھتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی ان کو علم و ادب اور دین سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ انہوں نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت بہت عمدگی سے کی اور ان کی دینی تعلیم پر خاص توجہ دی۔ یہی سبب تھا کہ بی بی رقیہ بیگم میں گہرا دینی شعور پیدا ہو گیا اور وہ بچپن ہی سے صوم و صلوٰۃ کی پابند ہو گئیں۔ ان کے والدین مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (بانی، دار العلوم دیوبند) سے بیعت تھے۔ بی بی رقیہ بیگم بھی نو سال کی عمر میں ان کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہو گئیں۔ شادی کے بعد بی بی رقیہ بیگم کو بڑی مشکل صورتِ حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ یوں کہ شوہر سید احمد حسنؒ کی طبیعت میں بلا کا غصہ تھا۔ کھانا کھانے بیٹھتے تو ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتے۔ نمک مرچ میں کمی بیشی ہو جاتی تو ان کا غصہ بھڑک اٹھتا۔ بی بی رقیہ بیگم شوہر کے مزاج کو سمجھ گئیں۔ وہ نہایت احتیاط سے

خود کھانا تیار کرتیں اور اس بات کا خاص خیال رکھتیں کہ کوئی چیز شوہر کی طبیعت کے خلاف نہ ہو گویا آہن کو موم کرنا ان کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا۔ یہی لیل و نہار تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلا فرزند عطا کیا جس کا نام "ابوالخیر" رکھا گیا۔ اماں بی انہیں پیار سے "خیرو" کہا کرتی تھیں۔

۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء (۳ رجب ۱۳۲۱ھ) کو اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسرے فرزند سے نوازا ۔۔۔ یہ تھے "ابوالاعلیٰ" ۔۔۔ اماں بی ان کو پیار سے ساری عمر "مَنّا" ہی کہتی رہیں۔ اس زمانے میں سید احمد حسنؒ کا قیام اورنگ آباد (دکن) میں تھا۔ دوسرے بیٹے کی پیدائش کے کوئی ایک سال بعد انہوں نے وکالت ترک کر دی، گھر کا تمام اثاثہ اللہ کی راہ میں دے دیا اور اورنگ آباد چھوڑ کر دلّی جا بسے۔ چند سال پہلے وہ اپنے رشتے کے چچا مولوی محی الدین خاںؒ کی بیعت کر چکے تھے۔ مولوی صاحب تھے تو میرِ عدل، مگر بڑے عبادت گزار اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ان کے فیضِ صحبت سے سید احمد حسنؒ بھی ذکر و شغل اور مجاہدہ و ریاضت کی طرف راغب ہو گئے تھے، لیکن ساتھ ساتھ وکالت بھی جاری تھی۔ اب دلّی پہنچ کر انہوں نے علائقِ دنیا سے قطعِ تعلق کر لیا اور دلّی سے کچھ فاصلے پر عرب سرائے میں ڈیرا جما لیا۔ پھر وہاں تین ساڑھے تین سال اس حال میں گزارے کہ زندگی کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے خشک روٹی، ابلے ہوئے ساگ کے ساتھ کھا لیتے تھے باقی دنیا کی کسی چیز سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا۔ دن رات عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔ مرشدِ گرامی کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انہوں نے اورنگ آباد بلا کر نصیحت کی کہ اپنے رَبّ سے لَو لگانے کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کی ذمہ داریوں سے یکسر منہ موڑ لیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے واپس آ کر پھر وکالت شروع کر دی، مگر اس طرح کہ کبھی کسی جھوٹے مقدمے کی پیروی نہ کرتے۔ صرف وہی مقدمہ ہاتھ میں لیتے جس کے بارے میں پورا اطمینان ہوتا کہ اس میں جھوٹ کی ذرّہ برابر بھی آمیزش نہیں۔ اس مومنانہ اور محتاط طرزِ عمل کا اثر ان کی آمدنی پر پڑا، لیکن انہوں نے سادگی اور قناعت کی جو روش برضا و رغبت اختیار کی، مرتے دم تک اس پر قائم رہے۔

زندگی کے ان سارے مراحل میں امّاں بی نے اپنے شوہر کا پورا پورا ساتھ دیا اور ہر حالت پر قانع رہیں۔ وہ فطرتاً بڑی سادہ مزاج تھیں۔ ان کو زیور کا شوق تھا نہ رنگ برنگ قیمتی کپڑے پہننے کا۔ سفید لٹھے کا پاجامہ، سفید ململ کا کُرتا اور سفید ململ کا دوپٹہ، یہی ساری عمر ان کا پہناوا رہا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ بتایا کرتے تھے کہ:۔

''ہم نے کبھی ان کو زیور یا رنگین لباس پہنے نہیں دیکھا اور والد مرحوم کی زندگی میں بھی ان کی یہی روش تھی۔''

امّاں بی کا معمول تھا کہ جب ان کو گھر کے خرچ کے لیے کوئی رقم دی جاتی تو وہ فوراً پھل مٹھائی یا کوئی دوسری چیز منگواتیں اور محلے کے غریب اور حاجت مند گھروں کو بھجواتیں۔ اس کے بعد باقی رقم اپنے کام میں لاتیں۔ گھر میں خوشحالی کا دَور دَورہ بھی رہا اور عُسرت کے دن بھی آئے' مگر ملازمین کے ساتھ ان کا سلوک ہمیشہ نہایت مشفقانہ رہا۔ کھانا پہلے ان کو دیتیں' پھر خود کھاتیں۔ بعض اوقات سالن ختم ہو جاتا لیکن وہ پتیلی پونچھ کر ہی گزارہ کر لیتیں۔ روٹی وغیرہ تو خادمہ پکا لیتی' مگر سالن وہ ہمیشہ خود پکاتی تھیں۔ اس میں میاں کی پسند اور ناپسند کا خیال رکھتیں۔
سلیقہ شعاری میں وہ اپنی مثال آپ تھیں۔ ایک رات چند مہمان آ گئے۔ گرم گرم کھانا ان کے سامنے رکھا گیا اور پھر جب تک وہ کھاتے رہے گرم گرم روٹیاں برابر اندر سے آتی رہیں۔ اس وقت گھر میں خادمہ بھی موجود نہ تھی۔ سید ابوالاعلیٰؒ کو حیرت ہوئی کہ اتنی ڈھیر ساری گرم روٹیاں کیسے آ رہی ہیں۔ اندر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ امّاں بی نے ایک بڑے گھڑے کو توڑ کر اس کا پیندا چولھے پر رکھا ہوا ہے اور اسے توا بنا کر بیک وقت چار روٹیاں اس پر ڈال کر پکاتی جا رہی ہیں۔
ایک اور موقع پر اچانک رات کو مہمان آ گئے اور آتے ہی انہوں نے چائے کی فرمائش کی۔ اتفاق سے اس وقت گھر میں چائے کی پتی موجود نہ تھی۔ سید ابوالاعلیٰ نے والدہ سے چائے کے لیے کہا تو معلوم ہوا کہ پتی بالکل ختم ہے۔ تاہم والدہ نے ان سے کہا کہ تم فکر نہ کرو' چائے ان کو مل جائے گی۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے نہایت عمدہ چائے تیار کر کے بھیج دی۔ مہمان چائے پی کر خوش ہو گئے۔ بعد میں تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ صحن میں موجود سرکنڈوں کے جس چھپر کے نیچے کھانا پکایا جاتا تھا' امّاں بی نے اس کی دھواں دھار چھال اتار کر ململ کے کپڑے کی پوٹلی بنائی اور دارچینی ملا کر دودھ اور پانی کے آمیزے میں ڈال دی۔ اس طرح بسکٹی رنگ کی لذیذ چائے تیار ہو گئی۔
امّاں بی کی زندگی کا ایک تابناک پہلو اُن کا ذوقِ عبادت تھا۔ صبح سویرے اٹھ کر پہلے نماز پڑھتیں اور پھر کم از کم ایک پارے کی تلاوت بلند آواز سے کرتیں۔ چلّے کاٹنے کی بھی عادت تھی۔ بعض دفعہ کسی بزرگ کے مزار پر جا کر دیر تک قرآن خوانی کرتی رہتیں۔ اولیاء اللہ سے ان کو بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ نماز روزے کی اخیر دم تک سخت پابند رہیں اور وظائف بھی کبھی ترک نہ ہونے

دیے۔ راتوں کو بھی اٹھ اٹھ کر عبادت کیا کرتی تھیں۔

سید احمد حسنؒ ۱۹۲۰ء میں فوت ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے بیوگی کے ۳۷ سال نہایت صبر و استقامت اور مومنانہ ضبط و وقار کے ساتھ اپنے بیٹوں کے پاس گزارے۔ فیاضی یادرِ یادلی خدمتِ خلق' سادگی' قناعت' درس و تدریس' تبلیغ دین' صبر' حوصلہ اور شگفتہ مزاجی ان کی کتابِ سیرت کے نمایاں ابواب ہیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰؒ نے ایک بار یہ واقعہ بیان کیا کہ جب ہم حیدر آباد میں تھے' ایک دفعہ ہمارے مکان کے سامنے سے چھ سات گدھے گزرے جن پر خربوزے لدے ہوئے تھے۔ والدہ صاحبہ نے گدھوں کے مالک سے معاملہ طے کر کے تمام خربوزے خرید لیے اور گھر میں ڈھیر لگوا کر محلے میں بانٹنے شروع کر دیے یہاں تک کہ محلے کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں اس دن خربوزے نہ پہنچ گئے ہوں۔ اسی طرح ان کے ہاں کوئی خاص چیز پکتی تو جب تک اڑوس پڑوس کے گھروں کو اس میں سے بھیج نہ لیتیں' خود نہ کھاتیں۔

ایک مرتبہ اپنے کسی ملنے والے کے بارے میں انہیں معلوم ہوا کہ وہ مقروض ہیں' مگر تنگدستی کی وجہ سے قرض واپس نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف قرض خواہ قرض کی واپسی کا شدید تقاضا کر رہا ہے۔ اماں بی فوراً ان کے پاس گئیں اور چپکے سے ان کو اتنی رقم دے دی جس سے وہ قرض ادا کر سکتے تھے۔

وہ غریبوں اور حاجت مندوں کی مدد کے لئے ہر وقت کمربستہ رہتی تھیں۔ ان لوگوں کی خدمت کر کے ان کو دلی مسّرت ہوتی۔ اگر کبھی وہ خالی ہاتھ ہوتیں اور کوئی حاجت مند انکے پاس پہنچ جاتا تو کسی سے قرض لے کر بھی اس کی ضرورت پوری کر دیتیں۔ سید احمد حسنؒ کی زندگی میں ان کے پاس محلّے اور دور و نزدیک کی حاجت مند خواتین کا میلہ لگا رہتا تھا۔ وہ ہر ایک کی حاجت پوری کرتیں اور کسی کو خالی ہاتھ واپس نہ بھیجتیں۔

سادگی کا یہ عالم تھا کہ فاخرہ لباس سے ہمیشہ نفور رہیں۔ زندگی کے آخری دس پندرہ برسوں میں تو وہ نئے کپڑوں سے بالکل اجتناب کرنے لگی تھیں۔ فرماتی تھیں مجھے نئے کپڑوں کی کیا ضرورت ہے میں تو چند دن کی مہمان ہوں' آج گئی کہ کل گئی۔

طبیعت پر قناعت کا اس قدر غلبہ تھا کہ تھوڑی سے تھوڑی معمولی سے معمولی چیز سے

مطمئن اور راضی ہو جاتی تھیں۔ کبھی کسی عمدہ یا زیادہ چیز کی خواہش نہ کرتیں۔ اگر کبھی ان کے لیے بطورِ خاص کوئی اچھی چیز مہیا کی جاتی تو خوش ہونے کے بجائے آزردہ ہو جاتی تھیں۔ ان کی عادت تھی کہ جب سب لوگ کھانا کھا چکتے تو وہ ہنڈیا سے بچا کھچا سالن لے کر روٹی کھا لیتیں۔ پُر تکلف غذاؤں سے مطلق کوئی رغبت نہ تھی۔

۱۹۴۴ء میں اماں بی مستقل طور پر مولانا سید ابوالاعلیٰؒ کے پاس دارالاسلام (پٹھان کوٹ، ضلع گورداس پور) میں آ گئیں تو ان کی خواہش پر ایک الگ مکان مولانا کے مکان کے سامنے ان کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ انہوں نے ایک تو اس میں گھر باڑی کا اچھا خاصا انتظام کر لیا، دوسرے اسے قرآن حکیم کی تعلیم کا مکتب بنا دیا۔ اس مکتب میں دارالاسلام کی بچیوں کے علاوہ سرنا، جمالپور اور دوسری نواحی بستیوں کی بچیاں بھی پڑھنے کے لیے آتی تھیں۔ اماں بی ان بستیوں میں وقتاً فوقتاً خود بھی نکل جاتیں اور لوگوں کے گھروں پر جا کر خواتین کو دین کی ضرورت واہمیت کا احساس دلاتیں اور بچیوں کو پیار اور محبت سے جمع کر کے اپنے مکتب کی شاگرد بناتیں۔ قرآنِ کریم کی تعلیم دینے کا شوق انہیں عمر بھر رہا۔ حیدر آباد، دارالاسلام پٹھان کوٹ، لاہور جہاں بھی رہیں ہمسایوں کی بچیوں کو قرآنِ کریم کی تعلیم دیتی رہیں اور ساتھ ہی ان کی تربیت و تادیب کا خیال بھی رکھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد اہلِ خاندان کے ساتھ لاہور آ گئیں، یہاں وہ اکثر و بیشتر بڑے بیٹے سید ابوالخیر کے مکان میں رہیں۔ اس مکان کے آس پاس کے مکانات کی خواتین اور بچیوں کے لیے اماں بی کی ذات نعمتِ عظیم ثابت ہوئی کیونکہ ان کی بدولت وہ قرآنِ پاک کی نعمت سے مالا مال ہو گئیں۔ کبھی کبھی وہ حیدر آباد کا خاص پکوان ''کڑیا پاتھ'' پکواتیں اور اس میں سے پڑوسیوں کو التزام کے ساتھ حصہ بھجواتیں۔ ہر سال ایک مرتبہ ''شب دیگ'' پکوانے کا بھی معمول تھا۔ اس میں بھی جب تک پڑوسیوں اور بیٹوں کے احباب اور رفقاء کو شریک نہ کر لیتیں، انہیں کھانے میں مزہ نہ آتا۔

۱۹۵۳ء میں مولانا سید ابوالاعلیٰؒ کو ''قادیانی مسئلہ'' کے سلسلے میں فوجی عدالت نے موت کی سزا سنائی تو اماں بی نے کمال صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا۔ جناب اخلاق احمد دہلوی راوی ہیں کہ۔ ''اس زمانے میں اماں بی، سید ابوالخیر اور ان کے ایک خالہ زاد بھائی ہمارے ہی گھر میں

رہتے تھے۔ امّاں بی کے یہ بھانجے اپنی خالہ امّاں سے بہت جلے کٹے رہتے تھے۔ انہوں نے باہر سے آکر یہ خبر بڑی بے دردی سے امّاں بی کو ان الفاظ میں سنائی: "خالہ اماں! مُنّے کو سزائے موت سنادی گئی۔" امّاں بی اس وقت دستر خوان پر بیٹھی میری بیوی کے ساتھ کھانا کھا رہی تھیں، یہ کہہ کر برابر کھانے میں مشغول رہیں کہ اللہ کا مال ہے جس طرح چاہے لے لے۔۔۔ جب وہ صاحب اٹھ کر چلے گئے تو میں نے کہا: "آپ اس خبر کے بعد کھانا کیسے کھاتی رہیں!" انہوں نے فرمایا "یہی تو وہ بد بخت چاہتا تھا کہ میرے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ جائے"

امّاں بی کو ان کے پوتوں پوتیوں بلکہ ان کے دوسرے اہلِ خاندان نے بھی ان کی بکبر سنی کی وجہ سے دادی اماں کے خطاب سے معروف کر رکھا تھا۔ جب کسی کے منہ سے دادی اماں کا لفظ نکلتا تو سننے والوں کے ذہن میں انہی کی شخصیت جھلک جاتی تھی۔ اڑوس پڑوس کی خواتین بھی انہیں دادی اماں کے لقب سے یاد کرتی تھیں۔

امّاں بی کی زندگی کا ایک خاص پہلو اُن کی شگفتہ مزاجی تھی۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ایک قریبی رفیق مولانا خلیل حامدیؒ بیان کرتے ہیں۔

"دادی امّاں بہت ملنسار اور خوش مزاج تھیں، ان کا دائرۂ تعلقات بہت وسیع تھا اور جو بھی ان سے ملتا تھا وہ بہت جلد ان سے مانوس ہو جاتا۔ ان کے منہ بولے بیٹوں' بیٹیوں بہنوں' بھانجیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ خود بھی وہ ان کا شمار نہ بتا سکتی تھیں۔ بچے ہمیشہ ان کے ساتھ لگے رہتے اور وہ طرح طرح کی دلچسپ باتوں سے ان کا دل بھی خوش کرتیں اور اپنا بھی۔ آخری زمانے میں ضعیفی اور بیماری کے باوجود ان کے مزاج میں کسی قسم کا چڑ چڑا پن پیدا نہ ہوا غفلت میں پڑے پڑے جب ذرا ہوش آجاتا تو کوئی نہ کوئی ہنسنے ہنسانے کی بات کر دیتی تھیں۔ رنجیدہ ہونا اور رنجیدہ کرنا ان کے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ ان کی صحبت میں بیٹھنے والا اپنے اندر ایک عجیب انبساط محسوس کرتا تھا۔ جو عورتیں دیر کے بعد ان سے ملتیں' ان سے وہ شاکی رہتی تھیں"

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے بیٹے جناب محمد فاروق مودودی اپنی دادی جان کے بارے میں کہتے ہیں۔

"وہ بہت ہی درویش صفت خاتون تھیں۔ ایک ایسی خاتون جن کی دنیا کی کسی بھی چیز

سے کوئی دلچسپی ہم نے نہ دیکھی۔ وظیفوں اور نماز میں مصروف رہتیں۔ بڑی شاکر اور خوش خلق تھیں۔ ایک چیز جو ہم نے ہمیشہ محسوس کی وہ یہ تھی کہ ان کا حافظہ بڑا زبردست تھا۔ دوسری بات ان کی یہ تھی کہ انہیں خود پر حد درجہ اعتماد تھا۔ ان کی ایک وضع یہ تھی کہ اگر آپ ان سے خود بات کریں تو بہت اچھی طرح جواب دیتی تھیں۔ البتہ باتیں کرنے کی عادت نہ تھی۔ عام خواتین کے مانند وہ باتونی نہ تھیں، لیکن اگر کوئی بات کرتا تو ان کے جواب میں ایک خاص قسم کا وزن ہوتا۔ ان کی گفتگو کے طریقے اور باوزن گفتگو کے باعث چاہے وہ کسی بھی مجلس میں ہوتیں میر مجلس وہی ہوا کرتی تھیں۔ تیسری بات یہ کہ بڑی رحم دل اور بہت ہی مخیر خدا ترس خاتون تھیں۔ ہر شخص کی اپنی استعداد سے بڑھ کر مدد کیا کرتیں۔ جب بھی کوئی آتا' دادی اماں کے پاس جانا اس کے لیے ضروری ہوتا اور وہ اس سے مل کر بہت خوش ہوتیں۔ وہ اپنے کونے میں بیٹھی ہوتیں تو ان کی شخصیت کا وزن ہر جگہ محسوس ہوتا تھا۔ ہم نے اپنی والدہ کو بھی ان کا انتہائی احترام اور انتہائی عزت اور ان سے انتہائی محبت کرتے دیکھا۔ خود ابا جان کو ان کے معاملے میں بے حد تعظیم اور بے حد عزت و محبت کا سلوک کرتے دیکھا۔ جب وہ کہیں دورے سے واپس آتے تو سب سے پہلے دادی اماں کے پاس جاتے، جیل سے آتے تو بھی سب سے پہلے دادی اماں کے پاس جاتے۔

(قومی ڈائجسٹ" ۔ جنوری ۱۹۸۰ء)

مولانا خلیل حامدی" لکھتے ہیں:

مولانا (سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ) کے گھر میں ساس بہو کی کشمکش کبھی نہ پائی گئی۔ سوتیلی اور سگی سب بہوؤں سے دادی اماں کا برتاؤ اپنی بیٹیوں کا سا رہا۔ مولانا کے والد مرحوم کے بعد دادی اماں نے اپنے آپ کو گھر کے انتظام سے بالکل بے تعلق کر لیا تھا۔ ان کی بہوئیں ان کے بیٹوں کے گھر کی مختار رہیں۔ اس وجہ سے کبھی ساس اور بہوؤں کے درمیان کشمکش پیدا نہیں ہوئی۔

(روزنامہ تسنیم لاہور۔ ۷ دسمبر ۱۹۵۷ء)

اماں بی کی صحت بالعموم اچھی رہتی تھی۔ چھوٹے موٹے عوارض کو بڑھاپے کے زمانے میں بھی خاطر میں نہ لاتیں اور معمول کے مطابق چلتی پھرتی رہتیں۔ پرہیزی غذاؤں سے انہیں زندگی بھر نفور رہا۔

نومبر ۱۹۵۷ء میں اماں بی کو اسہال کی شکایت ہوگئی۔ اس تکلیف نے اتنی شدت

اختیار کر لی کہ وہ صاحبِ فراش ہو گئیں۔ علاج معالجے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی' مگر چنداں افاقہ نہ ہوا شدتِ علالت میں ایک دن مولانا ابوالاعلیٰ حکیم محمد شریف صاحب کو لے کر آئے اور انہیں بتایا کہ حکیم شریف صاحب آئے ہیں۔ برجستہ جواب دیا "نہ بیٹا نہ اب نہ کسی شریف کی ضرورت ہے نہ کسی بدمعاش کی' اب تو دمِ رخصت ہے۔" ۵ دسمبر کی صبح سے اماں بی کی تکلیف بہت بڑھ گئی اور نظامِ ہضم نے بالکل جواب دے دیا۔ ۵ اور ۶ دسمبر ۱۹۵۷ء کی درمیانی شب کو دو بجے اس عظیم خاتون نے ۸۵ برس کی عمر میں پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ وفات کے وقت وہ اپنے بڑے فرزند مولانا ابوالخیر مودودیؒ کے مکان پر تھیں۔ مولانا خلیل حامدی کا بیان ہے کہ زندگی کی آخری گھڑیوں میں دادی اماں کے حلق سے کراہنے کی آوازیں نکلتی رہیں' ان میں سے ہر آواز اللہ اللہ کا نغمہ الاپتی رہی اور جب زندگی کا آخری سانس نکلا تو اللہ کے ذکر سے معمور ہو کر نکلا۔۔۔ رہے نام اللہ کا!

☆☆☆☆

بیگم مولانا عُزیر گلؒ

یہ پاک طینت خاتون جو "مدر صاحبہ" کے نام سے مشہور ہوئیں' تحریک آزادی ہند کے نامور مجاہدِ اعظم شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (وفات ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء) کے تلمیذِ خاص مولانا سید عزیر گل کاکا خیلؒ کی اہلیہ تھیں[1] اس پاکباز خاتون نے تلاشِ حق کے کئی مرحلوں سے

---

[1] مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق قصبہ زیارت کاکا صاحب ضلع پشاور میں سادات کے مشہور و معروف خاندان کاکا خیل سے تھا۔ وہ علوم عربیہ کے فاضل ایک ماہر اور باکمال معلم تحریک استخلاصِ وطن کے سرفروش مجاہد اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے جاں نثار شاگرد اور ساتھی تھے۔ نہایت عابد و زاہد اور مجسمہ فضل و کمال تھے۔ ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے اور حضرت شیخ الہندؒ کی تحریکِ انقلاب (تحریک ریشمی رومال یا تحریک آزادی ہند) کے سرگرم رکن بن گئے۔ اس حیثیت میں انہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

گزرنے کے بعد اپنا آبائی مذہب (مسیحیت) ترک کر کے اسلام قبول کیا، مولانا عزیر گل جیسے درویش منش عالمِ دین سے نکاح کیا اور پھر وطن، مال اولاد اور ہر نوع کے عیش و آرام کی قربانی دے کر ایسی سادہ زندگی اختیار کی جو دنیا کی عام آسائشوں سے بالکل خالی تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رکھ کر نہایت اہم اور خطرناک کارنامے سرانجام دیے۔ وہ شیخ الہند کی طرف سے صوبہ سرحد اور آزاد قبائلی علاقے (یاغستان) میں سفارت کی نہایت خطرناک (خفیہ) مہم پر کئی بار گئے اس سلسلے میں ان کو جو کٹھنائیاں جھیلنا پڑیں ان کا حال پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ۱۳۳۳ھ میں وہ شیخ الہند کے ساتھ حجاز گئے، مکہ معظمہ کے دورانِ قیام میں شریفِ مکہ نے حکومت برطانیہ کے ایماء پر شیخ الہند اور ان کے رفقا کو گرفتار کر کے جدہ بھیجا جہاں وہ انگریزی حکومت کے حوالے کر دیے گئے۔ انگریزوں نے ان سب کو قاہرہ (مصر) کی جیل میں تین ماہ تک قیدِ تنہائی میں رکھا۔ اس کے بعد شیخ الہند اور ان کے رفقاء کو جزیرہ مالٹا میں نظر بند کر دیا گیا۔ مولانا عزیر گل نے مالٹا میں اسارت کا سارا زمانہ شیخ الہند کے ساتھ گزارا اور ان کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ۱۳۳۸ھ کو یہ مردانِ حق رہا ہو کر مالٹا سے واپس دیو بند پہنچے۔ مولانا عزیر گل نے دیو بند ہی میں شیخ الہند کے مکان کے ایک حصے میں اقامت اختیار کر لی۔ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ میں مولانا محمود حسنؒ نے وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد بھی مولانا عزیر گل عرصہ دراز تک ان کے مکان ہی میں قیام پذیر رہے۔ مالٹا کے زمانہ اسیری میں مولانا عزیر گل کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تھا اس لیے بعض بزرگوں کی کوششوں سے شیخ الہندؒ کی ایک قریبی عزیزہ سے اُن کا نکاح ہو گیا۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بیٹیاں اور دو بیٹے عطا کیے۔ اس زمانے میں وہ مختلف چھوٹے چھوٹے کاروبار کر کے اپنی روزی کماتے تھے۔ چند سال کے بعد مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مشورہ سے انہوں نے مدرسہ رحمانیہ رڑکی میں صدر مدرس کی ذمہ داری سنبھال لی۔ وہیں ان کی دوسری اہلیہ بھی قضائے الٰہی سے فوت ہو گئیں۔ اسی زمانے میں مسز جینی (مدر صاحبہ) (جو تلاشِ حق میں کئی مذاہب کا مطالعہ بلکہ عملی تجربہ کر چکی تھیں اور بالآخر قرآن حکیم کے مطالعہ سے ان پر حق واضح ہو گیا تھا) نے اسلام قبول کیا اور ۱۹۳۶ء میں ان کی مرضی سے مولانا عزیر گل نے اُن سے نکاح کر لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد (ایک روایت کے مطابق قیام پاکستان کے موقع پر) مولانا عزیر گل موصوفہ کو ساتھ لے کر اپنے وطن واپس آ گئے اور ضلع پشاور کے ایک دور افتادہ چھوٹے سے گاؤں میاں گانو کلے میں مقیم ہو گئے۔ ان کی انگریز اہلیہ نے (جو لوگوں میں "مدر صاحبہ" کے لقب سے مشہور ہو گئی تھیں) اسی گاؤں میں باقی زندگی ہنسی خوشی گزار دی۔ انہوں نے ۱۹۶۶ء میں مولانا عزیر گل کے سامنے سفرِ آخرت اختیار کیا ۲۳ سال کے بعد ۱۶ جمادی الآخر ۱۴۱۰ھ (مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۸۹) کو مولانا عزیر گل بھی اس دارِ فانی سے عالمِ بقا کو رحلت کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

انہوں نے اپنی پاکیزہ سیرت بلند کردار صبر و استقامت اور قوتِ ایمانی کا جو نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا اُسے عصرِ حاضر کی مسلمان خواتین کے لیے روشنی کا مینار کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔
مدر مرحومہ کا تعلق انگلستان کے ایک معزز خوشحال گھرانے سے تھا۔ وہ ۱۸۸۵ء میں (جب ان کے والدین انگلستان سے ہندوستان آ کر حیدر آباد سندھ میں مقیم تھے) پیدا ہوئیں۔ انہیں بچپن ہی سے اپنے آبائی مذہب (مسیحیت) سے بُعد پیدا ہو گیا تھا۔ جوان ہوئیں تو سرگرمی سے حق کی جستجو میں مشغول ہو گئیں۔ اسی زمانے میں ان کی شادی ایک عیسائی نوجوان سے ہو گئی۔ اس سے ان کے بطن سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا پیدا ہوئے۔ اس دوران میں وہ بائیبل کا تنقیدی نظر سے مطالعہ کرنے کے علاوہ فلسفہ کا بھی مطالعہ کرتی رہیں۔ پھر وہ اپنی بارہ سالہ بیٹی اور دس سالہ بیٹے کے ہمراہ انگلستان سے اپنے والد کے پاس ہندوستان آئیں۔ یہاں آ کر وہ جن مرحلوں سے گزر کر دینِ حق اسلام تک پہنچیں اور پھر مولانا عزیز گل سے نکاح کر کے باقی زندگی اُن کے ساتھ مومنانہ عزیمت کے ساتھ گزاری اس کا حال انہوں نے اپنی انگریزی خودنوشت سوانح حیات "دی بیلنسڈ وے" (The Balanced Way) میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔
اس کتاب (آپ بیتی) کی تلخیص محترم ڈاکٹر عبدالغنی فاروق صاحب نے اپنی تالیف "ہم کیوں مسلمان ہوئے" میں الفرقان لکھنؤ اور ایشیا لاہور کے حوالے سے شائع کی ہے۔ اسے ہم ڈاکٹر صاحب کے شکریہ کے ساتھ یہاں پیش کر رہے ہیں (اس کے آخر میں چند فقروں کا اضافہ ایک اور حوالے سے کیا گیا ہے)
" میں اپنے والد چارلس ایڈورڈ اسٹیفورڈ اسٹیل کی ساتویں لڑکی ہوں، میں ۱۸۸۵ء میں حیدر آباد (سندھ) میں پیدا ہوئی، میرے والد صاحب بڑے انصاف پسند اور بات کے پکے انسان تھے۔ انہیں ہندوستان میں ہندوستانی لوگوں سے بڑا لگاؤ تھا، کبھی کبھی تو وہ خود کو سندھی کہہ دیا کرتے تھے۔ ہماری خاندانی نسبتیں بڑی عظیم تھیں مگر ہمارے والد کا کہنا تھا کہ شرافت کا معیار کردار ہے نہ کہ خون۔ بہر حال میں چھ سال کی ہو رہی تھی کہ مجھے تعلیم کے لیے انگلستان بھیج دیا گیا۔ مجھے سچی بات سے ہمیشہ پیار تھا۔ میں ہر بات کا سبب کھوجنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ میری دوست واحباب مجھے شفقت سے ککو کہا کرتے تھے کیونکہ میں ہر بات میں کیا، کیوں اور کیسے جیسے سوال کرنے کی عادی تھی۔

میں ایک عیسائی کنبہ میں پیدا ہوئی مگر عیسائی کسی عقیدے میں بھی متفق نہیں ہیں، عیسائیوں کے بہت سے فرقے ہیں جو ایک دوسرے کو جہنمی کہتے ہیں۔ اس لئے عیسائی مذہب مجھے گورکھ دھندا سا لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں مگر مجھے دُعا سے بڑا شغف تھا اور میں اکثر اَن دیکھے مالک سے لولگا کر دعائیں کرتی رہتی تھی۔

جب میں جوان ہوگئی تو میں نے بائبل کو تنقیدی نظر سے پڑھنا شروع کیا۔ مجھے بائبل کے بہت سے بیانات ایک دوسرے سے متضاد محسوس ہوئے۔ مجھے بائبل کے کلامِ خدا ہونے پر شک ہونے لگا، کچھ عرصہ کے بعد میری شادی ہوگئی مگر میرے شوہر ایک دنیا دار عیسائی تھے۔ وہ میرے فکر و خیال کے ساتھی نہ بن سکے۔ اس لیے میں نے فرصت کے وقت فلسفہ کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ مگر ان خیال کی بھول بھلیوں سے مجھے کچھ نہ ملا۔

انہیں دنوں میں اپنے والد کے پاس ہندوستان آئی۔ میری بارہ سالہ لڑکی اور دس سالہ لڑکا میرے ساتھ تھے، یہاں مجھے ویدانت پڑھنے کا موقع ملا۔ مجھے اس کے پڑھنے سے بڑی تسکین ملی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ چیز مجھے مل گئی جس کی تلاش تھی۔ ویدانت کے مطالعے نے مجھے ہندو دھرم کے قریب کر دیا۔ کچھ عرصہ کے لیے ایک ہندو خانقاہ میں مہمان بن کر رہی۔ اور بالآخر ہندو ہوگئی۔ مجھے رانا شنکر کے ویدانتی سلسلے میں داخل کر لیا گیا۔ مگر مجھے یہ شرک محسوس ہوا۔ چنانچہ میرا یقین ہل گیا۔ مجھے افسوس ہوا کہ حقیقت ابھی اور آگے ہے۔ میں اسی زمانے میں بیمار ہوگئی۔ مجھے علاج کے لئے فرانس جانا پڑا۔ وہاں میرے سات آپریشن ہوئے ہر آپریشن پر موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ میں موت کے لئے تیاری کر لوں، میں نے سوچا کہ دنیا ترک کر دوں اور آخرت کی تیاری میں لگ جاؤں۔ لہٰذا میں واپس جب ہندوستان آئی تو میں نے سنیاس لے لیا۔ میں نے ایک سَو آٹھ اپنشد پڑھے، لیکن یہ کیا؟ یہاں بھی بائبل کی طرح اَن گِنت تضاد تھے۔ ان میں کون سی بات حق ہے اور کون سی غلط، یہ کیسے معلوم ہو؟ میں ایک بار پھر الجھ گئی۔ مجھے خوف ہو گیا کہ اس ذہنی اُلجھن میں کہیں پاگل نہ ہو جاؤں۔ مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ سنیاس سے میری روحانیت نہیں بڑھ رہی بلکہ نفسیاتی کشمکش میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اسی زمانہ میں ہندوستان میں عدم تعاون کی تحریک چل پڑی ہندوستانی ہندوستانیوں سے لڑ پڑے۔ الموڑہ بھی فسادات سے بچا نہ رہا۔ اس وقت میرے دل نے کہا کہ یہ خانقاہ میں بیٹھ

کردھیان گیان کا وقت نہیں بلکہ باہر نکل کر زخمیوں اور دکھیوں کی مدد کرنے کا وقت ہے۔ میں نے اپنے گرو جی سے یہ بات کی۔ مگر انہوں نے کہا ہم لوگ دنیا دار نہیں ہیں۔ تم جن باتوں کے کرنے کو کہہ رہی ہو یہ سیاست کی باتیں ہیں ہم ان باتوں میں نہیں پڑتے۔

مجھے ان کے سوچنے کے انداز پر حیرت ہوئی۔ میں انہیں تو خانقاہ چھوڑ کر زخمیوں کی مدد پر آمادہ نہ کر سکی مگر میں خود خانقاہ سے نکل آئی۔ میں نے زخمیوں، مریضوں اور دکھیوں کی مدد کرنا شروع کر دی جس سے دل کو چین ملا۔ میں نے احساس کیا کہ روحانی ترقی انسانیت کی خدمت کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، خانقاہوں کی زندگی سے نہیں۔ چنانچہ میں نے ایک آشرم کھولنے کا فیصلہ کیا جس میں نوجوانوں کی اخلاقی تربیت کی جائے۔ اس آشرم میں، مَیں نے ہندو مسلم کی قید نہیں رکھی۔ وہاں ایک مسلمان لڑکا داخلے کے لئے لایا گیا۔ یہ لڑکا اپنے والدین کے لیے ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب تک میں مسلمانوں کے نظامِ حیات کے بارے میں معلومات حاصل نہ کرلوں، میں اس لڑکے کی تربیت کا حق ادا نہ کرسکوں گی۔ اس نیت سے قرآنِ کریم پڑھنا شروع کیا۔

اب تک میں مسلمانوں سے ڈرتی تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ مسلمان ایک قسم کے "ڈاکو" ہوتے ہیں جو ہر قسم کا ظلم کرسکتے ہیں۔ لیکن اس کتاب نے میری آنکھیں کھول دیں۔ یہ تو سراسر حق تھا اور دل میں اترتا چلا جاتا تھا۔ یہ عملی ویدانت تھا۔ آہ! میں اب تک کن اندھیروں میں تھی۔ افسوس کہ یورپی مستشرقوں نے اسلام کی کتنی غلط تصویر پیش کی ہے وہ مذہب جسے میں خواہ مخواہ بھیڑیوں کا مذہب سمجھتی تھی مکمل سچائی کا مذہب تھا۔ میرے اللہ میں نے کیا کیا، میں نے تو ساری زندگی اکارت کر دی۔ میں نے سوچا میں ہندو ہی رہوں یا ہندو مت چھوڑ دوں ۔۔۔ میں نے راہبانہ زندگی اختیار کرلی۔ یہ ایک طرح کی موت تھی۔ قرآن مجھے زندگی کی طرف بلا رہا تھا۔ ایسی زندگی کی طرف جو آخرت کی زندگی کی بنیاد بنتی ہے۔ مگر مشکل یہ تھی کہ میں ایک مقدس خانقاہ کی راہبہ تھی۔ لوگ مجھے پیار سے "ماں" کہتے تھے، میں مسلمان ہو جاؤں گی تو دنیا کیا کہے گی۔

مگر میں اپنی روح کو خلجان سے بچانا چاہتی تھی میں نے لوگوں کے کہنے کی پروا نہ کی، میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

میرے گرو بھائی بڑے دہشت زدہ ہوئے، مگر میں نے انہیں بڑے خلوص سے بتایا کہ

اصل ویدانت یہ ہے جو میں قبول کر رہی ہوں۔ میرے گرو بھائیوں نے کہا کہ یہ کام مسلمان ہوئے بغیر بھی جاری رہ سکتا ہے۔ ویدانتی رہ کر بھی تم قرآن کی راہ اختیار کر سکتی ہو۔ یہ بھی ویدانت کا ہی ایک سلسلہ ہوگا۔ لیکن یہ بات میرے دل میں نہ اتر سکی۔ میں سمجھ رہی تھی کہ راما کرشن نے حقیقت کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ان کے ذہن کی اپج اور ایک بھرم تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی نام نہاد صوفی نے یہ بھرم دلا دیا ہو۔ میرے ہندو دوستوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے آپ کو مسلمان نہ کہوں تو وہ مجھے آگرہ میں راما کرشن مشن کا مہنت بنا دیں گے، مگر مجھے دنیاوی لالچ نہ تھا، مجھے روح کے آرام کی ضرورت تھی اس لیے میں نے ان کی بات کو رد کر دیا مگر اب اور مشکل آئی۔ مسلمانوں نے مجھے ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ یہ ہمیں ہندو بنانے کے لیے نیا روپ دھارن کر رہی ہے۔ میں خود شبہے میں پڑ گئی۔ میں قرآن کو اپنا ہادی اور رہنما مان رہی تھی کیا یہ بات مسلمان ہونے کے لئے کافی نہ تھی؟ اپنے دل کی بے قراری کو دور کرنے کے لئے میں دیو بند گئی۔ میری لڑکی میرے ساتھ تھی۔ ہم دونوں بے پردہ تھیں ہم نے مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے ملاقات کی۔ اپنی بات ان کے سامنے رکھی اور پوچھا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟

''تم حقیقتاً مسلمان ہو'' مولانا نے ایک زوردار قہقہہ لگا کر کہا تمہیں اس میں شک کیوں ہے؟ مولانا مدنی کی عظمت ہم دونوں کے دل میں بیٹھ گئی۔ انہوں نے ہماری بہت خاطر کی۔ بعد میں مجھ سے ملنے منگلور بھی آئے تھے۔ انہیں کے ساتھ مولانا عزیر گل بھی تھے۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ انہیں بہت چاہتے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ دو دوست لڑکے ہوں۔ وہ ایک دوسرے سے معصوم مذاق کرتے، ایک دوسرے کی ہنسی اڑاتے، وہ کبھی کبھی ایک دوسرے کو چڑاتے بھی تھے۔ مجھے ان کی محبت پر رشک ہوتا تھا۔ وہ دن بھر ہمارے پاس رہے۔ جب وہ چلنے لگے تو میں نے مولانا مدنی سے کہا کہ وہ پھر تشریف لائیں۔ اس پر انہوں نے کہا میں زیادہ نہ آ سکوں گا مگر مولانا عزیر گل کبھی کبھی آیا کریں گے۔ چنانچہ مولانا عزیر گل صاحب آتے رہے۔ میں ان سے پردہ اور دوسرے مسائل پر بے جھجک بات چیت کرتی رہی۔ شروع میں میں سمجھتی تھی کہ یہ مولوی بڑے تنگ نظر ہوتے ہیں مگر بعد کو پردہ کی حقیقت مجھ پر کھلی تو ان کی وسعتِ نظر کی قائل ہو گئی۔ یہاں میں اسلام کے مطالعے میں لگی ہوئی تھی کہ اچانک میرے شوہر کا خط آیا کہ اگر فوراً انگلستان نہ لوٹی تو وہ مجھے خرچ دینا بند کر دیں گے، بچوں کی تعلیم کا خرچہ مجھ سے وصول کر لیں گے

اور مجھ سے تعلق توڑ لیں گے۔ اس پر مجھے تعجب ہوا نہ افسوس، میں مسلمان ہو چکی تھی۔ اب میں کسی عیسائی شوہر کی بیوی کیسے رہ سکتی تھی۔ رہا رزق تو یہ اللہ کی دین ہے۔ کم یا زیادہ ملے گا ہی۔

مولانا عزیر گل کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے میرا ہاتھ تھامنے کی پیش کش کی۔ میں نے بڑے احترام سے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ میں جانتی تھی کہ ان کے ہاں غربت ہے، افلاس ہے، پردہ ہے، مگر میرے لیے تو یہی اللہ کی پسندیدہ جگہ تھی۔

میں نے عزیر گل کے گھر میں سیکھا کہ خود بھوکے رہ کر مہمان کی تواضع کرنے میں کیا لذت ہے۔ عزیر گل کے گھر میں مجھے زندگی کی حقیقی راحت ملی۔ وہ نہایت شریف مہربان شوہر ثابت ہوئے۔ یوں بھی وہ سیّد ہیں اور انہوں نے سادات کی لاج رکھی ہے۔ ان کے اجداد عرب سے افغانستان اور افغانستان سے ہندوستان آ گئے تھے۔ اب تو ہم دونوں راہِ حق کے مسافر تھے اور راہِ حق کی مسافرت میں مشرق و مغرب کیسے۔ ہماری راہ ایک تھی، ہماری منزل ایک تھی، ہماری روحیں ہم آہنگ تھیں۔ ہم دونوں اللہ کے پیارے نبی ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا ارادہ لے کر اُٹھے تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس راہ میں میری بیٹی اور میرا بیٹا اور میرا بھائی سب مجھ سے ہمدردی کرتے رہے۔ انہوں نے مجھے حق کی راہ میں قدم بڑھانے سے نہیں روکا۔ میری زندگی ایک سفر ہے جو برسوں کی محرومیوں سے گزر کر اسلام کی حسین وادی میں ختم ہو رہا ہے۔ زندگی تو موت کے بعد بھی چلتی رہے گی۔ میری راہ اسلام کی راہ ہے۔ یہی ایک سیدھی راہ ہے۔ اس کے علاوہ ہر راہ کج ہے اور انسان کو اللہ کی راہ سے بہتر راہ نہیں مل سکتی۔ خدا کرے میں جب تک زندہ رہوں اسی راہ پر چلتی رہوں۔ پھر میں اس راہ سے بھاگوں بھی تو بھاگ کے کہاں جاؤں گی۔ مجھے اللہ نے پیدا کیا اور مجھے لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

مدر مرحومہ کی آپ بیتی کی تلخیص یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ اب رہی ان کی باقی زندگی تو وہ آخری دم تک مولانا عزیر گل کے ساتھ گزری۔ مولانا موصوف نے ان سے نکاح کے بعد کچھ عرصہ ہندوستان میں گزارا۔ پھر وہ ان کو ساتھ لے کر اپنے وطن (پاکستان) آ گئے اور ضلع پشاور کے ایک دور افتادہ گاؤں میں مقیم ہو گئے۔ مدر مرحومہ نے اپنی وفات (۱۹۶۶ء) تک جس مجاہدانہ استقامت کے ساتھ زندگی گزاری، اس کا ذکر نامور دینی اور سیاسی رہنما مولانا سمیع الحق صاحب نے اپنے موقر ماہنامے الحق (اکتوبر ۱۹۶۶ء) میں (اپنے تعزیتی مقالے میں) جس مؤثر انداز

میں کیا، اس سے مدر مرحومہ کے مقام و مرتبہ کا کسی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس مقالے کی نقل (بادنیٰ تصرف) مولانا سمیع الحق صاحب کے شکریہ کے ساتھ یہاں پیش کر رہے ہیں۔

☆☆☆☆

بیگم اسیرِ مالٹا مولانا عزیر گل صاحب

مدر مرحومہ

ابھی چند روز قبل ایک ایسی پاک طینت اور راسخ الایمان خاتون بھی انتقال فرما گئیں جن کی زندگی عصرِ حاضر کی مسلمان خواتین کے لیے روشنی کا مینار اور ایک بہترین نمونہ بن سکتی ہے۔ یہ سراپا ایمان خاتون اسیرِ مالٹا حضرت مولانا عزیر گل صاحب کا کاخیل تلمیذ خاص حضرۃ شیخ الہند قدس سرہٗ کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ جنہوں نے برطانیہ کے ایک ممتاز اور ذی ثروت خاندان میں آنکھیں کھولیں، اس خاندان کا مذہب عیسائیت تھا۔ اس گھر کے اکثر افراد اونچے اونچے عہدوں پر فائز تھے۔ برِ صغیر کے انگریز کمانڈر انچیف لارڈ کچنر، اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سکندر حیات کے زمانہ کے انگریز گورنر بی جے گلانسی سے اسی خاتون کی چھوٹی بہن منسوب تھی مگر خود ان کے دل میں تلاشِ حق کا جذبہ تھا۔ وہ بچپن سے انجیل اور عیسائی مذہب سے مطمئن نہ تھیں، حق کی جستجو میں انہوں نے کئی مذاہب کی چھان بین کی۔ شوقِ حق کا یہ جذبہ انہیں ہندوستان لے آیا، یہاں انہوں نے ہندو مذہب کو اپنایا، پھر سادھوؤں کی طرح دنیا سے کنارہ کشی کی، ریاضتوں اور مجاہدوں میں ایک وقت گزارا۔۔۔۔۔۔۔ بالآخر انہیں قرآنِ کریم کی شکل میں وہ نسخہ شفا مل گیا جس کے لیے وہ سرگرداں تھیں۔ اسلام نے ان کے مضطرب دل و دماغ کو اطمینان بخشا۔ وہ مسلمان ہو گئیں اور ۱۹۳۰ء یا ۱۹۳۱ء میں ایک دینی مرکز دار العلوم دیوبند کا شہرہ سن کر دار العلوم دیوبند آئیں اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی مجلس میں اپنے اسلام اور مومنانہ اثرات کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یورپ کی تمام آسائشوں، ایک آسودہ حال خاندان اور اپنے ملک و وطن کو اسلام کی راہ پر قربان کر دیا۔ اللہ کی راہ میں ہجرت کے لیے انہوں نے اپنی اولاد تک کو بھی عمر بھر کے لئے خیر باد کہا جو اُن کے انگریز شوہر سے تھی۔۔۔ اور یکسوئی سے اسلامی تعلیم کے

حصول میں لگ گئیں۔ حضرت مولانا عزیر گلؒ صاحب مدظلہ کی سابقہ اہلیہ (جو حضرت شیخ الہندؒ کی نواسی تھیں) کے انتقال کے بعد حضرت مدنی اور دوسرے اکابر کے مشورہ پر ۱۹۳۶ء میں اس پاکباز خاتون کا نکاح حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے ساتھ ہوا، اور اس وقت سے لے کر اب تک ساری زندگی ایک ایسے دُور افتادہ گاؤں (جس کی آبادی بمشکل ۳۰۔۴۰ افراد کی ہوگی) میں بسر کی، جو یورپ تو کیا اس ملک کی عام آسائشوں سے بھی محروم تھا۔

اعزہ واقارب کے تقاضوں کے باوجود آخر دم تک ظلمت کدۂ یورپ میں چند دن کے لئے بھی جانا گوارا نہ کیا۔ ان کی زندگی حضرت مولانا کے ساتھ ایک متوسط بلکہ کفایت کی زندگی تھی۔ زندگی بھر ان کا مشغلہ قرآن مجید کا مطالعہ اور اس میں غور وفکر رہا۔ شادی کے بعد انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ مرحوم کے ترجمہ کی روشنی میں اور مولانا عزیر گل کی راہنمائی میں قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ مکمل کیا، جسے اُس وقت کے مشاہیر علماء سید سلیمان ندویؒ اور دیگر حضرات نے بے حد پسند کیا مگر افسوس کہ ناشرین کی سرد مہری کی وجہ سے اب تک شائع نہیں ہو سکا۔ معلوم ہوا کہ لاہور میں فیروز سنز والوں نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری لی ہے۔ نمونہ کے طور پر اس کا پروف بھی چھپا تھا، مگر ان کی بے اعتنائی کی وجہ سے یہ ترجمہ تا حال منظرِ عام پر نہیں آسکا۔

مرحومہ نے (جو بعدِ اسلام مدر یعنی ماں کے نام سے مشہور تھیں) اسلام کی حقانیت اور دیگر مذاہب کے ساتھ اس کے موازنہ پر ایک کتابچہ بیلنس وے (Balanced Way) بھی لکھا ہے۔ قرآنِ کریم کی اشاعت کی تڑپ کا یہ عالم تھا کہ مرتے وقت بھی وصیت کی کہ ان دیہاتی عوام کو پورے قرآن کریم کا ترجمہ اور مفہوم سمجھا دیا جائے۔ علم اور فضل خدا کی دین ہے، اور وہ چاہے تو اس دولت سے عورتوں کو بھی سرفرازی بخش دیتا ہے۔ روشنی کے یہ چراغ کبھی مردوں کی شکل میں جلے تو کبھی عائشہؓ اور رابعہؒ کی شکل میں ۔۔۔۔۔۔ روشنی بہر حال روشنی ہے اور اسے منزل ومقصد کا ذریعہ بننا چاہیے۔

مرحومہ نے عیسائیت سے بیزاری، پھر اللہ کی راہ میں ملک وطن، مال واولاد اور عمر بھر کی عیش وراحت کی قربانی، قرآنِ کریم سے شغف اور انہماک کا ایک نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے جو ہم سب کے لیے ایک نصیحت اور قابلِ تقلید اُسوہ ہے۔

☆☆☆☆

حافظہ حمیدہ بیگم رحمہا اللہ تعالیٰ

محترمہ حافظہ حمیدہ بیگم مرحومہ، معروف عالم دین، باکمال خوشنویس (خطاط) اور متعدد بلند پایہ کتابوں کے مصنف مولانا عبدالرحمن کیلانیؒ کی اہلیہ تھیں [1]۔ انہوں نے قرآن حکیم سے شغف، احکام شریعت کی پابندی، تبلیغ اسلام، اشاعتِ تعلیم، شوہر کی اطاعت، بچوں کی تربیت، قرابت داروں اور عامۃ المسلمین سے ہمدردی غرض اپنی پاکیزہ سیرت و کردار کا جو ایمان افروز نمونہ پیش کیا، دورِ حاضر میں اس کی مثال ملنا محال ہے۔

---

[1] مولانا عبدالرحمن کیلانیؒ ۱۹۲۳ء عیسوی میں موضع کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ کے ایک دینی گھرانے (علماء کے خاندان) میں پیدا ہوئے۔ اس گھرانے کا دیہات میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ مولانا کی والدہ صاحبہ دیہات کی لڑکیوں اور عورتوں کو قرآن ناظرہ اور پنجابی کی منظوم کتاب "احوال الآخرۃ" پڑھایا کرتی تھیں۔ مولانا نے دینی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ خوشنویسی (خطاطی) کا فن اپنے شوق اور اتنی محنت سے سیکھا کہ پایۂ کمال کو پہنچ گئے۔ قرآنِ حکیم سے اپنے شغف کی بنا پر انہوں نے اس فن کو قرآنِ حکیم کی کتابت کے لیے خصوصی طور پر استعمال کیا۔ قرآن پاک چھاپنے والے مشہور ادارے تاج کمپنی نے قرآنِ پاک کے بیشتر نسخوں کی کتابت مولاناؒ ہی نے کرائی۔ ان میں سے ایک نسخہ اتنا مقبول ہوا کہ سعودی حکومت نے اس کو ہر سال لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر پاکستان اور بھارت کے حجاج کو بطور تحفہ دینا منظور کر لیا۔ مولاناؒ نے اپنے بچوں کو دینی اور دنیوی ہر قسم کی اعلیٰ تعلیم دلائی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ مل کر ان کی کردار سازی پر خصوصی توجہ دی۔ وہ ایک درویش منش سادہ مزاج اور پرہیز گار بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیرتِ دینی اور قلبِ تپاں سے نوازا تھا۔ انہوں نے قلم و قرطاس اور تعلیم و تعلّم کے ذریعے دین اخلاق اور ادب کی بے پناہ خدمت کی۔ ایک بھرپور زندگی گزارنے کے بعد انہوں نے ۱۸ دسمبر ۱۹۹۸ کو (مسجد کے اندر حالتِ سجدہ میں) پیک اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن

مولانا نے مختلف موضوعات پر متعدد بلند پایہ کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں مترادفات القرآن، آئینہء پرویزیت، شریعت و طریقت، خلافت و جمہوریت، تجارت اور لین دین کے مسائل و احکام، عقل پرستی اور انکارِ معجزات، روح، عذاب قبر اور سماعِ موتی، احکامِ ستر و حجاب، اسلام میں فاضلہ دولت کا مقام، الشمس والقمر بحسبان، محمدؐ صبر و ثبات کے پیکرِ اعظم، رسولِ اکرم بحیثیت سپہ سالار، تیسیر القرآن (قرآنِ پاک کی تفسیر) چار جلدوں میں۔ ان کے علاوہ مولانا نے کچھ عربی کتب کے اردو میں ترجمے بھی کئے مثلاً

۱۔ سعودی عرب۔ نظامِ زکوٰۃ۔ ۲۔ الموافقات الشاطبی۔ ۳۔ فتاویٰ عبداللہ بن باز مرحوم مفتیٔ اعظم سعودی عرب

محترمہ حمیدہ بیگم ۱۹۲۵ء میں رسول نگر ضلع گوجرانوالہ کے ایک دینی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔والدین بہت نیک اور پرہیز گار تھے خصوصاً والد حکیم محمد نذیر حافظ قرآن، دینی علوم سے آراستہ اور ایک قابل طبیب تھے۔وہ محترمہ حمیدہ بیگم کی پیدائش کے تین ماہ بعد فوت ہو گئے۔اس لیے انہوں نے چچا کے زیرِ سایہ پرورش پائی۔نو سال کی عمر میں ان کی شادی مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ سے ہو گئی۔تحصیلِ علم کا شوق محترمہ حمیدہ بیگم کی گھٹی میں پڑا تھا۔سسرال بھی ایک علمی اور دینی گھرانا تھا۔یہاں آ کر اس شوق نے جلا پائی اور انہوں نے بڑے ذوق وشوق سے سسرال کے اہلِ علم بزرگوں سے قرآنِ حکیم ترجمے کے ساتھ پڑھا اور تین بچے ہوتے ہوئے بھی اس کو حفظ کر لیا۔پنجابی کی منظوم کتاب "احوال الآخرۃ" بھی زبانی یاد کر لی۔اس مصروفیت کے ساتھ تمام خانگی ذمہ داریاں بھی بطریقِ احسن پوری کرتی رہیں۔ساس سسر کی خدمت کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔شوہر روزگار کے سلسلے میں اکثر کیلیانوالہ سے باہر (بالعموم لاہور) رہتے تھے۔محترمہ حمیدہ بیگم صبح اُٹھ کر تہجد کی نماز ادا کرتیں، اپنی منزل پڑھتیں اور پھر فجر کی نماز پڑھ کر بچوں کو لے کر بیٹھ جاتیں اور دو اڑھائی گھنٹے ان کو قرآنِ پاک پڑھاتی رہتیں۔اس کے بعد ناشتہ تیار کرتیں۔اپنی اولاد کی تربیت انہوں نے کس طرح کی اُس کی تفصیل اُن کی بیٹی محترمہ ثریا بتول علوی صاحبہ نے اس طرح بیان کی ہے۔

" اپنی اولاد کی تربیت کے سلسلے میں اَن تھک مساعی انہوں نے انجام دی ہیں۔کل اولاد چار لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔تقریباً ہر بچے کو قرآن ناظرہ خود پڑھایا۔چھ سات سال کی عمر تک ہمارا ناظرہ قرآن ختم ہو جاتا تھا۔اُردو لکھنا پڑھنا اور ابتدائی حساب بھی خود ہی کرواتی تھیں۔اور پھر گیارہ بارہ سال کی عمر تک ہر بچے کو قرآنِ کریم کا ترجمہ مکمل کروا دیا کرتیں۔خود حافظِ قرآن تھیں۔ہر کام کرتے وقت قرآنِ پاک کی تلاوت کرتی رہتیں۔آٹا گوندھنا، کھانا تیار کرنا، برتن کپڑے دھونا ہر کام کے ساتھ قرآنِ پاک پڑھتی جاتیں۔ماشاء اللہ دو لڑکوں اور دو لڑکیوں کو حافظِ قرآن بنایا۔لڑکوں کو حفظِ قرآن کے سلسلے میں مسجد میں داخل ضرور کیا مگر اس کے پیچھے محنت امی جان کی ہی ہوتی تھی اور دونوں بیٹیوں کو تو پورا قرآن کریم خود ہی حفظ کروایا۔بچوں کے ساتھ ہر وقت دَور کرتے رہنا ان کو اپنا قرآن سنانا، ان کا خود سننا، پھر اپنی منزل اور بچوں کی منزل پختہ کرنے کے لئے رات کو دَور کا اہتمام ہوتا۔علاوہ ازیں اسی خاطر نماز با جماعت کا اہتمام کر رکھا تھا

جو سبق یاد کیا ہوتا اسی کو نماز میں پڑھا جاتا۔ رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کا بڑا اہتمام تھا ہر روز دو دو پارے فجر کی نماز اور تراویح کی نماز میں پڑھ لیے جاتے۔ بلکہ تراویح کی نماز میں تو ارد گرد کی بے شمار خواتین بھی آ کر شامل ہو جایا کرتی تھیں۔

اسی انداز پر انہوں نے اپنی بہوؤں کی بھی تربیت کی۔ اسی تربیت کا اثر ہے کہ ان کی بیٹیاں اور بہوئیں جہاں جہاں گئی ہیں بلکہ شاگردیں بھی، انہوں نے اپنے اپنے گھروں میں حلقہ درس قائم کر کے لڑکیوں کی دینی تعلیم و تربیت کا کام شروع کر دیا۔

آج بہت سی ماؤں کو شکایت ہے کہ بچے نماز سے غافل رہتے ہیں۔ اس کا علاج جو میری امی جان نے کیا وہ بہت مؤثر تھا۔ بچوں کو وضو کرنے کا حکم دیتیں بلکہ خود ساتھ مل کر کرواتیں پھر ان کو اپنے ساتھ نماز باجماعت پڑھاتی تھیں اس طرح تمام بچے نماز کے پابند بن گئے۔"

محترمہ حمیدہ بیگمؒ کی زندگی کا ایک تابدار پہلو اُن کا جذبہ وعظ و تبلیغ تھا۔ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیا تھا اور اس فریضے کو ہر حالت میں بڑی بے باکی سے ادا کیا کرتی تھی۔ عورتوں کے اجتماعات میں وہ نہایت مفید اصلاحی تقریریں کرتی تھیں خود تو احکام دین کی سختی سے پابندی کرتی تھیں دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتی رہتی تھیں۔ جہاں بھی بلایا جاتا بلا تکلف چلی جاتیں۔ غمی کی تقریب ہوتی تو ماتم والے گھر کی عورتوں کو بین کرنے سے منع کرتی تھیں اور صبر کی تلقین بڑے مؤثر انداز میں کرتی تھیں۔ شادی کی تقریب ہوتی تو خواتین کو نامحرموں سے پردہ کرنے اور غیر شرعی رسوم سے بچنے کی نصیحت کرتی تھیں۔

۱۹۵۵ء میں وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ کیلیانوالہ سے لاہور منتقل ہو گئیں۔ وہاں (محلہ وسن پورہ میں) پہنچتے ہی درسِ قرآن و حدیث کا آغاز کر دیا پھر قوم کی بچیوں کے لئے ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی جو ان کی قربانیوں اور کوششوں کے نتیجے میں ایک مثالی مدرسہ بن گیا۔ (اس کا نام تدریس القرآن والحدیث ہے) علاوہ ازیں اپنے گھر کے قریب بیرونی طالبات کے لئے ایک ہوسٹل کی عمارت تعمیر کرائی۔ اس مدرسہ سے سینکڑوں طالبات دینی تعلیم حاصل کر چکی ہیں اور کر رہی ہیں۔

محترمہ حمیدہ بیگمؒ بڑی پُرعزم خاتون تھیں۔ ان میں قرآنِ حکیم پڑھنے اور پڑھانے اور علم دین سیکھنے اور سکھانے کا جو بے پناہ جذبہ اور شوق تھا وہی جذبہ اور شوق انہوں نے اپنی اولاد میں

منتقل کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اپنے بچوں کو اعلیٰ دنیوی تعلیم بھی دلائی۔ اس طرح اپنے اُس عزمِ مصمم کی تکمیل کی جس کا اظہار انہوں نے کئی باریوں کیا تھا کہ میں خود تو (اپنی خواہش کے مطابق زیادہ) نہ پڑھ سکی مگر اپنی اولاد پر اپنا شوق پورا کروں گی اور ان کو خوب پڑھاؤں گی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے چاروں لڑکے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ صورت اور سیرت دونوں لحاظ سے دین کے پابند اور تبلیغی جذبے سے سرشار ہیں۔ ان میں سے دو قرآنِ کریم کے حافظ ہیں۔ اس طرح ان کی چاروں لڑکیاں بھی اعلیٰ دینی اور دنیوی تعلیم سے آراستہ، پردے کی پابند اور دین کے احکام پر عمل پیرا ہیں۔ خود بھی قرآن کی حافظہ تھیں اور دو بیٹیاں حافظہ اور قاریہ ہیں۔ اُن کے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں میں بھی بیشتر (چالیس سے اوپر) قرآنِ کریم حفظ کر چکے ہیں ان کے علاوہ بہت سی شاگرد لڑکیوں نے بھی ان سے قرآنِ پاک حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔

ایک اور بات جو محترمہ حمیدہ بیگمؒ کی دین سے والہانہ محبت ظاہر کرتی ہے وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بچیوں کی شادیاں بھی صرف دیندار گھرانوں میں کیں۔ ان کے چاروں داماد (مولانا عبدالوکیل علوی، مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی، ڈاکٹر انعام الٰہی اور مولانا عبدالقدوس سلفی) دینی اور دنیوی علوم کے جامع، دین کے پابند اور خالص اسلامی سیرت و کردار کے مالک ہیں۔

محترمہ حمیدہ بیگمؒ فی الحقیقت اسلامی سیرت و کردار کا ایک چلتا پھرتا نمونہ تھیں۔ نہایت منکسر المزاج، قناعت پسند، مخیّر، خدا ترس، مہمان نواز اور ہمدردِ خلائق تھیں۔ تھوڑا بہت جو کچھ میسّر ہوتا اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کرتی تھیں۔ مال و دولت کی ہوس کبھی نہ کی۔ بچوں کی شادیاں کرتے وقت ہمیشہ دینداری کو پیشِ نظر رکھا اور مال و دولت کو خاطر میں نہ لائیں۔ غریبوں اور حاجت مندوں کی دل کھول کر مدد کرتی رہتی تھیں۔ خود روکھی سوکھی کھا کر بھی دوسروں کی ضرورت پوری کرتیں۔ کوئی سائل ان کے در سے خالی ہاتھ نہ جاتا۔ ہر ایک (بالخصوص قرابت داروں) کے دکھ سکھ میں لازماً شریک ہوتیں۔ اگر کسی کو مالی یا کسی اور قسم کی مدد درکار ہوتی تو وہ بھی فراہم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتیں۔ حلال و حرام کا بہت خیال رکھتیں اور کبھی گھر میں کوئی مشکوک چیز نہ آنے دیتیں۔ دنیاوی رسم و رواج سے اپنا دامن بچا کر رکھتی تھیں۔ ہر کام خالص رضائے الٰہی کی خاطر کرتی تھیں۔ اپنے بیگانے امیر غریب چھوٹے بڑے ہر طبقے والے سے شفقت اور محبت سے

پیش آتیں ۔ بے حد مہمان نواز تھیں جو کچھ کھانے کو گھر میں ہوتا مہمان کے سامنے پیش کر دیا کرتی تھیں ۔ دامادوں اور بہوؤں کو اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے برابر سمجھتی تھیں ۔ ان کے ہاں ساس اور بہو کے روایتی جھگڑے کی نوبت کبھی نہ آئی ۔ اپنی زندگی کا ایک ایک لحہ رضائے الٰہی کے حصول میں گزارنے والی اس مثالی خاتون نے ۷ فروری ۱۹۸۸ کو سفر آخرت اختیار کیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن

☆☆☆☆

محترمہ مریم خنساءؒ بنتِ محمد مسعود عبدہؒ

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

وہ ایک سعید روح تھی ۔ جو جنوری ۱۹۷۸ء کے دوسرے ہفتے کے آغاز میں اس دنیا میں آئی ۔ والدِ بزرگوار نے اس کا نام مریم رکھا اور بعد میں اس نے مریم خنساء کے نام سے شہرت پائی ۔ بائیس سال اور تقریباً گیارہ ماہ بعد ۲۶ ۔ ۲۷ نومبر ۲۰۰۰ء کی درمیانی شب میں مریم خنساء اس دنیا سے رخصت ہوگئی ۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن

تقریباً تئیس سال کی مختصر زندگی میں محترمہ مریم خنساءؒ نے اپنی سیرت و کردار کا جو نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور اپنی تحیر خیز ذہانت ، عالمانہ بصیرت اور عظیم الشان علمی کارناموں کے جو نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے انہوں نے اس کو قرونِ اولیٰ اور قرونِ وسطیٰ کی نامور عالمات اور صالحات کا پرتو ثابت کر دیا ۔ دین اور علم و ادب سے لگاؤ رکھنے والی کوئی بھی شخصیت اس کی پاکیزہ زندگی پر نظر ڈالے گی تو وہ بے اختیار اس پر رحمت کے پھول نچھاور کرے گی۔

دیکھا گیا ہے کہ ذہانت بعض اوقات بعض لوگوں کے لئے وبالِ جان بن جاتی ہے مگر مریم خنساء کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی ذہانت کے ساتھ دین کی سمجھ اور غیرتِ دینی بھی عطا کی تھی ۔ کون ہے جو اس کی "نصابی صلیبیں" "کرکٹ" "طبری خاندان کی محدثات" اور دوسری

تحریریں پڑھ کر اُسے عبقری (جینیس) درجے کی شخصیت تسلیم نہ کرے گا۔ کسی کو دین کی سمجھ اور احکام شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا ہونا بہت بڑا انعامِ ربی ہے اور مریم خنساءؒ بلاشبہ اس انعام ربی سے بہرہ ور تھی۔

مریم خنساء کی تعلیم و تربیت پر اس کے والدِ محترم مولانا محمد مسعود عبدہٗ نے خاص توجہ دی تھی۔ وہ ایک راسخ العقیدہ علمی ذوق رکھنے والے مردِ مومن تھے۔ انہوں نے اپنی لختِ جگر کو وقف فی الدین کر دیا اور اس کی سیرت و کردار کی تعمیر میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مگر افسوس کہ ان کی کاوشوں کے نتیجے میں جب وہ علم و عمل کا پیکرِ جمیل بن گئی اور اس کی صلاحیتوں نے وطن عزیز کے علمی حلقوں کو دنگ کر دیا تو اس کو پیغامِ اجل آ پہنچا اور وہ اپنے شفیق والد کے سامنے دنیا سے رخصت ہو گئی۔ اس جانکاہ سانحہ کے دو ماہ تین دن بعد ۳۱ جنوری اور یکم فروری ۲۰۰۱ء کی درمیانی شب میں غمزدہ والد بھی دار البقا کی جانب کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ انہوں نے بہت سی ایمان افروز نگارشات اپنی یادگار چھوڑیں ان میں سے کچھ کتابی صورت میں بھی آ چکی ہیں۔

یہ بات بعید از انصاف ہو گی اگر ہم یہ کہیں کہ مریم خنساء کی والدہ محترمہ اُمِ عبدِ منیب سمیہ صاحبہ نے اپنی اس لختِ جگر کی تعمیرِ سیرت و کردار میں کچھ کم حصہ لیا۔ موصوفہ کئی بلند پایہ کتابوں کی مصنفہ ہیں اور پاکستان کے کئی دینی حلقوں میں نہ صرف ایک صحیح الفکر ادیبہ اور خوشگو شاعرہ بلکہ ایک مومنہ صالحہ خاتون کی حیثیت سے بھی پہچانی جاتی ہیں۔ مریم خنساء کو دین خالص اور علم و ادب سے جو گہرا لگاؤ پیدا ہوا اس میں یقیناً اُن (والدہ محترمہ) کی مساعی کا بھی دخل تھا۔ فطرتِ سعید سے بہرہ مند جس بچی نے محترم محمد مسعود عبدہٗ اور محترمہ اُمِ عبدِ منیب سمیہ جیسے علمی ذوق رکھنے والے صالح والدین کی آغوشِ شفقت میں پرورش پائی ہو اسے مریم خنساء جیسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ مریم خنساء اپنی مثال آپ تھی۔ محترمہ اُمِ عبدِ منیب سمیہ صاحبہ نے اپنی مایہ ناز لختِ جگر مریم خنساء مرحومہ کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

"مریم نے چھ ماہ کی عمر میں اللہ اللہ بولنا شروع کر دیا تھا۔ پانچ سال کی عمر میں اس نے ناظرہ قرآن مجید پڑھ لیا، نیز اُردو اور عربی کتب بڑی روانی سے پڑھنے لگی۔ نو سال کی عمر میں ننھیال جا کر پرائمری کا امتحان دیا۔ اسکول کی تعلیم کے ساتھ ترجمہ قرآن بھی پڑھتی تھی۔ دس سال کی عمر

میں مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ اعوان ٹاؤن لاہور میں داخل ہوئی یہاں میرے (اُمِ عبدِ منیب) کے علاوہ محترمہ ثریا بتول علوی سے بھی ترجمہ قرآن پڑھتی رہی۔ دس سال کی عمر میں پہلی نظم کہی۔ گیارہ سال کی عمر میں برقع پہن لیا۔ تمام نامحرموں سے خواہ وہ رشتہ دار تھے یا اجنبی مکمل پردہ شروع کردیا۔ اس کی عمر بارہ سال کی تھی کہ ہمارا (یعنی اس کے والدین کا) دانہ پانی جامعہ رحمانیہ۔ جے ۹۹ ماڈل ٹاؤن لاہور میں اُٹھ گیا۔ وہیں مریم نے محترمہ رضیہ مدنی وائس پرنسپل اسلامک انسٹی ٹیوٹ سے ترجمہ وتفسیر کی دہرائی کی۔ انہی کی حوصلہ افزائی سے تقریر اور تدریس کی مشق بھی شروع کردی۔ اس کی عادات، سوچ اور اعمال میں بتدریج زیادہ سے زیادہ سنجیدگی آتی گئی۔ پندرہ سال کی عمر میں اس نے ہلکے پھلکے انشائیے لکھنے شروع کر دیے۔ ان کی اصلاح اس کے والدِ محترم بڑی توجہ اور محنت سے کرتے۔ جب تک اس کا مضمون ہر قسم کے اسقام سے پاک نہ ہو جاتا وہ اس سے بار بار لکھواتے رہتے۔ جلد ہی اس کی تحریر میں پختگی آ گئی اور کسی کہنہ مشق ادیب اور عالم کی طرح لکھنے لگی۔ انیس سال کی عمر تک اس نے بی اے کر لیا۔ اُس زمانے میں ہر وقت نئی کتابوں کی متلاشی رہتی اور ہر ماہ گھر میں آنے والی چھ سات کتابوں کا بغور مطالعہ کرتی۔ تیرہ سال کی عمر میں اپنی پڑھی ہوئی کتابوں پر تبصرے لکھنے شروع کر دیے جو بڑے فاضلانہ اور بے لاگ ہوتے۔

تقویم بالعموم اسلامی استعمال کرتی۔ گھر میں اسلامی مہینوں کا کیلنڈر رکھا تھا۔ جاندار چیزوں کی تصویروں سے سخت اجتناب تھا۔ گھر میں کسی دوا، گھی کا ڈبہ یا کسی اور چیز کا پیکٹ آتا اور اس پر کسی جاندار کی تصویر ہوتی تو اس پر سیاہی پھیر دیتی یا اگر تصویر والا کاغذ پھٹ سکتا تو اسے پھاڑ کر پھینک دیتی، ایسا نہ ہو سکتا تو تصویر کا سر پوری طرح کھرچ دیتی۔ رشتے داروں کے حقوق کا خیال رکھتی۔ دور نزدیک کے تمام رشتہ داروں سے ملنے کی ترغیب والدین کو دیتی رہتی۔

جن گھروں کی کمائی میں سود ہوتا یا وہ حرام ذریعے سے حاصل کی گئی ہوتی، ان سے لین دین کرنے سے حتی الوسع پرہیز کرتی۔ بہت نرم دل تھی، کسی کے دُکھ کو سن کر تڑپ اٹھتی۔ دوسروں کے دُکھ کو اپنا دُکھ محسوس کرتی۔ ماں باپ اور بہن بھائیوں سے بے حد پیار تھا۔ والدین کو مختلف معاملات میں نہایت صائب مشورے دیتی رہتی تھی۔ والد کی بیماری میں ان کی صحت یابی کے لئے روزانہ دو نفل پڑھا کرتی تھی۔ قومی اور معاشرتی مسائل پر والدہ کے ساتھ گھنٹوں محوِ گفتگو رہتی تاکہ ان کے بارے میں مناسب لائحہ عمل اختیار کیا جا سکے۔

بیس سال کی عمر میں اس کی شادی نامور عالمِ دین مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کے فرزند مولانا حافظ احمد شاکر کے بیٹے ہناد شاکر سے ہوئی۔ اپنے حُسنِ کردار سے اس نے سسرال والوں کے دل موہ لیے۔ یہ بھی ایک خالص دینی گھرانا تھا جس کی فضا اس کے علمی کاموں کے لیے نہایت سازگار تھی۔ شوہر کی اس حد تک اطاعت گزار تھی کہ اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہ نکالتی۔ یہاں تک کہ اپنے میکے جا کر بھی شوہر کی اجازت کے بغیر والدین کے گھر سے باہر کہیں نہ جاتی تھی ایک دفعہ میکے کے سامنے والے گھر میں صاحبِ خانہ پانچ بچوں کو چھوڑ کر وفات پا گئے۔ اس کو سخت دکھ ہوا لیکن جب تک شوہر کی اجازت نہ لی وہ مرحوم کے پسماندگان کے پاس تعزیت کے لیے نہیں گئی۔ شوہر جس بات کا کہتے وہ اس کے لیے حکم کا درجہ رکھتی اور وہ اس سے سرِ مُو تجاوز نہ کرتی۔ اگر شوہر کسی چیز کے کھانے سے منع کرتے تو وہ ان کی غیر موجودگی میں بھی اس چیز کو ہرگز نہ کھاتی۔

مریم خنساء رحمہا اللہ کم کھاتی، کم اور سادہ پکاتی، کم کپڑے بناتی اور ہمیشہ آسان ترکیبوں والے کھانے بناتی تاکہ وقت بچ جائے اور لکھنے پڑھنے کے کام آئے۔ جہاں تک بن پڑتا مسنون اورادو اذکار کا اہتمام کرتی تھی۔ احکام دین پر نہایت سختی اور پابندی سے عمل کرتی تھی اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتی رہتی تھی۔ وہ مقدور بھر کوشش کرتی تھی کہ اس کے اخلاق و عادات دین کے تابع ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کے مطابق ہوں۔ اس نے حکمِ شریعت کے مطابق اپنی وصیت اُس وقت لکھی جب وہ آٹھویں جماعت کا نصاب پڑھ رہی تھی۔ اس وصیت میں وہ حالات کے مطابق تبدیلی کرتی رہتی تھی۔ اس کو تبلیغ دین اور اصلاحِ معاشرہ کی بڑی لگن تھی۔ جس مزاج کی خاتون یا لڑکی ملتی اس کو اسی کی سمجھ کے مطابق دین کے بارے میں بتاتی اور اس کے مسائل کا حل پیش کرتی چنانچہ چھوٹی عمر ہی سے کثیر التعداد خواتین اور لڑکیاں اپنے گھریلو مسائل کے بارے میں اس کے پاس مشورہ کے لیے آتی تھیں۔

مریم خنساء کی شادی مارچ ۱۹۹۷ء میں ہوئی۔ نو ماہ بعد اس کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی لیکن مردہ۔ آٹھ ماہ بعد اسقاطِ حمل ہو گیا جو دو بچوں پر مشتمل تھا اس کے بعد وہ وقتاً فوقتاً کہا کرتی کہ چلیے تین بچے تو آگے چلے گئے میری سفارش کے لیے۔۔۔۔ ایک سال ایک ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے بچی دی جس کا نام عائشہ عفرا رکھا گیا۔ اس بچی کی ولادت کے ساڑھے تین ماہ بعد

۳۰ شعبان ۱۴۲۱ھ کو ملتِ اسلامیہ پاکستان کی یہ مایہ ناز بیٹی کئی ہفتوں کی علالت کے بعد اس دارِ فانی سے دار البقا کو سدھار گئی۔ اس کی وفات حسرت آیات پر اس کے خسر مولانا حافظ احمد شاکر صاحب نے ہفت روزہ الاعتصام میں اپنے جذباتِ غم کا اظہار جن الفاظ میں کیا، ان کی نقل اس مضمون کے آخر میں دی جارہی ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ مرحومہ کی اپنے سسرال میں کتنی قدر اور عزت تھی۔ مرحومہ نے اپنے پیچھے جو تحریری سرمایہ چھوڑا، اس کی والدہ محترمہ اُمِ منیب سمیہ صاحبہ نے اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

۱۔ **نصابی صلیبیں:** یہ ایک طویل مقالہ ہے جو کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے اسے مصنفہ نے انیس سال کی عمر میں مکمل کیا۔ اس مقالے میں پہلی کلاس سے لے کر میٹرک تک لازمی نصاب میں جتنے غیر اسلامی نظریات طلبہ کے اندر انڈیلنے کی (شعوری یا لاشعوری) کوشش ماہرینِ تعلیم نے کی ہے۔ ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۲۔ **کرکٹ: اسلامی ثقافت کے تناظر میں** یہ مقالہ بھی کتابچے کی صورت میں چھپ چکا ہے۔

۳۔ **اپنا روشن ماضی:** ''ماہنامہ نور'' لاہور میں بچوں کے لیے اسلامی تاریخ کے واقعات کو کہانی کے انداز میں لکھا تقریباً ۲۵ عنوانات کے تحت۔ کتابی صورت میں شائع ہونے پر تقریباً ۱۵۰ صفحات ہوں گے۔

۴۔ ان کے علاوہ مزید چالیس کے لگ بھگ کہانیاں بچوں کے لیے لکھیں یہ بھی الگ کتابی صورت میں شائع ہوں گی۔

۵۔ بڑوں کے لئے مختلف عنوانات کے تحت تقریباً تیس انشائیے مضامین اور کہانیاں۔

۶۔ **بچوں کی مقبولِ عام صحافت کا تنقیدی جائزہ:** یہ تقریباً ۲۵ عنوانات کے تحت تقریباً ساٹھ صفحات پر مشتمل مقالہ ہے اس کے کچھ حصے ماہنامہ بتول میں شائع ہو چکے ہیں۔

۷۔ **موجودہ اخباری صحافت اور دینی مسائل:** ایک طویل مقالہ

۸۔ **اصطلاحاتِ حدیث:** فن حدیث کی تمام اصطلاحات کو اس میں سمونے کی کوشش کی گئی ہے یہ کتاب تقریباً ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے ابھی اس کی تکمیل کرنا تھی۔ تقریباً ۱۷ سال کی عمر میں والدہ کے ساتھ مل کر اس کا آغاز کیا بعد ازاں اس نے تنہا ہی مکمل کرنے کا ذمہ لے لیا۔

۹۔ **سِیَرِ محدِّثات:** ہفت روزہ الاعتصام میں اس کی کچھ اقساط شائع ہو چکی ہیں۔ تابعین سے

لے کر دورِ حاضر تک جن خواتین نے جس انداز سے فنِ حدیث اور روایتِ حدیث میں حصہ لیا ان کا مربوط اور بھرپور تعارف۔ یہ کتاب بھی تقریباً ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہوگی۔ مصنفہ کا مقصد یہ تھا کہ دورِ حاضر کی خواتین کو یہ احساس دلایا جائے کہ مسلمان خواتین نے علمِ حدیث میں جب دلچسپی لی تو اُمّت بھی اپنے عروج پر رہی۔ جب عورت نے اسے نظر انداز کیا تو دورِ انحطاط چھا گیا۔ آج عورت مختلف علوم میں نام پیدا کر رہی ہے لیکن علمِ حدیث، یا تفسیر سے قطعی نابلد ہے، سوائے گنی چنی خواتین کے۔ ہر بڑے محدث کے پیچھے اس کی ماں، بہن، بیوی، پھوپھی، دادی یا خالہ ہی کی کوششیں تھیں۔ یہ کتاب بھی نامکمل اور منتشر ہے تقریباً ۲۱ سال کی عمر میں اسے شروع کیا۔

۱۰۔ مسلمانوں کا فکری اغوا: یہ کتاب اپنے والدِ محترم کے ایماء پر تقریباً ۱۷ سال کی عمر میں شروع کی۔ ادبی تنظیم "حریم ادب" میں اس کی اکثر اقساط پڑھ کر مصنفہ نے سنائیں۔ اس کتاب میں ان تمام عوامل کی نشان دہی کی گئی ہے جو مسلمان کو اسلام سے برگشتہ کرتے ہیں اور دشمن نے ان عوامل کو بڑی عیاری کے ساتھ میٹھے زہر کی صورت میں عالمِ اسلام میں پھیلایا۔ اس کتاب کی ضخامت تقریباً ۳۰۰ صفحات ہے اس کا بھی کافی حصہ ہفت روزہ "الاعتصام" میں شائع ہو چکا ہے

۱۱۔ نکاح کوئز: یہ ایک عزیز ترین دینی بہن کے ایماء پر بلکہ انہی کی شادی میں عملاً پیش کرنے کے لیے لکھا۔ تقریباً ۱۲۰ صفحات پر مشتمل مستند حوالہ جات کے ساتھ۔ سوالاً جواباً۔ اسلام کے طریقِ نکاح کے بارے میں ابھی تک شائع نہیں ہوا، مولانا سہیل حسن صاحب نے اس پر نظرِ ثانی کی ہے۔

۱۲۔ عدمِ تعاون کی حکمت عملی اور اسلام: غیر مسلم اقوام سے اسلام کب، کیسے اور کیوں عدمِ تعاون کے احکام دیتا ہے۔ قرآن وحدیث کے حوالوں کے ساتھ۔ تقریباً ۸۰ صفحات کا مقالہ جو شائع نہیں ہوا۔

۱۳۔ پاکستان کے حالات احکامِ الٰہی کے تناظر میں: ابھی اس کا نام مصنفہ نے نہیں سوچا تھا۔ بہر حال اس میں مصنفہ نے بتایا ہے کہ اقوام کے بارے میں سنۃ اللہ کیا ہے اور پاکستان کی تعمیر و ترقی کا راز کس طریقِ حکومت اور کس کردار کے شہریوں میں پوشیدہ ہے۔ تقریباً سات آٹھ مضامین ہیں۔ کچھ مکمل، کچھ نامکمل تقریباً ۸۰ صفحات پر مشتمل۔

۱۴۔ خواتین کی صحافت کا جائزہ: پاکستان میں خواتین کے لیے جاری کیے گئے خصوصی

اخبارات ورسائل، انہیں کس قسم کی فکری اور عملی غذا مہیا کر رہے ہیں۔ مصنفہ نے صرف اشارات دیے ہیں۔ مکمل نہیں کر سکی۔

۱۵۔ پاک و ہند کے اُردو رسائل: اُردو زبان میں پاک و ہند میں جتنے بھی رسائل مصنفہ کے علم میں آئے، ان کا مختصر تعارف پیش کیا ہے ترتیب حروفِ تہجی کے حساب سے ہے۔ یہ بھی نامکمل ہے۔

۱۶۔ مخلوط تعلیمی نظامِ دین۔۔۔۔ اَخلاق۔۔۔۔ اور معیار کے آئینے میں:
صرف پندرہ بیس صفحات ہی لکھ پائی۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ پیشِ نظر مکمل جائزہ لینا تھا جسے وہ پورا نہ کر سکی۔

۱۷۔ نصابی صحافت: یہ دراصل میں (اُمِ عبدِ منیب) نے نام دیا ہے۔ مصنفہ نے بی اے میں صحافت کا مضمون رکھا اور اس موضوع پر مختلف کتب کا مطالعہ کر کے ان کا حاصل خود اپنی تحریر میں نوٹ کیا۔ یہ کتاب تقریباً ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ کچھ عنوانات پر کام کرنا ابھی باقی ہے

۱۸۔ ہم وطن میرے حضورؐ کے: مصنفہ کی والدہ سمیّہ مسعود نے اس عنوان کے تحت اہلِ عرب کی صفات جو دورِ حاضر میں وہاں جانے والے دیکھتے یا محسوس کرتے ہیں، عملی صورت میں انہیں کی زبان میں یکجا کرنے کا سوچا۔ کچھ کام کیا بھی بعد ازاں مریم خنساء نے اس کو آگے بڑھایا۔ نامکمل ہے۔

۱۹۔ اچھے اچھے عربی نام: اس کے پہلے حصے میں قرآن حکیم میں موجود اچھے اسماء کو نام کے طور پر مع حوالۂ آیت تحریر کیا ہے: مثلاً رحمۃ۔۔۔ طوبیٰ۔۔۔۔ وغیرہ۔ دوسرے حصے میں عربی کے دیگر اسماء میں اچھے معانی والے اسماء یکجا کیے ہیں۔ تقریباً ۱۱۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب اٹھارہ سال کی عمر میں مکمل کی۔

۲۰۔ صلہءِ رحم: قرآن حکیم اور احادیث میں صلہ رحمی کے بارے میں جو احکام اور اس کی برکات بیان کی گئی ہیں، سب کا ذکر موجود ہے۔ کتاب نامکمل ہے۔

۲۱۔ احادیث میں اوامر و نواہی: ابھی ''بخاری'' کی جلد اول ہی سے نقل کیے تھے۔۔ کہ پیامِ اجل آگیا۔

۲۲۔ تزکیہءِ نفس میں شُکر کا مقام: قرآن میں شکر کا جہاں۔۔۔۔ جس سیاق وسباق میں

ذکر ہے، اسے مختلف عنوانات کے تحت اپنی توضیحی عبارات کے ساتھ مکمل کرنے کا ارادہ تھا۔ یہ کتابچہ اس کا ایک جز ہے جو تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ باقی کام نامکمل ہے۔

۲۳۔ بچوں کی بیماریاں اور ان کے آسان علاج: مصنفہ نے اپنی بچی کی پیدائش کے بعد آزمودہ علاج لکھے۔ لیکن بچی ابھی ساڑھے تین ماہ کی تھی کہ مصنفہ خود اس دنیا سے چلی گئی۔

۲۴۔ لَو میرج (Love Marriage) اور اس کے مضمرات: ''صائمہ کیس'' نے دین پسند حلقوں میں شدید اضطراب کی لہر پیدا کر دی تھی۔ جس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو اسلام کے قانونِ تزویج کے خلاف فیصلہ۔ دوسرے ایک گہری سازش کے تحت معروف دینی گھرانے کی لڑکی کو آلۂ کار بنانا۔۔ مصنفہ اٹھارہ سال کی تھی جب یہ واقعہ پیش آیا۔ اتفاق سے صائمہ سے اس کی تھوڑی سی چہرہ شناسی بھی تھی۔ بہر حال بحیثیت ایک مسلمان لڑکی کے وہ اس واقعے پر تڑپ اُٹھی اور اس نے تمام اخباری بیانات کو سامنے رکھ کر سلسلۂ مضامین شروع کیا۔ تقریباً ڈیڑھ سو صفحے کی اس کتاب کے کچھ عنوانات مکمل اور کچھ نامکمل ہیں۔ ماہنامہ بتول میں اس کے دو تین مضامین شائع بھی ہوئے تھے۔

۲۵۔ فیملی پلاننگ کے طبی نقصانات: مختلف ڈاکٹرز کے تجربات، خواتین کی خود بتائی ہوئی آپ بیتیوں پر مشتمل۔۔۔ نامکمل کتاب۔

۲۶۔ ڈش اور ٹی وی کے مہلک اثرات: نامکمل کتاب

۲۷۔ اساسیات تعلیم: مصنفہ نے دورانِ تعلیم ''ایجوکیشن'' بحیثیت مضمون اختیار کیا۔ تو ساتھ ساتھ اسلام کے نظامِ تعلیم کو بھی بغور پڑھا۔ اور بعد ازاں اپنی کتاب مرتب کی۔ چند ایک عنوانات کے سوا باقی کتاب مکمل ہے۔ تقریباً ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۸۔ اسٹیفن جونز کے تعاقب میں: اسٹیفن جونز ایک انگریز صحافی ہے جس نے اپنے کسی مضمون میں اسلام کے خلاف زہر فشانی کی۔ جناب سلہری صاحب نے اس کے جواب میں روز نامہ خبریں میں ایک مضمون لکھا۔ مصنفہ نے مناظرانہ انداز میں اسٹیفن جونز کی ایک ایک بات کا جواب لکھا۔ یہ مقالہ تقریباً ستر صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۹۔ تفسیرِ قرآن عملِ صحابہ کے آئینے میں: موضوع نام سے ظاہر ہے۔ اس سلسلہ کی دو قسطیں ''ماہنامہ عفت'' اور ماہنامہ ''طیبات'' میں شائع ہوئیں۔ مجموعی طور پر بیس صفحات ہیں

مصنفہ کی وفات کی وجہ سے سلسلہ نامکمل رہا۔

۳۰۔ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں: صحابہ کرامؓ کی طرح اسلامی تعلیمات کے مطابق سادہ زندگی گزارنے والے نیک لوگوں کے انفرادی حالات وواقعات ۔۔۔ کتاب مکمل نہ ہو سکی۔

۳۱۔ معراجِ محبت واطاعت: صحابہ کرامؓ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر والہانہ عقیدت اور محبت کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ جن روایات میں محبت اور اطاعت ہم قدم نظر آتے ہیں ان کو یکجا کرنا شروع کیا تھا، افسوس کہ کتاب مکمل نہ ہو سکی۔

۳۲۔ تبصروں کا مجموعہ: ۱۹۹۳ء سے لے کر آخری وقت تک مرحومہ نے جن کتابوں کا مطالعہ کیا، ان میں سے بہت سی کتابوں پر فاضلانہ تبصرے لکھے اور پھر انہیں ایک کاپی میں درج کیا۔ بعض تبصرے حقیقی معنوں میں معرکۃ آراء ہیں۔ ایک کتاب دخترِ مشرق پر تقریباً ساٹھ صفحات کا تبصرہ ہے۔ تمام تبصروں کی مجموعی ضخامت تقریباً ایک ہزار صفحات ہوگی۔ کتابی صورت میں مرتب کیے جا رہے ہیں۔

۳۳۔ منظومات: مرحومہ شعروشاعری میں درک رکھتی تھیں لیکن اس میدان میں اس نے کچھ زیادہ کام نہیں کیا۔ بچوں کے لیے چند نظمیں کہیں ان کا مجموعہ اللہ نے چاہا تو ''شاخِ گل'' کے نام سے شائع ہوگا۔ نمونہ کلام کے لیے یہ شعار ملاحظہ ہوں۔

جن کو منزل کی دوری کا احساس ہو — وہ سامان سفر کا بڑھاتے نہیں
نیکی کرتے ہوں جو صرف رب کے لئے — کر کے احساں وہ ہرگز جتاتے نہیں
ہاتھ جن کے ہو قندیل علمِ وحی کی — پاؤں ان کے کبھی لڑکھڑاتے نہیں
قوانین حق سے جو برگشتہ ہوں — شہر میں وہ سدا دندناتے نہیں
ظلم کا ہوگا آخر کبھی اختتام — جھوٹے موتی سدا جگمگاتے نہیں

مذکورہ بالا نگارشات کے علاوہ مرحومہ نے کچھ اور متفرق تحریریں (مثلاً سہیلیوں کو لکھے گئے خطوط، بعض مکمل اور نامکمل مقالے وغیرہ) بھی اپنی یادگار چھوڑیں۔۔

تراجم: محترمہ مریم خنساء نے تخلیقی کام کے علاوہ بعض کتابوں کو عربی زبان سے اُردو زبان

میں منتقل کیا۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ عورت کا ستر و حجاب و لباس۔ عربی فتاوی کا اُردو میں ترجمہ مکمل ہے۔

۲۔ طہارت اور خواتین۔ عربی فتاوی کا اردو میں ترجمہ مکمل ہے۔

۳۔ سیرت خدیجۃ الکبریٰؓ۔ عربی کے ایک کتابچے کا اُردو ترجمہ۔

۴۔ تحقیق الجلی لا نکاح اِلا بولی عربی کتاب کو اُردو میں منتقل کرنا شروع کیا تھا۔ تقریباً چوتھائی کتاب کا ترجمہ مکمل کر سکی۔

۵۔ موت اور میت کے مسائل۔ ایک عربی کتابچے کا ترجمہ۔ نامکمل

۶۔ ﷲ کے نام۔ رشید العوید کی کتاب کا ترجمہ شروع کیا۔ مکمل نہ ہو سکا۔

محترمہ مریم خنساء کی وفات پر اس کے خسر مولانا حافظ احمد شاکر صاحب مدیر مسئول ہفت روزہ الاعتصام لاہور نے اپنے دلی جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا (ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحومہ نے اپنی سیرت و کردار سے سسرال والوں کے دل موہ لیے تھے)

ارْجِعِيٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

گزشتہ اتوار، سوموار کی درمیانی شب ساڑھے بارہ بجے کے قریب الاعتصام کے مضمون نگار محترم مولانا مسعود عبدہٗ کی لختِ جگر اور میری نورِ نظر بہو مریم خنساء انتقال کر گئی۔

مرحومہ نے کم و بیش تین ہفتے شدید علالت میں گزارے۔ اٹھارہ دن بے ہوش رہی دو ہفتہ کے قریب اس کو مصنوعی تنفس بھی دیا گیا لیکن إنَّ اجل اللّٰہ اذاجآء لا یؤخر۔

اس عزیزہ از جان مرحومہ کو مارچ ۹۸ میں ہم بہو بنا کر لائے تھے۔ اس کے بارے میں "بتول" کی مضمون نگار ہونے، پڑھی لکھی خواتین کے ہاں اس کے درس دیے جانے اور اس کی مقبولیت کا ہمیں علم تھا۔ لیکن نور الٰہی کی اس شمع فروزاں نے جب ہمارا آنگن روشن کیا تو آن جانے میں ہی اس کی سعادت مندی نے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اپنا مقام خاموشی سے بنا لیا۔ اس سے جب بھی ملنا ہوتا تو آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور دل سکون پاتا اور روح کو قرار آ جاتا۔ خصوصاً دین سے اس کے والہانہ لگاؤ، دین پر اس کے غیر متزلزل یقین، پختہ ایمان اور شوقِ عمل نے تو مجھے نہال کر دیا اُس کی بابرکت آمد سے میرے خاندان میں علم کی لَو بلند اور شوقِ عمل کا جذبہ جوان ہو گیا تھا۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھَا

علم کی پیاس نے اسے ہمیشہ بے کل رکھا۔ دین پہنچانے کی تڑپ سے وہ دائما

بے چین رہی ، بات کہنے کا سلیقہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کو ودیعت کر رکھا تھا۔ سلامتِ فکر اور اصابتِ رائے سے وہ بہرہ ور تھی ۔ دین کی بات کرتے وقت مخاطب پر وہ حواسِ خمسہ اس طرح مرکوز کر دیتی کہ بات سننے والے کے دل میں وہ بات فوراً اتر جاتی ، دین کی جو بات وہ پڑھتی اس کی تحقیق کرتی پھر اسی لمحے اس پر عمل پیرا ہو جاتی ، اس نے بے مقصد نہ کبھی صلاحیت صَرف کی اور نہ ہی علم ، نہ اس نے کبھی وقت ضائع کیا اور نہ پیسہ ، قُوتِ لایموت اس کا نظریہءحیات تھا تو خاوند کی خدمت ، اطاعت اور والدین کی رضا اس کا وظیفۂ حیات رہا۔ وہ اپنی مجلس میں کسی تیسرے انسان کا ذکرِ بد نہ کرتی ، نہ سنتی کہ یہ اس کے منشورِ حیات کا اوّلین اصول تھا ، میری یہ حیادار ، وفادار اور باصفا بیٹی ہمیشہ شرعی پردہ سے مزیّن رہی ، علم کی طلب اور ذوق اس کی فطرت اور مطالعہ کا شوق اس کی دلچسپی تھی۔ رَحِمَهَا اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً

ایک مومنۂ قانتہ کی طرح اوائل عمر ہی سے موت کی منتظر یوں رہی کہ اس نے اپنی وصیت ہمیشہ تیار رکھی جس میں بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ وہ تبدیلی کرتی رہتی تھی ۔ گھریلو سامان بناتے وقت بھی اس نے توازن رکھا کہ پُل صراط سے گزرتے وقت بوجھ نہ بن جائے ، زندگی میں بھی وہ سراپا اطمینان رہی ، بیماری میں بھی بے حس وحرکت مطمئن ہی پڑی رہی۔ اب قبر میں بھی إن شاءاللہ وہ مطمئن ومسرور ہوگی کہ ایسی ہی پاک باز روح کو ملک الموت کہتا ہے

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○ (سُوْرَةُ الْفَجْر : ۲۷ تا ۳۰)

بارِ الٰہا ہماری اس بیٹی کے درجات بلند فرما ، انبیاء وصلحاء کا ساتھ نصیب فرما۔ اور ہم سب کم عقل و بے شعور تیری حکمتوں کو نہیں جان سکتے تو اپنے بندوں کے لئے یقیناً ہمیشہ بہتری کے فیصلے فرماتا ہے ۔ اپنے فضل وکرم سے مجھ کو میرے بیٹے کو ، اس کے والدین کو اور اس سے محبت و تعلق رکھنے والے ہر مسلمان بہن بھائی کو صبر وشکیب سے نواز آمین ثم آمین

(دلفگار حافظ احمد شاکر)

☆☆☆☆
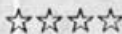
محترمہ ثریا بتول علوی

محترمہ ثریا بتول علوی ۔۔۔۔۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ اور حافظہ حمیدہ بیگمؒ کی صاحبزادی اور مولانا عبدالوکیل علوی کی اہلیہ ہیں [1]۔ وہ ایک نہایت لائق صالحہ، سلیم الطبع عبادت گزار، سادہ مزاج اور دینی و دنیوی علوم کی جامع خاتون ہیں۔ ۲ مئی ۱۹۴۷ء کو کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئیں۔ قرآنِ پاک اور دین کی ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی۔ والدین نے ابتدا ہی میں دینی تعلیم پر خصوصی زور دیا۔ پھر وہ بچوں کی تعلیم کی خاطر گاؤں سے لاہور منتقل ہو گئے۔ اس وقت محترمہ ثریا بتول کی عمر صرف آٹھ برس کی تھی۔ لاہور میں انہوں نے اعلیٰ درجے کی دنیوی اور دینی تعلیم حاصل کی اور اس دوران میں مختلف موقعوں پر اعلیٰ پوزیشن حاصل کرنے کی بنا پر سلور اور گولڈ میڈل (نقرئی اور طلائی تمغے) حاصل کیے۔

---

[1] مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ اور حافظہ حمیدہ بیگم کا تعارف پچھلے صفحات میں کرایا جا چکا ہے۔ محترمہ ثریا بتول کے شوہر مولانا عبدالوکیل علوی ایک صحیح الفکر، راسخ العقیدہ، متبعِ سنت، بالغ نظر اور صحیح علمی ذوق رکھنے والے عالمِ دین اور محقق ہیں۔ انہوں نے ایک طرف تو دینی درسگاہوں سے مختلف علوم دینیہ میں غیر معمولی بلکہ پختہ صلاحیت حاصل کی اور دوسری جانب پنجاب یونیورسٹی سے عربی اور اسلامیات میں ایم اے کیا اس کی تفصیل یہ ہے

۱۔ فاضلِ عربی	سیکنڈری بورڈ لاہور	۱۹۶۰ء
۲۔ فاضل علوم اسلامیہ	دارالعلوم جامعہ اہل حدیث السلفیہ چوک دالگراں لاہور	۱۹۶۳ء
۳۔ التخصص فی التاریخ الاسلامی	جامعہ اسلامیہ بہاولپور	۱۹۶۵ء
۴۔ ایم اے (عربی)	پنجاب یونیورسٹی لاہور	۱۹۶۷ء
۵۔ ایم اے (اسلامیات)	پنجاب یونیورسٹی لاہور	۱۹۶۹ء

ان کے تیس سالہ علمی اور تحقیقی کام کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ بلوغ المرام (لابن حجرؒ) کا عربی سے اُردو میں ترجمہ مع تشریح و حواشی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۹۶۷ء میں انہوں نے بی اے آنرز کیا۔ ۱۹۶۸ء میں اورینٹل کالج لاہور سے (ایک سال میں) ایم اے (عربی) کیا۔ ۱۹۶۹ء میں پرائیویٹ ایم اے (اسلامیات) کیا۔ ۱۹۷۰ء میں بی ایڈ کا امتحان پاس کیا۔ دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ انہوں نے دینی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور کئی امہات کتبِ حدیث (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سُنَنِ نسائی اور مشکوٰۃ المصابیح) بعض جید علماءِ دین سے پڑھیں۔ ان کے اساتذہ میں مولانا عبدالسلام کیلانی فاضلِ مدینہ یونیورسٹی، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ اور مولانا ابوبکر سلفی جیسے نامور فضلا شامل تھے۔ اس سے پہلے قرآن مجید ترجمہ کے ساتھ انہوں نے گیارہ سال کی عمر میں پڑھ لیا تھا۔

۱۹۷۰ء میں ان کی شادی مولانا عبدلوکیل علوی سے ہوگئی ۔ ۱۹۷۵ء میں انہوں نے گوجرانوالہ کے گورنمنٹ گرلز کالج میں بطور لیکچرار (اسلامیات) سرکاری ملازمت اختیار کی۔ اس کتاب کی تالیف کے وقت وہ گورنمنٹ کالج سمن آباد میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کے طور پر صدر شعبۂ اسلامیات کے حیثیت سے فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔

محترمہ ثریا بتول علوی کو بچپن ہی سے تحریر اور درس وتدریس کا شوق تھا۔ اپنی والدہ ماجدہ کے قائم کیے ہوئے مدرسے میں درس وتدریس میں ان کا ہاتھ بٹاتی رہیں۔ شادی اور سرکاری ملازمت کے بعد ان کی مصروفیات کی ذمہ داریوں میں بے انتہا اضافہ ہوگیا لیکن انہوں نے ملازمت کے فرائض بچوں کی تربیت اور اُمورِ خانہ داری کو جس احسن طریقے سے انجام دیا اور ساتھ ہی علمی اور دینی میدان میں جو عظیم الشان کارنامے سرانجام دیے، انہوں نے ان کو ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۲۔ قرآن کریم کی آیت وار تشریح وترجمہ جدید زبان واسلوب کے ساتھ (موضح القرآن از شاہ عبدالقادر کی روشنی میں)

۳۔ سیرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم (تین جلدیں) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی مختلف تالیفات سے تخریج مواد، ترتیب وتبویب)

۴۔ یہودیت اور نصرانیت (دو جلدیں) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی مختلف تالیفات سے تخریج مواد، ترتیب وتبویب)

۵۔ تذکرہ انبیاء ورُسلؑ (دو جلدیں) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی مختلف تالیفات سے تخریج مواد، ترتیب وتبویب)

۶۔ اسماء الحسنیٰ (ایک جلد) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی مختلف تالیفات سے تخریج مواد ترتیب وتبویب)

۷۔ تفہیم الاحادیث (آٹھ جلدیں) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی مختلف تالیفات سے تخریج مواد و ترتیب وتبویب)

مثالی صالحہ خاتون ثابت کر دیا ہے۔ اب تک وہ مختلف دینی اور علمی موضوعات پر سَو سے زیادہ بلند پایہ مقالات لکھ چکی ہیں جن میں کئی مقالات قومی سطح پر انعامات کے حقدار ٹھہرائے گئے۔ ان کے علاوہ وہ درج ذیل معرکہ آرا کتابیں بھی لکھ چکی ہیں۔

۱۔ اسلام میں عورت کا مقام
۲۔ جدید تحریکِ نسواں اور اسلام
۳۔ خواتین رپورٹ کمیشن کا جائزہ

ان کے روزانہ معمولات اور اخلاق و عادات سے ان کی عظمتِ کردار اور دین سے گہرے لگاؤ کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ہر روز منہ اندھیرے (علی الصباح) بیدار ہوتی ہیں، نماز اور ذکر و وظائف سے فارغ ہو کر قرآنِ پاک کے کم از کم نصف پارے کی تلاوت باقاعدگی سے کرتی ہیں۔ ناشتہ کے بعد کالج جا کر تدریسی فرائض انجام دیتی ہیں۔ عصر کے بعد محلّہ کی بچیوں کے لیے گھر پر قرآنِ پاک ترجمہ کے ساتھ پڑھانے کا انتظام ہے اس پاکیزہ کام میں ان کی بیٹیاں بھی ان کی معاونت کرتی ہیں اب تک بے شمار بچیاں اور خواتین اس چشمۂ فیض سے سیراب ہو چکی ہیں۔ تعلیم و تدریس کا یہ سارا عمل وہ کسی تشہیر اور مادی منفعت کے بغیر محض رضائے الٰہی کی خاطر سرانجام دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو چھ بیٹیاں اور تین بیٹے عطا کیے ہیں۔ ان سب کو انہوں نے اعلیٰ دینی اور دنیوی تعلیم سے آراستہ کیا ہے اور ان کی تربیت اس طرح کی ہے کہ وہ اسلامی سیرت و کردار کے سانچے میں ڈھل جائیں (سچے مسلمان اور مُحبِّ وطن شہری بنیں)۔ پانچ بیٹیاں اور دو بیٹے حافظِ قرآن ہیں۔ بچوں پر بہت شفیق ہیں لیکن دین کے معاملے میں ان کو کسی قسم کی ڈھیل نہیں دیتیں۔ اگر ان سے کسی قسم کی کوتاہی یا غفلت سرزد ہو جائے تو سخت باز پُرس کرتی ہیں۔ خود بھی نماز اوّل وقت میں ادا کرتی ہیں اور صبح فرداً فرداً سارے بیٹے بیٹیوں کو بھی نماز کے لیے جگاتی ہیں۔ تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ساتھ امورِ خانہ داری بھی حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیتی ہیں۔ جب تک ضرورت کے مطابق نظر نے ساتھ دیا، سلائی کڑھائی کا کام بھی اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔ مزاج میں انتہا درجے کی سادگی ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ہمیشہ خیال رکھتی ہیں۔ نہ زیورات کی دلدادہ ہیں نہ پُر تکلف لباس کی، خوراک بھی سادہ اور لباس بھی

سادہ وساتر۔ شرعی حجاب کی سختی سے پابند۔۔۔۔ ان کے صحیفہء اخلاق میں انکسار، تواضع، خوش خلقی، صلہ رحمی، اعانت غربا (سخاوت) اکرام ضیف، شوہر کی خدمت، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت اور سبقت الی الخیر سب سے روشن ابواب ہیں۔ مختصر یہ کہ وہ دینی، علمی، اخلاقی، معاشرتی ہر اعتبار سے ایک مثالی صالحہ خاتون ہیں۔

☆☆☆☆
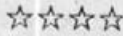
محترمہ اللہ رکھی رحمہا اللہ تعالیٰ

مشہور دانشور ادیب اور محقق پروفیسر ڈاکٹر امین اللہ وثیر صاحب سابق ڈائریکٹر جنرل وزارت مذہبی امور حکومتِ پاکستان، جناب کرامت اللہ وثیر صاحب اور جناب عزت اللہ وثیر صاحب کی والدہ ماجدہ تھیں۔ شہرِ اقبالؒ سیالکوٹ کے ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے والی یہ نیک بخت خاتون خود تو ناظرہ قرآن حکیم ہی تک تعلیم حاصل کر پائیں لیکن اپنی اولاد کو وہ اعلیٰ دینی و دنیوی تعلیم سے آراستہ دیکھنا چاہتی تھیں۔ وہ اپنی ستودہ صفات، پاکیزہ سیرت اور اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کی بدولت اُن مثالی خواتین کی صف میں جگہ پانے کی حقدار بن گئیں جن کو قرآنِ پاک میں مؤمنات، خاشعات، صائمات اور صابرات کہا گیا ہے۔

ان کو قرآنِ حکیم سے اتنا گہرا شغف تھا کہ اس کی تلاوت ان کی زندگی کا ایک اہم معمول بن گئی تھی۔ خود بھی بلا ناغہ تلاوت کرتیں اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتی تھیں۔ محلے کی کئی بچیوں کو انہوں نے ناظرہ قرآنِ پاک پڑھایا۔ پنجگانہ نماز کی سختی سے پابندی کرنے کے علاوہ وہ شب بیدار بھی تھیں۔ کئی دفعہ رات رات بھر جاگ کر عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتی تھیں۔ وہ شدت کی سردی میں ٹھنڈے پانی سے وضو کیا کرتی تھیں۔ صوم رمضان کی اس قدر پابندی کرتیں کہ آخری عمر میں کمزوری کے باوجود کبھی روزہ قضا نہیں کیا بلکہ عید الفطر کے بعد شوال کے چھ روزے بھی ہمیشہ باقاعدگی سے رکھتیں۔ قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک یا صلہء رحمی محترمہ اللہ رکھی کی سیرت کا ایک خاص پہلو تھا۔ ان کے سب قرابت داروں کے ساتھ گہرے روابط

تھے۔ وہ ان کے دکھ درد میں شریک رہتیں۔ خاندان میں کبھی کوئی بیمار پڑ جاتا اور اس کے ہسپتال میں داخل کروانے کی نوبت آتی تو اس کی مستقل تیمار داری کا ذمہ محترمہ اللہ رکھی" اُٹھا لیتیں اور بڑی دلسوزی کے ساتھ یہ ذمہ داری نبھاتیں۔ ہمارے معاشرے میں بہو ساس کا جھگڑا مشہور ہے لیکن محترمہ اللہ رکھی ایک ایسی ساس تھیں جن کا کبھی اپنی کسی بہو سے جھگڑا نہیں ہوا وہ بہوؤں کو اپنی بیٹیاں سمجھتی تھیں، ان پر بے حد شفیق تھیں اور ان سے حقیقی ماں کی طرح پیار کرتی تھیں۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ بہو گھر کی عزت ہوتی ہے اس کو کبھی برا نہیں کہنا چاہیے سارے رشتے داروں میں ان کو ایک مثالی ساس سمجھا جاتا تھا۔

محترمہ اللہ رکھی" درویشانہ صفات کی مالک تھیں۔ وہ خود کھانا پکاتیں پھر گھر کے سب افراد کو دستر خوان پر بٹھا کر کھلاتیں اور سب سے آخر میں کھاتیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ان کو بچے کھچے پر اکتفا کرنا پڑتا۔ کپڑے بھی اپنے ہاتھ سے دھوتیں اور خود ہی انہیں استری کرتیں۔ بچوں کو ہمیشہ صاف ستھرے اور اُجلے کپڑے پہناتیں اور وہ بھی استری کیے ہوئے۔ بچوں کے لئے وہ سراپا رحمت و شفقت تھیں، کبھی کسی بچے کو نہ مارا نہ جھڑکا، چھوٹے بڑے سب بچوں کو دعاؤں سے نوازتی رہتی تھیں۔ ڈاکٹر امین اللہ وثیر صاحب نے اپنی والدہ کی سیرت و کردار کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

"میری اماں نہایت مہربان، شفیق، غریب طبع، غریب پرور، سب کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار، سب کی خدمت گزار، اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والی۔ دیندار، تہجد گزار، منکسر مزاج، خود بھوکی رہ کر دوسروں کو کھلانے والی۔ اماں نے ہمیشہ نرم خوئی، نرم طبعی اور منکسر مزاجی کو اپنا شعار بنایا، وہ لڑائی جھگڑے سے دور رہتیں۔ کسی نے زیادتی کی تو ہماری اماں نے بدلہ لینے کے بجائے درگزر سے کام لیا۔ وہ سب کی خیر خواہ تھیں، ہر کسی کے لیے دعا گو۔ وہ پورے خاندان کی خادم تھیں"

اس نیک سیرت خاتون نے ۱۹۷۶ء میں پیکِ اجل کو لبیک کہا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن

(پروفیسر ڈاکٹر امین اللہ وثیر کے مضمون "ہماری اماں" سے

ماخوذ۔ اُردو ڈائجسٹ عظیم مائیں نمبر جلد دوم ۔ سالنامہ ۱۹۹۴ء)

مادرِ ہمدرد آپا صاحبہ رابعہ بیگم رحمہا اللہ تعالیٰ

شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعیدؒ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ حکیم صاحبؒ اُن کو آپا صاحبہ کہا کرتے تھے اور نامور ادیب مصورِ فطرت خواجہ حسن نظامی دہلویؒ نے ان کو ''ہمدرد دواخانہ'' کی نسبت سے ''مادرِ ہمدرد'' کا لقب دیا تھا۔ اسی نام سے اُن کی ایک تصنیف ۱۹۵۰ء میں دہلی سے شائع ہوئی تھی اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں۔

'' حکیم حافظ حاجی عبدالمجید مرحوم بانیِ دواخانہ ہمدرد کی خوش نصیب اور ہمہ صفت موصوف اہلیہ کا نام رابعہ تھا۔ حضرت رابعہ بصریؒ کا جو درجہ اسلامی خواتین میں مانا جاتا ہے، یقیناً اسی کی برکات کا اثر رابعہ بیگم اہلیہ حکیم صاحب میں بھی تھا۔ آج سے پچاس برس پہلے ۱۹۰۰ء میں بانی دواخانہ ہمدرد کا نکاح رابعہ بیگم صاحبہ سے ہوا تھا۔ اس وقت حکیم صاحب پندرہ روپے ماہوار کے نوکر تھے۔ اس واسطے مہر بتیس روپے کا باندھا گیا تھا چونکہ بتیس روپے مہر شرعی کہلاتا تھا[1] اسی واسطے قدرت نے ان کی زندگی کی شروعات کو بھی شریعت کا پابند بنا دیا تھا۔''

اس کے بعد خواجہ حسن نظامی مرحوم نے محترمہ رابعہ بیگمؒ کی عائلی زندگی کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

'' مادرِ ہمدرد کی ابتدائی زندگی صدیوں پہلے کی مشہور خواتین کی سی زندگی تھی۔ وہ اپنے شوہر کی اطاعت اور خدمت اس عمدگی سے کرتیں کہ حکیم صاحب کو اپنا گھر جنّت معلوم ہوتا تھا۔ خدا نے اس خوش نصیب خاتون کو ان کی محنت اور شرافت کا بہت اچھا صلہ دیا یعنی ان کو پانچ بچے عطا فرمائے۔ پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئیں، حمیدی بیگم نام رکھا گیا پھر ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام عبدالحمید رکھا گیا، ان کے بعد دوسری لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام محمودی بیگم رکھا گیا۔ ان کے بعد اور ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام عبدالوحید رکھا گیا۔ مگر افسوس کہ حافظ عبدالوحید نے عین جوانی کی حالت میں انتقال کیا۔ مادرِ ہمدرد کو آخری فرزند عطا ہوئے تو محمد سعید نام رکھا گیا جو حکیم بھی ہیں، حافظ بھی ہیں اور کمالاتِ طبِ یونانی کے علاوہ ویدک اور ڈاکٹری بھی خوب جانتے ہیں''

(مادرِ ہمدرد۔ ص ۱۵۲ تا ۱۵۴)

---

1 یہ بات غلط طور پر مشہور ہوگئی ہے۔ شریعت میں کہیں حق مہر کو ''بتیس روپے'' تک محدود نہیں کیا گیا۔

محترمہ رابعہ بیگم نے گھر کا انتظام جس لیاقت اور سلیقے سے چلایا، اس کی بنا پر ان کو کسی مبالغہ کے بغیر ایک مثالی خاتون کہا جا سکتا ہے، جب تک شوہر زندہ رہے وہ گھر کا تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتی رہیں۔ انہوں نے جہاں شوہر کی خدمت، بچوں کی پرورش اور گرہستی کے تمام امور کی انجام دہی کو اپنی زندگی کا شعار بنائے رکھا وہاں حقوق اللہ کو بھی پوری تندہی کے ساتھ ادا کرتی رہیں، زندگی بھر نہ کبھی کوئی نماز قضا کی اور نہ بے حجابی اختیار کی۔ ان کے فرزند حکیم محمد سعید کا بیان ہے کہ میری والدہ جب تک حیات رہیں اور تندرست، میں نے کبھی ان کو نماز سے غافل نہ پایا، آنکھ صبح کھلتی تو وہ جانماز پر ہوتیں اور جب رات کو ہم سوتے وہ نماز ہی ادا کرتی ہوتیں۔ محترمہ رابعہ بیگمؒ کے ہاتھ میں اللہ نے بڑی لذت رکھی تھی۔ کھانا اتنا عمدہ اور لذیذ پکاتی تھیں کہ کھانے والے چٹخارے لے کر کھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوسرے اوصاف حمیدہ کے علاوہ دانائی اور دُور اندیشی سے متصف کیا تھا۔ شوہر دن بھر کی محنت کے بعد جو کچھ کما کر لاتے ان کے سامنے رکھ دیتے تھے۔ وہ اس میں سے کچھ رقم بچا کر الگ رکھ لیتی تھیں اور باقی سے گھر کی ضروریات پوری کرتی تھیں۔ ہر روز کچھ رقم پس انداز کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کہیں بُرا وقت یا ناگہانی ضرورت آن پڑے تو یہ رقم کام آئے۔ چند سال کے بعد ایسا وقت آ ہی گیا، ایک دن شوہر رات کو گھر آئے تو بہت پریشان اور فکر مند تھے۔ سبب پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ کاروبار کی توسیع کے لیے سامنے والی دکان کی اشد ضرورت ہے مگر دلال نے جو رقم بتائی ہے وہ میرے پاس نہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ محترمہ رابعہ بیگم سے شوہر کی پریشانی دیکھی نہ گئی انہوں نے اپنی چارپائی سرکائی، پیچھے کی دیوار کو توڑا اور اس میں سے چاندی کے روپوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی (بروایتِ دیگر پتیلی) نکال کر شوہر کے سامنے رکھ دی۔ انہوں نے رقم گنی تو دس ہزار سے اوپر چاندی کے روپے تھے (جن کی مالیت آج کے لاکھوں روپے کے برابر تھی) شوہر نے اس رقم سے مطلوبہ دکان یا عمارت خریدی اور چھوٹی سی دکان میں قائم اپنا (ہمدرد) دواخانہ اس میں منتقل کر دیا (یہی دواخانہ ایک دن ایشیا کا سب سے بڑا یونانی دواخانہ بن گیا)

حکیم حافظ عبدالمجید نے ۱۹۲۲ء میں وفات پائی۔ اُس وقت اُن کی عمر صرف چالیس برس کی تھی اور محترمہ رابعہ بیگم اس سے بھی کم عمر کی تھیں۔ اُن پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی لیکن انہوں نے شوہر کے جانے کے صدمے کو بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کیا اور اپنی زندگی اپنے

پانچ یتیم بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے لیے وقف کر دی۔ سب سے بڑے بچے حکیم عبدالحمید والد کی وفات کے وقت صرف تیرہ برس کے تھے اور سب سے چھوٹے بچے حکیم محمد سعید ؒ کی عمر دو برس کے لگ بھگ تھی۔ پانچ خرد سال بچوں کو چھوڑ کر شوہر کا دنیا سے رخصت ہو جانا ایک پردہ دار خاتون کے لیے ایسی دلدوز مصیبت تھی جس میں وہ ہر طرح کی مدد اور ہمدردی کی مستحق تھیں لیکن اپنوں کی ستم ظریفی دیکھیے کہ بچوں کے دادا، چچا اور ماموؤں نے ''ہمدرد'' کی ملکیت کے دعوے دار بن کر اس پر قبضہ جمانے کی کوشش کی۔ اگر وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاتے تو محترمہ رابعہ بیگم اور ان کے بچے اپنے حق سے محروم ہو کر بالکل بے سہارا رہ جاتے، لیکن محترمہ رابعہ بیگم نے پردے میں رہتے ہوئے ناساعد حالات کا بڑی بہادری اور استقامت سے مقابلہ کیا اور اس سلسلے میں ادارۂ ہمدرد کے ایک مخلص کارکن مولانا قاضی مشرف علی بدایونیؒ نے ان کی ہر طریقے سے مدد کی۔ حکیم محمد سعید شہیدؒ لکھتے ہیں:

''بالآخر ہماری آپا نے دلیرانہ فیصلہ کیا کہ دادا ابا اور چچا جان کا جو حق ہے، وہ انہیں ادا کیا جائے اور ماموں حافظ نور محمد صاحب کو ایک مؤثر کارکن کی حیثیت سے کام کی دعوت دی جائے۔ ان کا یہ بھی ایک مستحکم فیصلہ تھا کہ ان کی حیثیت قطعی طور پر ملازم کی ہو گی اور حق محنت ان کا ادا کر دیا جائے گا اور یہ کہ وقت آنے پر عبدالحمید پوری قطعیت کے ساتھ با اختیار ہوں گے''

(مرد درویش ص ۸۸)

یہ محترمہ رابعہ بیگم کی استقامت اور حوصلہ مندی ہی کا نتیجہ تھا کہ ہمدرد دواخانہ نہ صرف قائم رہا بلکہ ان کی سرپرستی اور نگرانی میں ترقی کی منزلیں طے کرتا رہا۔ بقول خواجہ حسن نظامیؒ یہ حکیم محمد سعید کی عظیم والدہ کی تعلیم اور تربیت، ایثار و قربانی، منصوبہ بندی اور جرأت کا فیضان تھا کہ اُن کی اولاد نے کامیابیوں اور فتوحات کا ایک عظیم سلسلہ قائم کیا جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

محترمہ رابعہ بیگمؒ نے اپنے بچوں کو اچھی سے اچھی تعلیم دلانے کے علاوہ ان کی تربیت جس انداز سے کی اور جس طرح ہمدرد دواخانہ کے قیام و انصرام میں شوہر کا ساتھ دیا، اس کا اندازہ حکیم محمد سعیدؒ کی اس تحریر سے کیا جا سکتا ہے:۔

''ہم سب کی ذمہ داری ابتدا میں ہماری آپا (والدہ مرحومہ) پر رہی اور انہیں کی تربیت نے ہمیں وہ بنا دیا جو آج ہم ہیں۔ ابا جان سے انہوں نے تربیت اولاد کا گر سیکھا تھا اور ابا

انتہائی صحیح استعمال کیا تھا۔انہوں نے کبھی اخلاق کی کسی کوتاہی کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا، اس بات میں وہ بڑی سخت گیر تھیں۔توازن اُن کا ہنر تھا۔وہ اس توازن اور عدل کی وجہ سے پورے خاندان پر حکمران تھیں۔اگر ان میں یہ عظمتیں اور صلاحیتیں نہ ہوتیں تو ابا جان کے انتقال کے بعد ہمدرد کہاں باقی رہ سکتا تھا۔ابا جان کی زندگی میں ہمدرد کے لئے آپا مرحومہ نے کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے۔ خالص روغنِ بادام کے لئے وہ رات رات بھر بادام کی گریاں نکالا کرتی تھیں پھر "حبوب مُقوّیِ معدہ" کی گولیاں برسوں اپنے ہاتھوں سے بناتی رہیں۔اپنے عظیم شوہر کی وہ دستِ راست تھیں اور ہمدرد کی داغ بیل ڈالنے میں پوری طرح شریک رہیں،اس کو آندھیوں اور طوفانوں سے بچانے میں سینہ سپر رہیں اور ایک بھی نماز قضا نہ کی اور ایک دن بھی پردہ نہ چھوڑا"

(مردِ درویش صفحہ۹۱)

"میری آپا صاحبہ رات دن میری تربیت کرتی تھیں،میں غلط راستوں پر چلتا تھا مجھے وہ سیدھا راستہ بتاتی تھیں۔وہ مجھے نہایت محبت سے بتاتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت ہے کہ نرم آواز سے بات کرنی چاہیے اور زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکالنا چاہیے جس سے کسی دوسرے کی دلآزاری ہو۔۔۔آپا صاحبہ نے ہمیشہ فرمایا،محبت کرنا انسان کی بڑائی ہے، احترام کرنا انسان کا حُسن ہے،بڑوں کی عزت کرنا فرض ہے کسی کی تکلیف دُور کرنا راحت ہے"

(ہمدردِ نونہال ماں نمبر اپریل ۱۹۹۸ء ص ۱۹۔۲۰)

"محترمہ رابعہ بیگم عمر بھر گھر کا سارا کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتی رہیں،البتہ عمر کے آخری دَور میں محض ہاتھ بٹانے کے لیے ایک دو مامائیں گھر میں رکھیں۔گھر کے انتظام اور ان کی کفایت شعاری کا یہ عالم تھا کہ روزانہ نوکر سے سبزی کا بھاؤ معلوم کرتی تھیں اور موسم کی جو سبزی سب سے کم نرخ ہوتی وہی منگاتی تھیں"

(اُردو ڈائجسٹ عظیم مائیں نمبر جلد دوم ص ۸۷)

محترمہ رابعہ بیگم قرآن مجید پڑھ نہیں سکتی تھیں لیکن ان کو قرآن مجید سے بڑی عقیدت اور محبت تھی وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتی تھیں کہ پہلے پارے سے لے کر آخری پارے تک تمام سطور پر شہادت کی انگلی پھیرتی رہتی تھیں ان کا دل چاہتا تھا کہ وہ روزانہ قرآن مجید سنا کریں۔ان کے بیٹے حافظ عبدالوحید ان کو قرآن سنایا کرتے تھے۔حافظ عبدالوحید ۷ اسال کی عمر

میں اپنی عظیم والدہ کو داغِ جدائی دے گئے۔ والدہ اللہ کی رضا پر راضی رہنے والی خاتون تھیں "اللہ کی امانت تھی اس نے لے لی" ان کے سب سے چھوٹے فرزند حکیم محمد سعید کی عمر چودہ سال کی ہوئی تو والدہ کے آغوشِ تربیت سے نکل کر بڑے بھائی حکیم عبدالوحیدؒ کے سایہ، عاطفت میں آ گئے یعنی حکیم عبدالحمیدؒ نے ان کی ہر طرح کی ذمہ داری سنبھال لی۔ اب محترمہ رابعہ بیگم کو اللہ سے لو لگانے کا پورا موقع مل گیا اور وہ آخر دم تک عبادات میں ہمیشہ سے زیادہ مشغول ہو گئیں اور مرکز و مرجعِ خیر و فلاح بنی رہیں۔

محترمہ رابعہ بیگمؒ ہر سال ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ کو غربا و مساکین کی دعوتِ عام کیا کرتی تھیں۔ اس سلسلے میں وہ بریانی کی درجنوں دیگیں پکوا کر اللہ کے نام پر تقسیم کرتی تھیں۔ یہ کام سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد اور ایصالِ ثواب کے لیے ہوتا تھا۔ حکیم محمد سعید لکھتے ہیں: " کیا بتاؤں، آپا صاحبہ کو ہر سال گیارھویں شریف سے کس قدر شغف تھا اس کے لیے وہ سال بھر تیاریاں کرتی تھیں۔ بچپن میں یاد ہے کہ اول شام ۳۰۔۳۵ بکرے آیا کرتے تھے۔ بکرے رات بھر کٹتے اور گوشت بنتا۔ رت جگا ہوتا اور اس میں بڑے چھوٹے سب ہی شریک رہتے۔ پھر صبح قصائی رخصت ہوتے اور اللہ بندہ باورچی کندھے پر بڑا سا آہنی کف گیر رکھے اپنے مددگاروں کے ساتھ آ موجود ہوتا۔ تو تلے اللہ بندے کو آپا کواڑ کے پیچھے کھڑے ہو کر ہدایات دیتیں اتنی دیگیں بریانی کی اور اتنی قورے کی پکنی ہیں۔ زردہ اتنے سیر چاولوں کا پکے گا۔ دوپہر تک درجنوں دیگیں تیار ہو جاتیں اور رات تک سینکڑوں سے بڑھ کر غربا کھانا کھاتے رہتے۔ اس خدمت میں گھر کا ہر فرد بشر مصروف رہتا۔ اس زمانے میں ساڑھے چار پانچ روپے کا ایک بکرا آتا تھا۔ تو تلے کو درجنوں دیگوں کی پکائی کا شاید ڈھائی روپیہ دیا جاتا تھا۔ آٹا روپے کا ۳۵ سیر تھا چاول کا بھاؤ اس سے زیادہ کیا ہوگا۔

یاد نہیں آتا کہ گیارھویں کا یہ سلسلہ برسہا برس جاری رہ کر کب ختم ہوا مگر اس قدر جانتا ہوں کہ آپا مرحومہ اس انقطاعِ سلسلہ سے خوش نہیں تھیں۔ وہ زندگی بھر ہم کو انتہائی سستا کھانا کھلا کر جوان کرتی رہیں۔ مشہور تھا کہ رابعہ کے گھر میں جو پکے، سمجھو کہ وہ ترکاری ان دنوں سستی ہے مگر وہ بڑی بڑی رقمیں پس انداز کر کے ضرورت مندوں کو خود جا جا کر خاموشی سے پہنچاتی رہیں"

(مردِ درویش ص ۹۵)

حکیم محمد سعیدؒ کا بیان ہے کہ آخری دنوں میں آپا صاحب کی بہترین خواہش تھی کہ سعید کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں ان دنوں (۱۹۷۹ء میں) روم (اٹلی) میں تھا کہ مجھے ان کی شدید علالت کی اطلاع ملی اور میں روم سے سیدھا دہلی پہنچ گیا۔ آپا صاحبہ نے اطمینان کا سانس لیا اور مجھے یہ وصیت کی کہ سعید میں اب ایک ایسا لمبا سفر اختیار کر رہی ہوں جہاں سے واپسی نہیں ہوا کرتی، یہ سفر کبھی تم کو بھی کرنا ہوگا اس کے لیے تیاری کرتے رہنا، تیاری کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہمیشہ دوسروں کے ساتھ اچھائیاں کرنا، دوسروں کے کام کرنا، چھوٹوں کو بڑا کہنا، زندگی بھر کسی سے انتقام نہ لینا، یہ یاد رکھنا کہ معاف کر دینا سب سے بڑا انتقام ہے، ایک آخری بات اور ہے کہ شہرت کے پیچھے نہ بھاگنا، ایسے نیک کام کرتے رہنا کہ شہرت تمہارے پیچھے دوڑتی رہے، اللہ حافظ۔ اور پھر انہوں نے وہ طویل سفر اختیار کر لیا جو ہر ذی روح کا مقدر ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

☆☆☆☆

محترمہ فردوسی بیگم رحمہا اللہ تعالیٰ

حافظ افروغ حسن قریشی صاحب (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول کنگن پور، مشہور ادیب و مصنف)، ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی صاحب (صدر مجلسِ ادارت اُردو ڈائجسٹ) جناب الطاف حسن قریشی (نامور صحافی، ادیب، دانشور، مدیر مسئول اُردو ڈائجسٹ لاہور) اور جناب گل حسن قریشی کی والدہ ماجدہ تھیں۔ والدین نے ان کا نام فردوسی بیگم رکھا تھا، اللہ کی شان انہوں نے (بچپن سے آخری عمر تک) اپنی سیرت و کردار کا جو نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا، اس نے ان کو اسم با مسمّٰی (مثالی صالحہ) خاتون ثابت کر دیا۔

محترمہ فردوسی بیگمؒ ۱۶ اپریل ۱۸۹۱ء کو ضلع مظفر نگر یوپی (بھارت) کے ایک قصبے شاہ پور میں پیدا ہوئیں۔ والد مولانا حافظ سعید احمدؒ جید عالمِ دین تھے۔ انہوں نے دینی علوم کی تکمیل مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے حاصل کی تھی۔

علمِ طریقت اور روحانی فیض شاہ غوث علی قلندر پانی پتیؒ (متوفّٰی ۱۲۹۷ھ) سے حاصل کیا۔ ان کی طبیعت پر فقر و استغنا کا رنگ غالب تھا۔ انگریز کی ملازمت کو حرام سمجھتے تھے اور تبلیغِ دین کے لئے نزدیک و دُور کے سفر اکثر کرتے رہتے تھے۔ عبادتِ الٰہی سے بے حد شغف تھا ساری ساری رات عبادت اور ذکرِ الٰہی میں گزار دیتے تھے۔ محترمہ فردوسی بیگم نے اسی عابدِ شب بیدار درویش صفت والد سے ناظرہ قرآن پڑھا اور انہی سے قرآنِ پاک کے ترجمے کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ اُردو کی ایسی کتابیں پڑھیں جن میں شریعت کے احکام و مسائل کا بیان تھا۔

محترمہ فردوسی بیگم کا بچپن شاہ پور ہی میں گزرا۔ والدِ گرامی کے درویشانہ مزاج کے باعث گھر میں اکثر تنگ دستی کی کیفیت رہتی تھی۔ اس ماحول میں والدِ گرامی کی تربیت نے ان میں نہ صرف محنت، مشقت، اپنے ہاتھ سے کام کرنے، سلیقہ شعاری اور کفایت کی عادت اور صلاحیت پیدا کر دی تھی بلکہ کمزوروں ضعیفوں اور بیماروں کی خدمت کا بے پناہ شوق بھی ان کے دل میں پیدا کر دیا تھا۔ وہ محلّے کی بیمار، بے سہارا اور ضعیف عورتوں کی خدمت کر کے بہت خوشی محسوس کرتیں۔ ان کے سر اور کپڑے دھو دیتیں، ان کے ہاتھ پاؤں دبا کر ان کو راحت پہنچانے کی کوشش کرتیں، ضرورت پڑنے پر ان کو نہلا دیتیں اور کپڑے بھی سی دیتیں۔ اڑوس پڑوس میں کوئی خاتونِ خانہ بیمار ہو جاتی اور اس کے گھر میں کوئی اور کام کرنے والا نہ ہوتا تو اس کے گھر کا کام کر دیتیں۔ اس طرح وہ محلّے کی بزرگ اور دوسری خواتین سے ڈھیروں دعائیں لیتی رہتیں۔ شاہ پور کے دورانِ قیام میں شادی تک ان کا یہی طرزِ عمل رہا۔

۱۰ مئی ۱۹۰۹ء کو محترمہ فردوسی بیگم کی شادی اپنے تایا زاد عبدالغفار صاحب سے ہو گئی۔ وہ پنجاب میں محکمہ نہر میں پٹواری تھے اور ان کی جائے ملازمت ضلع حصار میں تھی (یہ ضلع اب بھارت کے صوبہ ہریانہ میں ہے)

۱۹۱۱ء میں جناب عبدالغفار صاحب تبدیل ہو کر اس وقت کے مشرقی پنجاب کے ایک گاؤں منگالہ آ گئے۔ اہلیہ بھی ساتھ تھیں یہاں انہوں نے چار سال گزارے۔ اس دوران میں محترمہ فردوسی بیگم اپنے حُسنِ خُلق کی بدولت وہاں کی خواتین میں بہت ہر دلعزیز ہو گئیں حالانکہ جس علاقے میں محترمہ کی پرورش ہوئی تھی اس کی تہذیب زبان اور معاشرت وغیرہ اہلِ منگالہ کی تہذیب زبان اور معاشرت سے یکسر مختلف تھی۔ ان کی دو بچیاں یہیں پیدا ہوئیں۔

۱۹۱۵ء میں جناب عبدالغفار کا تبادلہ منگالہ سے ضلع کرنال کے ایک گاؤں ہابڑی میں ہوگیا جہاں مسلمان راجپوت آباد تھے۔ یہاں ان کا قیام سولہ برس تک رہا۔ ان کے چاروں بیٹے (حاجی گل حسن، ڈاکٹر اعجاز حسن، حافظ افروغ حسن اور الطاف حسن صاحبان) اسی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ صغیرالسن بچوں اور گھر کی دوسری بھرپور ذمہ داریوں کے باوجود ہابڑی میں محترمہ فردوسی بیگم کا یہ معمول رہا کہ محلے کی بچیوں کو ناظرہ قرآن پڑھاتیں۔ محترمہ کے فرزند حافظ افروغ حسن صاحب کا بیان ہے:

"سینکڑوں بچیوں نے ان سے قرآنِ پاک پڑھا۔ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ان کو خانہ داری کی تربیت دیتیں، اس طرح اماں جی کا گھر ہمیشہ ایک دینی اور معاشرتی تربیت گاہ کی حیثیت اختیار کیے رہا۔ اس تربیت گاہ میں جو بچی آجاتی، اماں جی کے ساتھ اس کا ماں بیٹی کا رشتہ مستقل اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہوجاتا۔ وہ بڑی ہوجاتیں، ان کی شادیاں ہوجاتیں، بال بچوں والی ہوجاتیں، لیکن اس رشتے کی پاکیزگی اور نفاست میں کوئی فرق نہ آتا۔ اماں جی ان کے دکھ سکھ میں کام آتیں۔ عید پر انہیں عیدیاں بھجواتیں۔ اگر ان کی خانگی زندگی میں کوئی ناہمواری پیدا ہوجاتی تو مداخلت کرکے ان کو ہموار اور درست کرنے کی کوشش کرتیں"

ہابڑی میں بچوں کی تعلیم کا مناسب بندوبست نہیں تھا، اس لیے جناب عبدالغفار ہابڑی سے تبادلہ کرا کر سرسہ آگئے۔ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ (سوا سال کی مدت کے سوا) قیامِ پاکستان تک یہیں مقیم رہے[1]۔ محترمہ فردوسی بیگم کو ۳۸-۱۹۳۷ء میں چند ماہ مجبوری کے تحت سرسہ سے دور ایک گاؤں بھانہ میں گزارنے پڑے جہاں ان کے شوہر کو بسلسلۂ ملازمت جانا پڑا

---

[1] جناب عبدالغفار نے ۳۸-۱۹۳۷ء میں سال سوا سال کا عرصہ بسلسلۂ ملازمت "بھانہ" میں گزارا۔ ہندو جاٹوں کے اس گاؤں میں ان کو رہائش کے لئے ایک مکان کی بالائی منزل کے دو کمرے ملے جن کے دروازے نہیں تھے۔ موسمِ سرما کی سردی کی شدید لہر کی زد میں آکر محترمہ فردوسی بیگم کو نمونیہ اور بخار ہوگیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوتِ مدافعت کے بل بوتے پر اس خوفناک مرض کا مقابلہ کیا۔ بخار اور نمونیہ کا درد تو جاتا رہا لیکن اس کے اثرات پھیپھڑوں پر ایسے پڑے کہ ان کو دمے کا مرض لاحق ہوگیا جو ۱۹۴۳ء کے آخر تک ان کے لیے اذیت کا باعث بنا رہا۔

تھا۔ بھانہ کے دورانِ قیام میں ان کو دمہ کا مرض لاحق ہوگیا جس نے تقریباً پانچ سال تک ان کو سخت زِچ کیے رکھا، لیکن اس موذی مرض کے باوجود ان کا احساسِ ذمہ داری کہہ لیجیے یا ان کی قوتِ ارادی اور ہمت کہ گھر کے تمام چھوٹے بڑے کام پوری تندہی سے اُس وقت تک انجام دیتی رہیں جب تک ان کی بہوؤں نے ان کو فارغ نہ کردیا۔ جو کام وہ تنہا کرتی رہیں ان میں بچوں کی پرورش کے ساتھ کھانا پکانا، کپڑے دھونا، بھینسوں کے لئے چارا تیار کرنا، اوکھلی میں دھان چھڑنا چکی چلا کر آٹا پیسنا، اور اسی قسم کے کئی دوسرے مشقت والے کام شامل تھے۔

۱۹۳۹ء کے آغاز میں جناب عبدالغفار بھانہ سے تبدیل ہو کر پھر سرسہ آ گئے۔ اہل و عیال بھی ساتھ تھے۔ محترمہ فردوسی بیگم جہاں بھی رہیں ان پر دین اور روحانیت کا رنگ غالب رہا۔ حافظ افروغ حسن صاحب لکھتے ہیں:۔

”پنج وقتہ نماز کی پابندی اور باقاعدگی سے تلاوتِ قرآن مع ترجمہ، اہتمام کے ساتھ سحر خیزی اور نوافلِ تہجد کی ادائیگی اُن (اماں جی) کے معمولات کا لازمی حصہ تھا۔ ان کی خواہش رہتی تھی کہ ان کی اولاد بھی دینی فرائض کی پابندی کرے۔ صبح کے وقت نمازِ فجر کے بعد باقاعدگی سے قرآن مجید کی تلاوت کے نورانی اور روح پرور نغموں سے سارا گھر گونجنے لگتا اور یہ روح افزا اور دلربا سہانا منظر اس گھر پر سارا دن خدا کی رحمتوں برکتوں اور سعادتوں کے نزول کا باعث بنا رہتا“

(اُردو ڈائجسٹ عظیم مائیں نمبر جلد دوم ص ۲۱۹)

سرسہ میں اپنی اماں جی (محترمہ فردوسی بیگم) کے معمولات کے بارے میں حافظ افروغ حسن صاحب لکھتے ہیں:

”ان کا معمول تھا کہ جب سالن پکاتیں، اس میں سے پڑوس کے دو تین گھروں کو ضرور بھیجتیں۔ سرسہ میں ہمارے پڑوس میں ایسے مزدور پیشہ لوگ بھی تھے جو سارے دن محنتِ شاقہ برداشت کرنے کے باوجود بمشکل اتنا حاصل کر پاتے کہ روکھی سوکھی روٹی سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھر سکتے۔ ان کے لیے سالن کا یہ تحفہ نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوتا۔ خلقِ خدا کی نفع رسانی کے لیے اماں جی نے اپنے پاس ایک صندوقچی رکھی ہوئی تھی جس میں کچھ دیسی مفرد اشیاء مثلاً سونف، اجوائن، کالا نمک، سونٹھ، پودینہ، جائفل، ملٹھی اور گلِ بنفشہ وغیرہ ہر وقت موجود رہتیں۔ خواتین اپنے بچے کو لے کر آتیں اور ان کی تکلیف بیان کرتیں۔ اماں جی حسبِ حال کسی معاوضہ

کے بغیر صندوقچی میں سے کوئی نہ کوئی دوا دے دیتیں۔ اللہ کریم ان معمولی دواؤں کو ان کے لیے صحت یابی کا سبب بنا دیتا۔ موسم گرما میں سرسہ میں آشوبِ چشم کی تکلیف ایک وبا کی صورت اختیار کر جاتی۔ اس سے چھوٹے بچے زیادہ متاثر ہوتے اور ان کو بے حد اذیت اور تکلیف محسوس ہوتی۔ عشاء کی نماز کے بعد اکثر کئی عورتیں اپنے بچوں کو ساتھ لے کر امّاں جی کے پاس آتیں وہ ان بچوں کی آنکھوں میں اپنے ہاتھ سے جست کا سفوف ڈالتیں۔ دو بار یہ دوا ڈالنے سے آنکھیں بالکل صاف ہو جاتیں۔

محلّے کی عورتیں اپنی چھوٹی موٹی ضروریات کے پیشِ نظر قرضِ حسنہ لینے آتیں۔ اماں جی ان کو خاموشی سے قرض دے دیتیں۔ بعض دفعہ اس طرح انہیں اپنی ضروریات مؤخر کرنی پڑتیں۔ وہ مقروض سے قرض کی واپسی کا کبھی مطالبہ نہ کرتیں، اسے مہلت دیے رکھتیں تا کہ ہاتھ کشادہ ہونے پر وہ خود ہی سہولت کے ساتھ ادا کر دے۔ ناداری قرض کی واپسی میں حائل ہو جاتی تو اس پر کسی قسم کا احسان جتائے بغیر اللہ کی رضا کی خاطر معاف فرما دیتیں۔ امّاں جی کے پاس (محلّے) کی بہت سی بوڑھی عورتیں آتیں۔ امّاں جی انہیں نہلاتیں، ان کے سر گوندھتیں، انہی ضعیف خواتین میں ایک خالہ ''عمدہ'' تھی وہ ہر جمعے باقاعدگی سے امّاں جی کے پاس آتیں۔ وہ امّاں جی کو بہو کہہ کر پکارا کرتیں۔ امّاں جی انہیں نہلا دھلا کر کپڑے بدلواتیں اور میلے کپڑے دھو کر دیتیں۔ بیماروں کی خدمت اور ان کی ہر طرح سے خبر گیری اماں جی کا شعار تھا۔ پڑوس میں اگر کوئی بچہ یا خاتون بیمار پڑ جاتی تو اس کی عیادت کرنا، مریض کے لئے پسندیدہ چیز تیار کر کے لے جانا ان کا معمول تھا۔

محترمہ فردوسی بیگم کی زندگی کے ایک خاص پہلو (روحانی) کے بارے میں حافظ افروغ حسن صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

''ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن کی کثرت کے باعث اللہ تعالیٰ نے امّاں جی کی زبان اور ان کے دَم میں ایک شفا بخش تاثیر پیدا کر دی تھی۔ وہ جس مریض پر آیاتِ الٰہی پڑھ کر دَم کر دیتیں وہ خدا کے فضل سے شفایاب ہو جاتا۔ بعض بیماریوں میں ان کا یہ عمل تریاق کی حیثیت رکھتا تھا مثلاً کن پھڑ، بچوں کا نمونیہ، موذی اور زہریلے جانوروں کا کاٹ لینا اور دردِ سر وغیرہ۔ مریض بلکتے اور تڑپتے آتے اور ہنستے کھیلتے جاتے۔ مارگزیدہ مریض آتا، امّاں اسے نیم کے پتے چبوا دیتیں،

ساتھ ساتھ دَم کرتی جاتیں۔ جب تک زہر کا اثر جسم میں ہوتا، نیم کے پتے مریض کو میٹھے یا پھیکے محسوس ہوتے۔ دم کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ یہاں تک کہ ان کی کڑواہٹ کو اس کی قوتِ ذائقہ محسوس کرنے لگتی۔ یہ اس بات کی علامت ہوتی کہ جسم سے زہر کا اثر زائل ہو چکا ہے۔ یہ سب قرآنِ پاک کی برکت اور اس کا اعجاز تھا۔ دین کے ساتھ گہرے ربط نے ان کے اندر ایک روحانی قوت پیدا کر دی تھی"

اس کے بعد حافظ افروغ حسن صاحب نے کچھ ایسے واقعات بیان کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محترمہ فردوسی بیگمؒ کو جہاں غیر معمولی روحانی قوت عطا کر دی تھی وہاں ان کے دل میں ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہنے کا جذبہ بھی پیدا کر دیا تھا۔ ان کا ایک فرزند اور دو بچیاں بچپن میں فوت ہو گئے اور دو شادی شدہ بچیاں ۱۹۴۵ء اور ۱۹۴۷ء میں فوت ہو گئیں۔ انہوں نے صدمے کے ہر ایسے موقع پر صبر و ضبط اور تسلیم و رضا کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ جزع فزع تو کیا، بے صبری کا ایک لفظ تک زبان سے نہ نکالا۔ فوت ہونے والی دونوں شادی شدہ بچیوں کو اپنے ہاتھ سے غسل دے کر صبر و سکون کے ساتھ اللہ کے حوالے کیا۔

محترمہ فردوسی بیگمؒ اپنے دینی اور روحانی ذوق کی بنا پر ۱۹۳۹ء میں حضرت خواجہ عبدالصمدؒ سجادہ نشین خانقاہ مظفری کے حلقہء ارادت میں داخل ہو گئیں۔ خواجہ صاحب ایک باعظمت اور صاحبِ دل بزرگ تھے اور محترمہ کے شوہر کے پیر و مرشد تھے۔ وہ اتفاق سے سرسہ تشریف لائے تھے یہاں وہ خود جناب عبدالغفار کے گھر تشریف لائے اور پسِ پردہ فردوسی بیگمؒ کو طریقہء نقشبندیہ مجددیہ کے مطابق اپنے حلقہء بیعت میں داخل کیا، سابقہ گناہوں سے توبہ کرائی، دینی فرائض کی پابندی کا عہد لیا، درود شریف اور استغفار کی تسبیح پڑھنے کی ہدایت کی اور اسمِ ذات کے ذکر کی تلقین فرمائی۔۔۔ اس واقعہ کے بعد عبادت، ذکرِ الٰہی اور اسمِ ذات کی مشق میں ان کا انہماک اتنا بڑھا کہ دنیا کے لوازمات اور مشاغل سے بیزار ہو گئیں۔ ان کی اس کیفیت کا اثر امورِ خانہ داری وغیرہ پر پڑا تو حافظ افروغ حسن صاحب نے ان سے عرض کیا کہ اماں جی اللہ کی رضا کے لیے خانہ داری اور اولاد کی پرورش و تربیت کی ذمہ داریاں پورا کرنا بھی عبادت ہے اس لیے آپ ذکر و نوافل کے سلسلے میں قدرے احتیاط و اعتدال سے کام لیں۔۔۔ محترمہؒ نے بیٹے کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور اپنے معاملات میں حسبِ سابق اعتدال و توازن پیدا کر لیا۔

محترمہ فردوسی بیگمؒ کے لیے دمہ کا موذی مرض کئی سال سے سخت اذیت کا باعث بنا ہوا تھا ۔علاج کے باوجود ہر رات کو دو بجے وہ دمے کے شدید دورے کی وجہ سے اُٹھ کر بیٹھ جاتیں، دورے کی شدت میں خاصا دن چڑھنے کے بعد کمی ہوتی اور بعض دفعہ اس کی شدت سارا دن رہتی۔ دسمبر ۱۹۴۳ء میں ایک تحیّر خیز واقعہ پیش آیا اور محترمہ کو اس تکلیف دِہ بیماری سے نجات مل گئی۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک رات ان پر دمے کا شدید دورہ پڑا اور وہ دیر تک سخت بے چین اور بے قرار رہیں۔تقریباً چار بجے ان پر غنودگی کی کیفیت طاری ہوئی چند منٹ بعد وہ چونک کر اُٹھیں اور اپنے صاحبزادے (حافظ افروغ حسن صاحب) سے کہنے لگیں:۔

"افروغ! میں نے ابھی ابھی ایک عجیب وغریب خواب دیکھا ہے، میں نے دیکھا کہ حصار میں میرے مرشد حضرت خواجہ عبدالصمد صاحب تہجد کی نماز کے لیے اُٹھے ہیں، اپنی مسجد کے حوض پر وضو کر رہے ہیں اور میری تکلیف کی بے قراری دیکھ رہے ہیں ۔وضو ختم کرنے کے بعد انہوں نے اپنے چلّو میں تھوڑا سا پانی لے کر میری طرف پھینکا اور کہا "اللہ فضل کرے گا" پانی کے وہ چھینٹے میرے چہرے پر پڑے جس سے میری آنکھ کھل گئی اور اب مجھے سانس کی تکلیف بالکل نہیں"

حافظ افروغ حسن صاحب کا بیان ہے کہ "اس کے بعد اماں جی نماز فجر تک آرام سے سوتی رہیں ۔۔۔ دمے کی وہ تکلیف جس کے متعلق مشہور ہے کہ دَم کے ساتھ جاتی ہے، بفضلِ خدا ہمیشہ کے لیے جاتی رہی، پھر اُن کو ساری عمر اس بیماری اور تکلیف کی شکایت نہیں ہوئی"

بچوں کی پرورش اور تربیت کے سلسلے میں محترمہ فردوسی بیگمؒ نے دو باتوں کا خاص خیال رکھا ،ایک تو یہ کہ ان کو دنیوی تعلیم کے علاوہ قرآن مجید کی تعلیم دلانے کا پورا اہتمام کیا۔اپنی سب بیٹیوں کو گھر پر خود ناظرہ قرآن پڑھایا اور بیٹوں کو قاری صاحب سے اس کی تعلیم دلائی ۔ایک بیٹے (جناب افروغ حسن) کو حافظِ قرآن بنایا۔دوسری یہ کہ بچپن ہی سے بچوں کو سادہ اور سخت زندگی گزارنے کا عادی بنایا، کپڑوں میں سادگی، کھانے میں سادگی، رہنے سہنے میں سادگی اور سادگی کے ساتھ جفاکشی ۔۔۔علاوہ ازیں اپنے ہر بچے کے ساتھ اس کے طبعی رجحانات اور ذہنی میلانات کے مطابق برتاؤ کرتیں تاکہ وہ کسی ذہنی اور نفسیاتی اُلجھن میں مبتلا نہ ہو۔بچوں کو احساسِ کمتری سے بچانے کے لئے وہ ان کی فیس ہمیشہ بر وقت ادا کرتیں اور ان کی تعلیمی ضروریات کی فراہمی میں

ایک لمحے کی تاخیر بھی گوارا نہ کرتیں۔ حافظ افروغ حسن صاحب کہتے ہیں کہ:۔

"ہمارے گھر کی آمدنی مناسب اور اخراجات وسیع تھے اس کے باوجود وہ (اماں جی) گھر کا نظام کچھ اس طرح کفایت شعاری، خوش اسلوبی اور منصوبہ بندی سے چلاتیں کہ کبھی تنگی کا احساس نہ ہوتا، وہ پیسے کی کمی سلیقہ مندی، ہنرمندی اور اپنے ہاتھ سے محنت مشقت کر کے پورا کرتیں"

محترمہ فردوسی بیگمؒ کے نزدیک ایک مسلمان عورت کا حسین ترین زیور اس کی پاکیزہ شرم وحیا ہے چنانچہ وہ اپنے خاندان کی ان خواتین اور بچیوں پر بڑی سختی سے گرفت کرتیں جن کے لباس اور رنگ ڈھنگ میں انہیں تھوڑی سی بھی عریانی اور بے حیائی کا پہلو نظر آتا۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں محترمہ فردوسی بیگم اپنے خاندان کے ساتھ سرسہ سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئیں اور لاہور میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ ابتدا میں اس خاندان کو معاشی اعتبار سے سخت نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا لیکن محترمہؒ کی بلند ہمتی اور سلیقہ شعاری نے ان صبر آزما حالات میں پورے خاندان کو سنبھالا دیے رکھا۔ آخر کار آہستہ آہستہ یہ تنگی فراخی میں اور عسرت فراغت میں تبدیل ہو گئی۔ نومبر ۱۹۶۷ء میں محترمہؒ نے اپنے بڑے فرزند جناب گل حسن کے ساتھ بڑے ذوق وشوق سے حج اور روضۂ نبوی پر حاضری کی سعادت حاصل کی۔ یکم اپریل ۱۹۷۲ء کو اس عظیم خاتون نے بعارضۂ فالج پیکِ اجل کو لبیک کہا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

(حافظ افروغ حسن صاحب کے مضمون "اماں جی" سے ماخوذ۔ اُردو ڈائجسٹ سالنامہ ۱۹۹۴ء عظیم مائیں نمبر جلد دوم)

☆☆☆☆

محترمہ بشیر النساء بیگم رحمہا اللہ تعالیٰ

مشہور ادیب مولانا حکیم سیّد محمود احمد برکاتی اور پاکستان کے سب سے بڑے طبی ادارے "ہمدرد" سے وابستہ معروف ادیب، مصنف اور صحافی حکیم سیّد مسعود احمد برکاتی کی والدہ ماجدہ اور حیدر آباد (دکن) کے ایک نامور عالم اور مصنف علامہ مختار احمد کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی

شادی بڑ کو چک کے یگانہ روزگار طبیب اور مصنف مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکیؒ[1] کے فاضل صاحبزادے مولانا حکیم سیّد محمد احمدؒ سے ہوئی (ان کو خواص و عوام از راہِ محبت و عقیدت محمد میاں کہتے تھے) ان سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک صاحبزادی اور تین صاحبزادے عطا کیے (محترمہ کنیز فاطمہ، سید محمود احمد، سید اختر احمد اور سید مسعود احمد)۔ شادی کے چند سال بعد شوہرِ نامدار حکیم سید محمد احمد نے ۱۳۵۱ھ میں بعمر ۳۶ سال وفات پائی۔ اس وقت محترمہ بشیر النساء کی عمر صرف اٹھائیس برس کی تھی۔ انہوں نے بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ اس جانکاہ صدمے کو جھیلا اور اپنی زندگی چاروں بچوں کی پرورش اور تربیت کے لیے وقف کر دی۔ انہوں نے بچوں کو اپنی استطاعت کے مطابق اچھی سے اچھی دینی اور دنیوی تعلیم دلائی اور ان کی تربیت اس انداز سے کی کہ وہ اچھے انسان اور سچے مسلمان بنیں۔ بچوں کو ہمیشہ سادہ زندگی گزارنے اور محنت کرنے کی تلقین کیا کرتی تھیں اگر وہ کبھی کوئی ایسی فرمائش کرتے جس سے امیری کی بُو آتی تو حیثیت ہونے کے باوجود اس کو ٹالنے کی کوشش کرتیں اور بچوں کو اپنے بزرگوں کی درویشانہ روش اور جفاکشی کے قصے سنا کر اپنی خواہشات پر قابو پانے کی ترغیب دیتی تھیں۔

---

[1] حکیم سید برکات احمد ٹونکیؒ کا شمار تیرھویں/چودھویں صدی ہجری کے چوٹی کے اطباء و علماء میں ہوتا ہے ان کے والد حکیم سید دائم علیؒ بھی اونچے درجے کے عالمِ دین اور طبیب تھے۔ وہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مرید خاص اور خلیفہ تھے۔ مدت تک ریاست ٹونک کے وزیرِ خزانہ اور نواب صاحب ٹونک کے طبیبِ خاص رہے۔ انہوں نے ۱۲۹۵ھ (بمطابق ۱۸۷۸ء) میں وفات پائی۔ ان کی شادی اُس دور کے ایک ولی کامل شیخ ولی محمدؒ (جو رشتے میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے بھتیجے ہوتے تھے) کی صاحبزادی سے ہوئی تھی انہی کے بطن سے حکیم سید برکات احمد ۱۲۸۰ھ (بمطابق ۱۸۶۳ء) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم ٹونک کے مدرسہ شاہی میں حاصل کی پھر درسِ نظامی کی متوسط کتابیں اپنے والد گرامی سے پڑھیں اور مولانا لطف اللہ بہاریؒ اور مولانا محمد حسنؒ سے بھی کسبِ فیض کیا پھر رامپور جا کر علامہ عبدالحق خیر آبادیؒ (خلف الرشید علامہ فضل حق خیر آبادیؒ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور پندرہ سال تک جملہ علوم دینی کی تعلیم پا کر درجۂ تبحّر حاصل کر لیا۔ پھر لکھنو اور دہلی جا کر اُس دور کے کئی نامور اطبا سے علم طب حاصل کیا۔ پھر بھوپال جا کر قاضی محمد ایوبؒ سے علوم دینیہ اور حدیث کی مزید تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ٹونک واپس آئے تو نواب صاحب ٹونک نے ان کو اپنا طبیب خاص مقرر کیا۔

سادگی کے ساتھ ان کو صفائی بھی بے حد پسند تھی اور بچوں سے بھی وہ یہی چاہتی تھیں۔ ان کی طبیعت میں خلقِ خدا سے ہمدردی کا جذبہ حد سے زیادہ تھا۔ کسی کو تکلیف میں دیکھتیں تو بے چین ہو جاتیں اور اس کی تکلیف دور کرنے کی مقدور بھر کوشش کرتیں۔ چونکہ خود بیوہ ہو گئی تھیں اس لیے بیوہ عورتوں کے دکھ درد اور ضرورتوں کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ ان کی لڑکیوں کی شادی میں ہر طرح کی مدد کرتی تھیں اور اگر کوئی بیوہ عورت بے سہارا ہوتی تو اس کی بیٹی کی شادی کا سارا خرچ خود اٹھاتی تھیں۔

اُس زمانے میں عربوں کو تیل کی دولت نہیں ملی تھی اور عرب کے اکثر باشندے افلاس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۱۳۳۱ھ (بمطابق ۱۹۱۳ء) میں انہوں نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور پھر مصر شام فلسطین وغیرہ مختلف ممالکِ اسلامیہ کے متعدد مشہور مقابر کی زیارت کے بعد وطن واپس آئے۔ یہاں فرائضِ ملازمت اور مطب کے علاوہ جو وقت بچتا اس کو درس و تدریس میں صَرف کرتے یہاں تک کہ طالبانِ علم دُور دُور سے آ کر ان کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے انہوں نے اپنے مکان کا ایک وسیع حصہ طلبہ کے قیام کے لئے وقف کر دیا اور ان کے خورونوش وغیرہ کے اخراجات کی ذمہ داری خود اٹھالی۔ یہی مدرسہ بعد میں مدرسہ خلیلیہ کی صورت میں ملک کی ایک عظیم دینی درسگاہ بن گیا۔ اس مدرسے سے فارغ التحصیل ہو کر نکلنے والے لوگوں میں علامہ معین الدین اجمیریؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا عبدالقادر بدایونیؒ، شفاء الملک حکیم رضی الدین خان دہلویؒ اور حکیم سید محمد احمدؒ وغیرہ جیسے اصحابِ علم و فضل شامل تھے۔ حکیم سید برکات احمدؒ بڑے سادہ مزاج مخیّر اور درویش صفت بزرگ تھے۔ حجازِ مقدس سے آنے والے عربوں کی دل کھول کر مدد کیا کرتے تھے۔ ٹونک میں مسافروں بالخصوص عربوں کے لئے ایک رباط (سرائے) بھی تعمیر کرائی۔ طب میں بھی وہ بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے ۱۳۴۷ھ (بمطابق ۱۹۲۸ء) میں وفات پائی اور متعدد بلند پایہ تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: حقیقتِ اسلام، عشرۂ کاملہ، تنویر المنار، انہار اربعہ، الاتقان العرفان فی ماہیۃ الزمان، امام الکلام فی تحقیق الاجسام، حاشیہ بر جامع ترمذی، المعقول الضابط فی تحقیق الوجود الرابط۔

حکیم صاحبؒ نے صرف ایک صاحبزادے علامہ حکیم سید محمد احمد اپنے پیچھے چھوڑے جو علم و عمل کے اعتبار سے اپنے والدِ گرامی کے حقیقی جانشین ثابت ہوئے۔

شکار تھے۔ اس قسم کے غریب عرب اکثر ٹونک آتے رہتے تھے۔ عام طور پر ان کا قیام اُس سرائے (رباط الحکیم) میں ہوتا تھا جو حکیم سید برکات احمدؒ نے ٹونک میں مسافروں (بالخصوص عربوں) کے لیے بنوائی تھی۔ ان کے طعام و آرام کا تمام انتظام حکیم صاحب موصوف کی بیگم (سیدہ عزیز النساء بیگمؒ) اپنے ذمہ لے لیتیں اور جب وہ رخصت ہونے لگتے تو ان کی خدمت میں کچھ نقد رقوم بھی پیش کرتیں۔ اپنے خسر اور شوہر کی وفات کے بعد محترمہ بشیر النساء بیگم (اپنی خوشدامن کے ساتھ مل کر اور ان کے انتقال کے بعد تنہا) عرب مہمانوں کو اپنے مکان کے مردانے میں ٹھہراتیں اور ان کی خوب خاطر مدارات کرتیں۔ ساتھ ہی بچوں کو بتاتیں کہ یہ لوگ ہمارے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ علیہ وَسَلَّم کے وطنِ مقدس سے آئے ہیں ان کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔ جب وہ جانے لگتے تو ان کو کچھ نقد رقم دے کر رخصت کرتیں۔

حکیم سید برکات احمدؒ اور ان کی بیگم مرحومہ نے نہ صرف طالب علموں کے وظیفے باندھ رکھے تھے بلکہ ان کی بڑی تعداد کو روزانہ کھانا بھی کھلاتے تھے۔ محترمہ بشیر النساء بیگم نے بھی کسی نہ کسی حد تک یہ سلسلہ جاری رکھا۔ وہ طالب علموں کو ان کی پسند کے مطابق کھانا پیش کرتی تھیں۔

انہوں نے بچوں کی تربیت کس طرح کی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ کھانا پکانے والی ملازمہ بیمار ہوگئی۔ انہوں نے اس کی جگہ اپنی ایک پریشان حال عزیزہ کو کھانا پکانے کے لیے رکھ لیا۔ وہ خود بھی ان کے ساتھ کھانا پکانے میں لگ جاتیں تاکہ ان کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ نوکرانی ہیں۔ محترمہ بشیر النساء ان کو کھانا بھی اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتی تھیں۔ ایک دن حکیم سید مسعود احمد برکاتی نے (جو اس وقت بہت چھوٹے تھے) ان کو دستر خوان پر بیٹھے دیکھ کر کہہ دیا کہ میں نوکروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتا، اس پر والدہ نے ان کو زناٹے سے ایک تھپڑ رسید کیا اور درشت لہجے میں کہا کہ آئندہ یہ بات میں تمہارے منہ سے نہ سنوں۔

قیامِ پاکستان کے بعد حکیم مسعود احمد برکاتی اور ان سے بڑے بھائی اختر احمد ٹونک سے ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔ محترمہ بشیر النساء بیگم بیٹی اور بڑے صاحبزادے حکیم محمود احمد برکاتی کے ساتھ بوجوہ ٹونک ہی میں رہیں۔ وہ چار برس تک دونوں بیٹوں کی جدائی دل پر پتھر رکھ کر برداشت کرتی رہیں۔ اِدھر یہ دونوں بھائی روزگار / معاش کے سلسلے میں بہت پریشان رہے۔ یہاں تک کہ فقر و فاقہ کی نوبت پہنچ جاتی تھی۔ بیٹوں کی پریشان حالی کا علم ہونے پر ماں کا

متفکر اور دکھی ہونا فطری بات تھی لیکن انہوں نے بیٹوں کو ہمیشہ یہی لکھا کہ بیٹو! خواہ مزدوری کرنا پڑے، کر لینا لیکن کسی کے زیر بار احسان نہ ہونا، کسی عزیز قریب سے قرض نہ لینا، رزقِ حلال کے لئے محنت مشقت کے کسی کام سے گریز نہ کرنا اور اپنی پریشان حالی کا ذکر کسی ایسے شخص پر نہ کرنا جس پر ہمارے خاندان کے احسانات ہیں۔ اُدھر بھارتی حکومت نے محترمہ بشیر النساء بیگم اور ان کے عزیزوں کو بہت پریشان کیا اور گوناگوں مسائل کھڑے کیے۔ آخر وہ بھی ہجرت کر کے پاکستان (کراچی) آ گئیں۔ یہاں آنے کے چند برس بعد ۱۹۵۷ء میں ان کے منجھلے فرزند اختر احمد وفات پا گئے اس صدمے کو انہوں نے اللہ کی مرضی کہہ کر مومنانہ صبر سے کام لیا۔

محترمہ بشیر النساء بیگم ہمیشہ دُعا مانگا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں رمضان شریف میں اس دنیا سے اٹھائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دُعا قبول فرمائی اور ۲۷ رمضان ۱۴۰۶ھ بمطابق ۶ جون ۱۹۸۶ء کو انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

اس دارِ فانی سے دارالبقا کو جاتے وقت وہ عمرِ عزیز کی بیاسی منزلیں طے کر چکی تھیں۔ رحمہا اللہ تعالیٰ

(جناب حکیم مسعود احمد برکاتی صاحب کے مضمون "ایک عظیم ماں" سے ماخوذ۔ ہمدرد نونہال ماں نمبر اپریل ۱۹۹۸ء)

☆☆☆☆
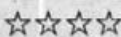
محترمہ زبیدہ بلوچ رحمہا اللہ تعالیٰ

محترمہ زبیدہ بلوچ رحمہا اللہ تعالیٰ کا شمار بیسویں صدی عیسوی کی اُن مومنات صالحات میں ہوتا ہے جنہوں نے بُد و شعور کو پہنچتے ہی لذائذ دنیا سے بے نیاز ہو کر اپنے آپ کو دین کی خدمت اور نیکی کی ترویج کے لئے وقف کر دیا اور ساری زندگی اسی کام میں گزار دی۔

محترمہ زبیدہ بلوچ " جن کو خواتین کے دینی حلقوں میں آپا جی یا بی بی جی کے احترام و محبت بھرے لقب سے پکارا جاتا تھا، حقیقی معنوں میں ایک فرشتہ خصلت خاتون تھیں۔ انہوں نے صرف اور صرف رضائے الٰہی کے حُصول ہی کو اپنی مقصدِ حیات قرار دیا اور اس کے لیے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ جن قابلِ رشک کاموں میں گزارا، انہیں ان چار حصوں میں تقسیم کیا

جاسکتا ہے۔

الف:۔ قرآن مجید پڑھنا اور پڑھانا ترجمے اور تشریح کے ساتھ، یہ ان کی محبوب ترین مصروفیت تھی۔

ب۔ پند و نصیحت کے ذریعے اور اپنے کردار و معمولات کو نمونہ بنا کر اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا اور بدعات سے اجتناب کرنے کی تلقین کرنا۔

ج۔ دعوتِ دین کو عام کرنا اور دینِ حق کی سربلندی کے لئے جدوجہد میں خود بھی حصہ لینا اور دوسری خواتین کو بھی اس پر آمادہ کرنا۔

د۔ خدمتِ خلق صلہ رحمی، حقوق العباد کی ادائیگی، عباداتِ الٰہی اور حتی الوسع اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے سارے احکامات پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔

محترمہ زبیدہ بلوچؒ ۱۹۱۰ء میں لیہ ضلع مظفر گڑھ کے ایک متوسط (ایک حد تک خوشحال) دینی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ پہلے ان کا نام حاکم بی بی رکھا گیا بعد میں بدل کر زبیدہ کر دیا گیا اور اسی نام سے انہوں نے شہرت پائی۔ ان کے والد حکیم حاجی عبدالکریم بلوچ ایک کامیاب طبیب تھے۔ اس زمانے میں لڑکیوں کو اسکول بھیجنے کا رواج نہیں تھا بلکہ اس کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ محترمہ زبیدہؒ نے قرآن مجید، اُردو، فارسی اور مسائلِ شریعت کی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ نے ذہنِ رسا عطا کیا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ علمی قابلیت کے اعتبار سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے برابر ہو گئیں۔ تعلیمی استعداد بہم پہنچانے میں ان کے (دو سال) چھوٹے بھائی ڈاکٹر غلام محمد بلوچؒ نے ان کی بڑی مدد کی۔ اللہ تعالیٰ نے ذہن کے ساتھ تعلیم و تعلم اور اصلاح و تبلیغ کا شوق اور جذبہ بھی ان کی فطرت میں ودیعت کیا تھا۔ انہوں نے جوانی سے لے کر بڑھاپے (بلکہ زندگی کے آخری ایام) تک اپنی تعلیمی، دینی، اصلاحی اور تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ان کی ایک سوانح نگار محترمہ احمدی بیگم لیہ میں ان کی مصروفیات کے بارے میں لکھتی ہیں[1]:

---

[1] محترمہ احمدی بیگم صاحبہ لیہ میں کئی سال تک محترمہ زبیدہ بلوچ صاحبہؒ سے تعلیم حاصل کرتی رہیں اور پھر ان کے قائم کیے ہوئے اسکول میں معلمہ کے فرائض بھی انجام دیتی رہیں۔ وہ محترمہ زبیدہؒ کو "بی بی جی" کہا کرتی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ "میں نے بچپن سے لے کر پوری سمجھدار ہونے تک ان (محترمہ زبیدہ بلوچؒ) کے پاس تعلیم حاصل کی اور پھر اُن کے اسکول میں ہی جو کہ ہمارا اپنا پیارا "اسلامیہ مدرسۃ البنات" ہے تعلیمی خدمات بھی انجام دیں۔ (خواتین میگزین لاہور جولائی ۹۹ ص ۵۶)

"میری پیاری بی بی جی صاحبہ (محترمہ زبیدہ بلوچؒ) نے سب سے پہلے اپنے گھر میں لڑکیوں کو ناظرہ قرآن کریم پڑھانے کا اہتمام کیا اور ساتھ ہی اپنے گھر کی ایک الماری کو بیت المال کے طور پر استعمال کیا اور گھر کے لوگوں سے بیت المال کے لئے چندہ، نقدی اور مختلف اشیاء کی صورت میں لینا شروع کیا۔ خود فارغ اوقات میں سلائی کڑھائی کر کے جو معاوضہ وصول ہوتا اُس کو اپنی طرف سے بیت المال میں شامل کر دیتی تھیں۔ اس رقم سے وہ غریب لڑکیوں کے لئے سپارے، کتابیں، تختیاں اور پڑھائی کا سامان خرید کر ان کی تعلیم کا بندوبست کرتی تھیں"

انہوں نے آگے چل کر ان کی تعلیمی سرگرمیوں کی مزید تفصیل بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامِ پاکستان سے پہلے (لیّہ) کے مسلمان شُرفاء کے گھرانوں کی لڑکیاں گھر سے باہر کسی اسکول یا کالج میں پڑھنے کے لیے نہیں جاتی تھیں۔ اس طرح دین و دنیا کی لاعلمی کی وجہ سے مسلمان گھرانوں میں ہندوانہ رسوم عام ہوگئی تھیں۔ محترمہ بی بی (زبیدہ بلوچؒ) نے جب اپنی مسلمان ماؤں بہنوں کے اندر ایسی باتوں کو عام ہوتے دیکھا تو ان کا دردمند دل تڑپ اُٹھا اور انہوں نے اپنے رشتہ دار، اہلِ محلّہ اور ملنے جُلنے والی خواتین کو منّت سماجت کر کے اپنے ہاں بلانا شروع کیا اور ان کو ترغیب دی کہ اپنی بچیوں کو قرآن مجید ترجمے کے ساتھ پڑھائیں۔ ساتھ ہی انہوں نے خواتین کو اپنی سرائیکی زبان میں نماز کا ترجمہ پڑھانا شروع کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی بچیوں کو قرآن مجید باترجمہ پڑھانے پر بخوشی آمادہ ہوگئیں حالانکہ اس سے پہلے وہ بچیوں کو ناظرہ قرآن مجید پڑھانے کے حق میں تھیں۔

اب انہوں نے اپنی بچیوں کو بی بی جیؒ کے پاس بھیجنا شروع کر دیا۔ بی بی جیؒ بچیوں کو قرآنِ پاک پڑھانے کے ساتھ اُردو پڑھنا لکھنا بھی سکھانے لگیں تاکہ وہ ترجمہ پڑھ سکیں۔

فی الحقیقت انہوں نے اپنی زندگی کا یہی مشن بنالیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ لڑکیوں کو پوری توجہ اور دلسوزی کے ساتھ قرآنِ پاک ناظرہ اور باترجمہ پڑھائیں گی۔ اس طرح ان کی شاگردوں یا طالبات کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ قرآنِ پاک کا ترجمہ پڑھنے کے لیے اُردو جاننا بھی ضروری تھا اس لیے بی بی جی نے بچیوں کو اُردو زبان سکھانے کی بھی بھرپور کوشش کی اس سلسلے میں وہ بچیوں کو اسلامی اخلاقی لٹریچر خود پڑھ کر سناتی تھیں جب یہ بچیاں پڑھنے کے قابل ہو جاتی تھیں تو اُردو نثر و نظم کی بہت سی کردار ساز کتابیں ان کو پڑھا دیتی تھیں۔ ان میں علامہ اقبالؒ

کے کلام کے مجموعوں (بانگِ درا، ضربِ کلیم، بالِ جبریل وغیرہ) کے علاوہ ابوالاثر حفیظ جالندھریؒ کا شاہنامہء اسلام (چاروں جلدیں) مسدسِ حالی اور متعدد دوسری اخلاقی کتابیں بھی شامل تھیں۔ تعلیم و تعلّم میں ان کی مخلصانہ مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ طالبات کی کثرت کی بنیاد پر پورا مدرسہ قائم ہو گیا اور باقاعدہ جماعت بندی ہونے لگی اس مدرسے کا نام "اسلامیہ مدرستہ البنات" رکھا گیا۔

یہ مدرسہ پہلے تو محترمہ زبیدہ بلوچؒ کے گھر میں چلتا رہا پھر پاکستان بننے پر ان کے والدِ گرامی نے گھر سے ملحقہ تین چار مکان ہندوؤں کے چھوڑے ہوئے مدرسہ کے نام کرا لیے۔ یہ مکان تھوڑے سے کمروں کے سوا بہت خستہ حالت میں تھے، ان کو گرا کر مدرسہ یا اسکول کی نئی عمارت کے لیے مہم چلائی گئی۔ سب طالبات بلکہ ان کے پورے خاندانوں نے چندہ جمع کرنے میں زور شور سے حصہ لیا اور اتنی رقم جمع کر لی کہ چند کمرے نئے برآمدہ سمیت بن گئے اور پانی کا بھی خاطر خواہ انتظام ہو گیا۔ اب "اسلامیہ مدرستہ البنات" نئی عمارت میں منتقل ہو گیا۔ بعد میں اس نے حکومت سے منظور شدہ اسکول کی صورت اختیار کر لی۔ اس اسکول کو پہلے مڈل اور پھر ہائی کا درجہ مل گیا اور اس میں تربیت یافتہ ہیڈ مسٹرس اور دوسری معلّمات کا تقرر ہو گیا۔ ہر روز سکول لگنے کے بعد نصف گھنٹے کے دو پیریڈ صرف قرآنِ حکیم ناظرہ اور باترجمہ پڑھانے کے ہوتے تھے پھر ہر مضمون کا پیریڈ ہوتا تھا۔

محترمہ زبیدہ بلوچؒ کے ایک چھوٹے بھائی ڈاکٹر غلام محمد بلوچؒ نہایت قابل ڈاکٹر (فزیشن) تھے۔ پاکستان بننے سے پہلے وہ سول ہسپتال امرتسر میں بطور فزیشن تعینات تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ میو ہسپتال لاہور آ گئے۔ محترمہ احمدی بیگم صاحبہ کا بیان ہے کہ ڈاکٹر غلام محمد بلوچؒ خود اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بہت قابل ڈاکٹر تھے مگر ان کی بیگم صاحبہ کی تعلیم واجبی سی تھی اس لیے لاہور آ کر جب ڈاکٹر صاحب کے بچے سکولوں میں جانے لگے تو ڈاکٹر صاحب نے محسوس کیا کہ ان کے بچوں کی مناسب دینی اور دنیوی تربیت ان کی علم دوست پھوپھی (محترمہ زبیدہ بلوچؒ) کی نگرانی ہی میں ہو سکتی ہے چنانچہ ان کی خواہش اور اصرار پر محترمہ زبیدہ بلوچؒ ۱۹۴۸ میں اُن کے پاس لاہور آ گئیں۔ لیّہ سے آتے وقت سکول کا انتظام اپنی چھوٹی شادی شدہ ہمشیرہ کے سپرد کر دیا جو لیّہ ہی میں رہتی تھیں۔ ان کی مدد کے لئے انہوں نے قدرے بڑی عمر کی چند سمجھدار شاگردوں کو مقرر کر

دیا۔ سکول سے اپنا تعلق اس صورت میں قائم رکھا کہ سال میں ایک دو مرتبہ اس کے معائنے وغیرہ کے لئے لیہ کا چکر ضرور لگا لیتی تھیں ۔ (غالباً یہ سلسلہ اسکول کے حکومت کی تحویل میں جانے تک جاری رہا)

محترمہ زبیدہ بلوچؒ نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا لٹریچر پہلے ہی پڑھ رکھا تھا اور وہ جماعتِ اسلامی سے متاثر تھیں ۔ لاہور آ کر وہ باقاعدہ جماعتِ اسلامی سے وابستہ ہو گئیں اور اپنے بھتیجوں اور بھتیجیوں کی تربیت کے ساتھ جماعت کا کام بھی پورے جوش اور جذبے کے ساتھ کرنے لگیں۔ جماعت نے جو ذمہ داری بھی ان کے سپرد کی انہوں نے اس کو پورا کرنے میں اپنی جان لڑا دی۔ میاں طفیل محمد صاحب سابق امیر جماعتِ اسلامی پاکستان کا بیان ہے کہ:۔

"لاہور آ کر محترمہ زبیدہ بلوچؒ جماعت سے وابستہ اور اس کی باقاعدہ رکن بن گئیں اور اُس زمانے سے لے کر آخری دم تک جماعتِ اسلامی اور دعوتِ اسلامی کی انتہائی مخلص اور جاں نثار کارکن کی حیثیت سے اقامتِ دین کے کام میں دن رات مصروف رہیں اور کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی کسی شک یا تردّد میں مبتلا نہیں ہوئیں۔ آپ طبعاً خاموش طبیعت، سراپا اخلاص تحریک اور دعوتِ اسلامی کے بارے میں پوری یکسو اور قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کی عملی تصویر تھیں"

محترمہ زبیدہ بلوچؒ صاحبہ نے عمر بھر عائلی زندگی اختیار نہیں کی ۔ اس کا سبب اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا وہ خود جانتی تھیں ۔ اس بارے میں شریعت کے احکام سے وہ بخوبی واقف تھیں اس لیے کوئی خاص وجہ ہوگی کہ وہ تجرد کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئیں ۔ ان کے پاکیزہ کردار اور قرآنِ پاک سے والہانہ شغف کے پیشِ نظر اس معاملے میں کوئی قیاس آرائی کرنا مناسب نہیں۔

۱۹۵۵ء میں محترمہ زبیدہ بلوچؒ کو ایک دلدوز سانحے سے دوچار ہونا پڑا ۔ وہ یہ کہ ان کے نہایت ہی لائق پیارے بھائی ڈاکٹر غلام محمد بلوچ نے بعارضہ سرطان وفات پائی ۔ محترمہؒ نے اس جانکاہ صدمے کو نہایت صبر و شکر اور تحمل سے برداشت کیا ۔ انہوں نے مرحوم بھائی کے پسماندگان کے دُکھ سُکھ میں شریک ہو کر ان کا حوصلہ بندھانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور برابر ان کی سرپرستی کرتی رہیں۔

محترمہ زبیدہ بلوچؒ اخلاقِ حسنہ کا پیکرِ جمیل تھیں، نہایت سادہ مزاج، نرم خو، منکسر، عبادت

گزار (شب زندہ دار) علم دوست، ادب نواز اور ہر ایک کی خیر خواہ۔ معروف ادیبہ محترمہ بنتِ مجتبیٰ مینا نے ان کے سراپا کا نقشہ یوں کھینچا ہے:۔

''سادہ سفید موٹے کپڑوں میں ملبوس وہ ایک پاکیزہ مجسمے کی طرح بیٹھی رہتیں، سفید دوپٹے میں چمکتا ہوا ان کا سفید چہرہ جس میں تقویٰ کا انکسار، بڑھاپے کا وقار، درویشی کا رُعب اور اللہ کی راہ میں جذبہ، جہاد کا ولولہ، ان کی طرف نظر بھر کر دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا تھا''

(ماہنامہ ترجمان القرآن جولائی ۱۹۹۹)

اقامتِ دین کے سلسلے میں جماعتی امور کی انجام دہی کے علاوہ ان کی مصروفیات یا ان کے معمولات کیا تھے؟ اس پر محترمہ بنتِ مجتبیٰ مینا نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:۔

''قرآن سے ان کو غیر معمولی شغف تھا۔ قرآن پڑھنا اور قرآن پڑھانا ان کا محبوب ترین کام تھا۔ اس حدیثِ مبارکہ کے مصداق ''تم میں بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے'' وہ فجر کی نماز کے بعد سے قرآنِ پاک پڑھانے اور اس کا ترجمہ سکھانے کا سلسلہ شروع کرتیں اور عشاء کی نماز کے بعد تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ عشاء کے بعد کا وقت وہ اپنے گھر والوں یعنی اپنے بھتیجی بھتیجوں کو قرآن پڑھانے اور سمجھانے میں صَرف کرتیں۔ رشتے داریوں کو نبھانے اور رشتے داروں کا حق ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کرتیں۔

اپنا کام خود کرتیں، اپنا پرس یا بیگ ہمیں اُٹھانے نہیں دیتی تھیں۔ ہمیشہ ایسے مواقع پر مسکرا کر کہتیں ''قیامت میں ہر شخص اپنا بوجھ آپ اُٹھائے گا کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھا سکے گا''

کم خوردن و کم خفتن و کم گفتن کے مقولے پر پورا اترتے ہوئے اس سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا۔ نرم خُو، خیر خواہی اور محبت و شفقت سے بھرپور، روزہ دار اور شب زندہ دار، حیا کے نور سے جگمگاتی ہوئی شخصیت اے کاش! ہم سب ان سے مستفید ہو سکتے ایسے جیسا مستفید ہونے کا حق تھا۔

بچوں کے ساتھ بہت محبت سے پیش آتیں۔ انہیں کوئی چھوٹا موٹا تحفہ دیتیں اور کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز ضرور دیتیں۔ بچے ان سے ڈرتے نہیں تھے۔ میں اپنی بیٹیوں اور بیٹے کو جب تک وہ بڑا نہیں ہو گیا ان کے پاس ضرور لے جاتی۔ بچوں کی بڑی تکریم کرتیں جس کا بچوں پر بہت اچھا اثر پڑتا۔ بچوں کو یہ بات یاد رہتی تھی کہ ان کے کمرے میں جائیں گے تو مٹھائی ملے گی۔ ہم

سب کے بچوں کے لئے دُعائیں کرتیں۔ ان کی کامیابیوں کے لیے ان کی دین کی سمجھ بوجھ کے لیے، ان کی مناسب جگہ شادی کے لیے، پھر ان کی اچھی نسل اُٹھانے کے لیے، ان کو ماں باپ کے لیے صدقہ جاریہ بنانے کے لیے اللہ سے التجا کرتیں۔ (ماہنامہ ترجمان القرآن جولائی ۱۹۹۹)

محترمہ زبیدہ بلوچؒ کے ادبی ذوق کے بارے میں محترمہ بنتِ مجتبیٰ مینا لکھتی ہیں:۔

''شاید یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہو کہ وہ ایک ستھرا ادبی ذوق رکھتی تھیں۔ لڑکیوں اور خواتین کو ادبی میدان میں کام کرنے کے لئے اُبھارتی رہتی تھیں۔ فارسی زبان پر قدرت حاصل تھی علامہ اقبالؒ کے فارسی اشعار بہت برمحل پڑھتی تھیں۔ اخبارات کے ادبی ایڈیشنوں کا گہری نظر سے مطالعہ کرتیں۔ مجھے اکثر متوجہ کرتیں کہ فلاں لکھنے والی کی تحریر بہت اچھی ہے اور فلاں کا طرزِ تحریر تو اتنا اچھا نہیں لیکن خیالات بہت اچھے ہیں، ان سے رابطہ رکھو۔ مسز ممتاز شفیع صاحبہ کے خیالات اور تحریر پسند آئی تو بار بار کہہ کر ان سے رابطہ قائم کروایا۔ ان کو حریمِ ادب کی نشست میں تشریف لانے کو کہا۔ آخر کار وہ ہماری ایک اچھی ساتھی ثابت ہوئیں۔ حجاب امتیاز علی سے ملتیں تو ہمیں متوجہ کرتیں، اب ان کی تحریر کا رنگ بدل رہا ہے، ان سے رابطہ رکھو۔ اسلام کی محبت کی چنگاری ہر خاکستر دل میں تلاش کرلیتیں۔ ان کی کوششوں سے اکثر دلوں میں چنگاری شعلہ جوالا بن کر ظاہر ہوئی۔

(ترجمان القرآن جولائی ۱۹۹۹)

محترمہ بنتِ مجتبیٰ مینا کے محترمہ زبیدہ بلوچؒ سے جماعتی اور ذاتی تعلقات سالہا سال پر محیط رہے اور انہوں نے مؤخر الذکر کو بہت قریب سے دیکھا۔ ان کے حلم و تحمل انکسار اور قرآن پاک سے غیر معمولی شغف کے بارے میں وہ اپنا ذاتی مشاہدہ اس طرح بیان کرتی ہیں:۔

''میں نے اتنی طویل رفاقت میں ان کے منہ سے کوئی نامناسب بات نہیں سنی۔ کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔ کسی کو بُرا بھلا کہتے ہوئے نہیں سنا۔ کبھی کسی کی شکایت نہیں کی۔ اپنی ذات کے بارے میں بھی زیادہ ذکر نہیں کیا۔ کسی کام پر فخر کا شائبہ تک نظر نہیں آیا۔ کبھی کچھ بتاتیں تو نہایت سادہ اور ہلکے انداز میں۔ مثلاً ان کو فون کیے بغیر کسی پروگرام کے لئے ان کے پاس پہنچ گئے کہ چلیے اس وقت یہ پروگرام ہے تو بڑی نرمی سے معذرت کرتیں کہ آج تو یہ وقت ڈاکٹر بلقیس فاطمہ کے قرآن پڑھنے کا ہے۔ وہ ہفتہ میں دو روز سبق پڑھنے آتی ہیں۔ میں دل ہی دل میں حیران ہوتی

کہ کون کون ان سے فیض یاب ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر بلقیس فاطمہ نامی گرامی ڈاکٹر تھیں، جن کو دکھانے کے لئے ایک ایک ہفتہ پہلے وقت لینا پڑتا تھا۔ اس طرح نجانے کتنی خواتین ان کی شاگرد تھیں۔

جب سے پاؤں کی ہڈی ٹوٹی تھی زیادہ چلنا پھرنا اور کہیں آنا جانا تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ مگر انہوں نے اپنے آپ کو معذوروں میں شامل نہیں کیا تھا۔ ان کا کام جاری تھا اور آخر وقت تک جاری رہا۔ خواتین کو قرآن سے جوڑنے کا کام، قرآن پڑھنے اور پڑھانے کا کام۔ سچ ہے:۔

"ایں سعادت بزور بازو نیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ"

(ماہنامہ ترجمان القرآن جولائی ۱۹۹۹)

محترمہ زبیدہ بلوچ نے طویل باسعادت زندگی گزار کر ۳۱ مئی ۱۹۹۹ کو وفات پائی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

☆☆☆☆

محترمہ اقبال جہاں بیگم رحمہا اللہ تعالیٰ

قرآن حکیم سے والہانہ لگاؤ رکھنے والی یہ صابرہ شاکرہ اور صالحہ خاتون معروف سیرت نگار اور مصنف حافظ افروغ حسن قریشی صاحب (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول کنگن پور) کی اہلیہ تھیں۔ انہوں نے سالہا سال تک تدریس قرآن میں جس طرح اپنی جان کھپائی اور اپنی سیرت و کردار کا جو ایمان افروز نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا، اس کی یاد ان کے جاننے والوں کے دلوں سے کبھی محو نہ ہو گی۔

محترمہ اقبال جہاں بیگمؒ ۸ جولائی ۱۹۲۸ء کو دہلی (انڈیا) کے کوچہ چیلاں میں جناب نصیر احمد کے ہاں پیدا ہوئیں۔ وہ اپنے والدین کے ہاں پیدا ہونے والی پہلی بچی تھیں اس لیے سارے خاندان میں ان کی پیدائش پر بڑی مسرّت کا اظہار کیا گیا۔ ان کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو خاندانی روایت کے مطابق انہیں ان کی بڑی خالہ جان کے پاس قرآن مجید پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا۔ خالہ جان نے بڑی شفقت اور توجہ کے ساتھ انہیں قرآنِ پاک پڑھایا جس کے نتیجے میں ان

کوتلاوتِ قرآن میں کمال درجے کی مہارت حاصل ہوگئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان گھرانوں میں لڑکیوں کو حصولِ تعلیم کے لئے اسکولوں میں بھیجنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے محترمہ اقبال جہاں بیگمؒ کو اُردو لکھنے پڑھنے اور روز مرّہ کام آنے والے حساب کی تعلیم ان کے والد صاحب نے گھر ہی میں دی۔ ساتھ ہی ان کی تربیت اس انداز سے کی گئی کہ وہ اُمورِ خانہ داری میں بھی طاق ہوگئیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد محترمہ اقبال جہاں بیگم اپنے خاندان کے ساتھ دہلی سے ہجرت کر کے لاہور آگئیں۔ ۳ اپریل ۱۹۴۹ء کو ان کی شادی حافظ افروغ حسن صاحب سے ہوگئی۔ دولھا اور دلھن دونوں کے خاندان ترکِ وطن کے باعث بے سروسامانی اور بے مایگی کے دَور سے گزر رہے تھے۔ اس لیے شادی کی تقریب ہر قسم کے تکلفات اور رسم و رواج سے پاک نہایت سادگی سے منعقد ہوئی۔ شادی کے بعد حافظ صاحب محکمہ تعلیم میں بطورِ ٹیچر ملازم ہوگئے۔ ملازمت کے سلسلے میں انہیں ہائی اسکول کلر سیداں ضلع راولپنڈی، مڈل اسکول مرالہ ضلع سیالکوٹ، مڈل اسکول گوندلانوالہ ضلع گوجرانوالہ اور ہائی اسکول چتوکی ضلع قصور میں کام کرنا پڑا۔ تنخواہ قلیل تھی اس لیے معاشی اعتبار سے یہ حافظ صاحب کی تہی دامنی اور عسرت کا دَور تھا اور پھر ہر نئے مقام پر نئے اجنبی ماحول سے عہدہ برآ ہونا خاصی پریشانی کا باعث ہوسکتا تھا لیکن محترمہ اقبال جہاں بیگم نے اپنی سلیقہ شعاری، دانش و حکمت اور حوصلہ مندی سے اپنے آپ کو شوہر کا دست و بازو ثابت کیا اور اُن کو کسی قسم کی پریشانی اور اُلجھن میں مبتلا نہ ہونے دیا بلکہ ان کے دل میں اپنا تعلیمی کیریر بنانے کی اُمنگ پیدا کردی۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹۵۵ء میں بی اے کر کے سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کی بی ٹی کلاس میں داخلہ لے لیا۔ بی ٹی کا امتحان پاس کرنے کے بعد ان کا تقرر ہائی اسکول بھائی پھیرو میں ہوگیا وہاں انہوں نے تین سال گزارے اور اسی دوران میں پرائیویٹ طور پر ایم اے کا امتحان پاس کرلیا۔ اس کے بعد ان کا تقرر بطور ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول کنگن پور ضلع قصور ہوگیا جہاں انہوں نے ۳۱ مئی ۱۹۵۹ء کو اپنے فرائض سنبھال لیے۔

کنگن پور میں ان کا قیام اسی حیثیت میں مسلسل چھبیس سال تک رہا۔ ۴ مارچ ۱۹۸۵ء کو وہ اسی اسکول سے باعزت طور پر ریٹائر ہوگئے۔ محترمہ اقبال جہاں بیگم چھبیس سال کی اس ساری مدت میں اپنے شوہر کے ساتھ کنگن پور ہی میں رہیں۔ یہ چھبیس سال جن میں ان کو اپنی

فطری خوبیوں اور خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے مواقع ملے، ان کی زندگی کا حاصل تھے۔

کنگن پور میں محترمہ اقبال جہاں بیگمؒ کے طویل زمانہء قیام میں ان کی سرگرمیوں (یا کارہائے نمایاں) کی تفصیل بیان کرنے کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے اور محدود ضخامت کی یہ کتاب اس کی متحمل نہیں ہوسکتی اس لیے ہم ان کی مثالی زندگی کی چند جھلکیاں ہی پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

محترمہ اقبال جہاں بیگم کو قرآنِ حکیم سے والہانہ شغف تھا۔ قرآنِ پاک پڑھانا اور پڑھنا ان کی محبوب ترین مصروفیت تھی۔ کنگن پور پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے اس بڑے قصبے میں بچیوں کے لئے قرآنِ پاک کی تعلیم حاصل کرنے کا کوئی مناسب انتظام نہیں ہے۔ یہ بات ان کے لیے سخت دل گرفتگی کا باعث ہوئی اور کتاب اللہ سے اپنی شیفتگی کی بناء پر انہوں نے بچیوں کو قرآن پڑھانے کی ذمے داری خود سنبھال لی، کسی دنیاوی غرض یا منفعت کے لئے نہیں بلکہ محض رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر۔ اس ذمے داری کو انہوں نے کس طرح نبھایا، اس کو حافظ افروغ حسن صاحب نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

"اقبال جہاں بیگم نے پڑوس کی بچیوں کو قرآن مجید پڑھنے کا شوق دلایا اور پورے انہماک سے انہیں پڑھانا شروع کر دیا۔ قرآنِ پاک کی تعلیم کا شوق عام کرنے کی خاطر جہاں دن رات محنت کی وہیں حکیمانہ تدابیر بھی اختیار کیں مثلاً وہ پہلا گروپ جس نے پورا قرآن مجید مکمل کیا، وہ پانچ بچیوں پر مشتمل تھا۔ اس کامیابی پر جہاں بچیاں اور اُن کے لواحقین فرطِ مسرّت سے بے خود تھے وہیں معلّمہ کی خوشی کی بھی کوئی انتہا نہ تھی۔ انہوں نے ان بچیوں کے لئے ریشمی جوڑے تیار کیے، انہیں گوٹے ٹھپے سے سجایا اور خوشی کے اس موقع پر انہیں پہنایا۔ اس تقریب میں خواتین کو جمع کیا مٹھائی تقسیم کی اور بچیوں کے لئے دعائیں مانگیں۔ اس کے بعد جب بھی کچھ بچیاں اپنا قرآن ختم کرتیں اس طرح خوشی کی محفل منعقد ہوتی۔ اسے آمین کی تقریب کہا جاتا تھا۔ پڑھنے پڑھانے کا یہ سلسلہ بڑی وسعت اختیار کر گیا۔ صبح سے شام بلکہ رات گئے تک گھر میں پڑھنے والی بچیوں کا تانتا بندھا رہتا۔ اب یہ گھر تربیت گاہ کی حیثیت بھی اختیار کر گیا تھا۔ اس درسگاہ میں آ جانے والی بچیاں پڑھنے کے ساتھ ساتھ معاشرتی آداب و اطوار اور اُمورِ خانہ داری کی تربیت بھی

حاصل کرتی تھیں چنانچہ کچھ عرصے بعد وہ اپنے خاندانوں میں کچھ دار سلیقہ شعار اور گھر شمار ہونے لگتی تھیں۔ ۲۶ سال کی مدت میں سینکڑوں بچیوں نے ان سے فیض حاصل کیا۔ ان کے پڑھانے کا طریقہ نہایت سائنٹفک اور مؤثر تھا۔ وہ ابتداء میں حرف شناسی پر پورا زور دیتیں اور پڑھنے والیوں کے لیے بعد کے مراحل آسان ہو جاتے تھے۔"

حُسنِ اخلاق کے اعتبار سے بھی محترمہ اقبال جہاں بیگمؒ اپنی مثال آپ تھیں۔ نہایت خوش خُلق، خندہ رُو، شگفتہ مزاج، حلیم الطبع، شائستہ، ملنسار اور کشادہ دست۔ اپنے انہی اوصافِ حمیدہ کی بدولت انہوں نے قصبے کی بچیوں اور خواتین کے دلوں میں گھر کر لیا تھا اور وہ سب عقیدت اور محبت کے ساتھ ان کو آپا جی کہا کرتی تھیں۔ ان کی شاگرد بچیوں کے خاندانوں کی تمام خواتین سے بھی آپا جی کے مخلصانہ روابط قائم ہو گئے تھے۔ محترمہ اپنی شاگرد بچیوں کی شادیوں میں بھرپور حصہ لیتی تھیں۔ یوں بستی کے سبھی طبقوں میں وہ ایک ہر دلعزیز شخصیت بن گئی تھیں اور عمومی طور پر سب لوگ انہیں آپا جی کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ جو بچیاں ان کے پاس پڑھنے کے لئے آتیں، اُن کا تعلق غریب امیر اور متوسط ہر طرح کے گھرانوں سے ہوتا تھا۔ اگر ان کی کسی غریب شاگرد بچی کے کپڑے بوسیدہ ہو جاتے اور اس کے گھر والے تنگدستی کی وجہ سے اس کو نئے کپڑے مہیا نہ کر سکتے تو وہ اس کے لئے نئے کپڑے بنا دیتیں یا اپنے استعمال شدہ کپڑوں کو کاٹ چھانٹ کر اس بچی کے سائز کا لباس بنا دیتیں۔ بعض اوقات کوئی بچی کسی وجہ سے اپنے گھر سے بھوکی پڑھنے کے لئے آ جاتی تو وہ اس کا چہرہ دیکھ کر پہچان جاتیں کہ وہ بھوکی ہے، فوراً اشارے سے باورچی خانے میں بُلا کر کھلا پلا دیتیں۔

جہاں تک سسرال یا شوہر کے اہلِ خاندان کا تعلّق ہے ان کے ساتھ محترمہ اقبال جہاں بیگمؒ کے تعلقات کی نوعیت کے بارے میں حافظ افروغ حسن صاحب کا بیان ہے کہ:

"وہ جس خاندان میں بیاہ کر آئیں وہاں نازک نوعیت کے تمام رشتے دار موجود تھے، ساس، سُسر بھی تھے، نندیں بھی، دیور جیٹھ بھی تھے اور جیٹھانیاں دیورانیاں بھی، سب کے ساتھ ان کے تعلقات ہمیشہ باہمی احترام و خیر خواہی کی مضبوط بنیاد پر قائم رہے۔ کسی سے کبھی شکر رنجی ہوئی نہ تلخی۔ خاندان کے بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت اُن کی معاشرتی زندگی کا طرّہ امتیاز تھا۔ اُن کی اسی خوبی نے سسرال کے پورے خاندان میں اُن کی ذات کو عزت و احترام کا مرجع بنا

دیا تھا"

ہر حال میں صبر و شکر اور راضی برضا رہنا بھی محترمہ کی زندگی کا ایک تابناک پہلو تھا۔ عُسرت کے زمانے کا بھی انہوں نے صبر و شکر اور حوصلے سے سامنا کیا اور فراخی کے زمانے میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور اس کی رضا کے حصول میں کوشاں رہیں۔ وہ ساری زندگی اولاد کی نعمت سے محروم رہیں لیکن اس محرومی کو انہوں نے مشیتِ ایزدی سمجھ کر نہایت صبر و شکر سے برداشت کیا اور کبھی اپنی تقدیر کے بارے میں حرفِ شکایت زبان پر نہ لائیں۔ اکتوبر ۱۹۷۲ء میں انہوں نے اپنے اکلوتے (چھوٹے) بھائی صغیر احمد مرحوم کی نومولود بچی کو گود لے لیا اور نہایت محبت اور شفقت کے ساتھ اس کی پرورش اور تربیت کی۔ افسوس کہ جب یہ بچی زکیہ اقبال بیگم سترہ سال اور چند ماہ کی عمر کو پہنچی تو اُن کا سایۂ شفقت اس کے سر سے اُٹھ گیا (ان کی وفات کے تقریباً پانچ سال بعد محترمہ زکیہ اقبال بیگم کی شادی ۱۹۹۵ء میں مرحومہ کے حقیقی بھانجے عبدالجبار سے ہو گئی)

کنگن پور کے زمانۂ قیام میں حافظ افروغ حسن صاحب اور محترمہ اقبال جہاں بیگم نے تعلیم و تدریس کے علاوہ یہ عظیم کارنامہ بھی سرانجام دیا کہ اس قصبے کے لوگوں (ذکور و اُناث) کے دلوں میں تراویح میں قرآن سننے کی تڑپ پیدا کر دی جبکہ اس سے پہلے وہ (اہلِ کنگن پور) اس کے عادی نہیں تھے۔ حافظ صاحب کی مساعی سے لوگوں کا سویا ہوا دینی جذبہ بیدار ہو گیا اور ہر سال رمضان المبارک کا آغاز ہوتے ہی لوگ تراویح میں قرآنِ پاک سننے کے لئے مسجد میں جوق در جوق آنے لگے۔ قرآنِ پاک سنانے کا فرض حافظ افروغ حسن صاحب خود ادا کرتے تھے۔ محترمہ اقبال جہاں بیگم کے اصرار پر خواتین کے لئے پردے کا انتظام کیا گیا۔ یوں اُن کے ساتھ کثیر تعداد میں خواتین بھی تراویح میں قرآن سننے کے لئے آنے لگیں۔ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شبینوں کا اہتمام کیا جاتا جن میں خواتین کی تعداد مردوں کی تعداد سے کم نہیں ہوتی تھی۔ شبینوں کے دوران میں وقفے وقفے سے چائے کا دَور چلتا پھر سحری کے کھانے کا انتظام ہوتا۔ اخراجات کے لئے چندے کے مروّجہ طریقے کبھی اختیار نہ کیے گئے۔ مخیّر مومنین اور مومنات خود بخود کسی نمود و نمائش کے بغیر اتنا کچھ جمع کر دیتے کہ کبھی تنگی آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوا۔ شبینے کی نورانی محفلوں میں لوگ اس کثرت سے آتے تھے کہ قصبے کی سب سے بڑی مسجد کا دامن تنگ پڑ گیا اور یہ بابرکت محفلیں ہائی اسکول کے کھلے گراؤنڈ میں ہونے لگیں۔ وہاں بے شمار مرد اور خواتین

ساری ساری رات قرآن پاک سننے کی سعادت حاصل کرتے رہتے۔ حافظ افروغ حسن صاحب کا بیان ہے کہ ان نورانی محفلوں کے انعقاد میں علاقے کی خواتین کا پُر جوش تعاون حاصل تھا اور اس کیفیت کے پیدا کرنے میں محترمہ اقبال جہاں بیگم کے کردار کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔

محترمہ اقبال جہان بیگم نے اپنی عائلی زندگی بھی ایک حیادار مشرقی خاتون کی طرح گزاری۔ کسی مشرقی خاتون کے کردار یا اس کی گھریلو زندگی کے بارے میں سب سے معتبر شہادت اس کے شوہر کی ہوتی ہے۔ حافظ افروغ حسن صاحب نے قرآن حکیم سے عشق کی حد تک لگاؤ رکھنے والی اپنی اہلیہ کے کردار کا نقشہ یوں کھینچا ہے:۔

"ملازمت کے پورے عرصے میں اقبال جہاں بیگم کی جان سپارانہ رفاقت شاملِ حال رہی اور میری ملازمت ہر قسم کے تفکرات اور تردّدات سے محفوظ رہی۔ ہماری خانگی زندگی اتنی خوشگوار، پاکیزہ، صاف ستھری اور دلنواز تھی کہ اس نے اپنے ماحول میں ایک مثالی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ لوگ ہماری عائلی زندگی کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے" اقبال جہاں بیگم کی فطری اور طبعی صلاحیتوں اور خوبیوں میں سے جس خوبی نے میری زندگی کو باغ و بہار بنا دیا تھا اور جس نے مجھے اعتماد و وقار کی اصولی دولت سے مالا مال کر دیا تھا وہ ان کی عائلی زندگی میں میری ذات کے ساتھ کامل آہنگی اور غیر متزلزل وفا شعاری تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے میری خدمت کرنا، امکانی حد تک مجھے آرام و آسائش مہیا کرنا اور میری عزت اور میرے وقار کے تحفظ کی خاطر اپنی ذہنی اور اخلاقی صلاحیتیں کھپا دینا اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ کسی بیماری یا تکلیف کی وجہ سے ساری رات بے چینی میں گزار دی لیکن صبح ہوتے ہی میرے لیے ناشتے کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔ اگر ان سے کہا گیا کہ تم ذرا آرام کر لو ناشتہ ٹھہر کر تیار ہو جائے گا یا بازار سے کوئی چیز کھانے پکانے کی منگوالی جائے گی تو ان کا جواب ہوتا:۔

"میرے جیتے جی یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ بھوکے رہیں یا مجبوراً کوئی ایسی چیز کھائیں جو آپ کے ذوق اور پسند کے مطابق نہ ہو"

وہ اپنے اسی جذبے کے تحت کھانا بڑی محنت اور توجہ سے تیار کرتیں۔ ویسے بھی قدرت نے ان کے ہاتھ میں حلاوت ولذت کی خاص تاثیر رکھی تھی ان کا تیار کردہ کھانا حسنِ ذوق اور اعلیٰ سلیقہ مندی کا آئینہ دار ہوتا تھا۔ جب میری زبان سے بے ساختہ کھانے کے متعلق تعریفی کلمات نکل جاتے تو

ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ وہ محسوس کرتیں کہ انہیں اپنی محنت کا ثمر مل گیا ہے۔

ان کے ایثار سے بھرپور جذبہ خدمت نے جہاں ہمارے گھر کو سکون و راحت کا ایک مہکتا ہوا چمنستان بنا دیا تھا وہیں اس چمنستان کی عطر بیزی سے پڑوسی، میرے دوست احباب اور گاہے بگاہے مہمان کی حیثیت سے تشریف لانے والے واقفانِ حال بھی محظوظ و مسرور ہوتے تھے"

محترمہ اقبال جہاں بیگمؒ کی زندگی کا ایک پہلو ان کے ہاتھ میں برکت کا ہونا تھا اس سلسلے میں حافظ افروغ حسن صاحب لکھتے ہیں:۔

" خدائے کریم نے اقبال جہاں بیگم کو اپنی طرف سے برکت کے خصوصی تحفے سے نوازا تھا۔ پوری ازدواجی زندگی میں کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ ان کا تیار کردہ کھانا کبھی کم پڑا ہو۔ گھر کے چار افراد کا کھانا تیار ہوتا اور وقت پر تین چار مہمان آجاتے تو وہ ان کے لئے کفایت کر جاتا تھا۔ خدا کے اس عطیۂ برکت پر ان کے غیر متزلزل اعتماد نے ان کے دل کو فراخ اور ان کے دسترخوان کو وسیع کر دیا تھا۔ یہ فراخی اور یہ وسعت رمضان کے بابرکت مہینے میں اپنے پورے جوبن پر آجاتی تھی۔ افطار کے وقت کئی روزے داروں کی دسترخوان پر موجودگی لازمی ہوتی تھی۔ کسی خوشی کی تقریب یا ختمِ قرآن کے موقع پر وہ چاولوں کی دیگ پکوا لیتیں جو زیادہ سے زیادہ پچاس آدمیوں کے لئے کافی ہو سکتی تھی مگر وہ تقسیم کرنے لگتیں تو سینکڑوں کھاتے اور سب کے سیر ہونے تک چاولوں کے ختم ہونے کی نوبت نہ آتی تھی"

جولائی ۱۹۷۲ء میں محترمہ اقبال جہاں بیگم کو اپنے اکلوتے چھوٹے بھائی کی ناگہانی موت سے شدید صدمہ پہنچا۔ اس نے ان کی صحت پر بہت برا اثر ڈالا اور کئی موذی عوارض نے اُن کے جسم و جان کو اپنی آماجگاہ بنا لیا۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی خانگی ذمے داریوں کی ادائیگی اور دیگر مصروفیات و مشاغل میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔

۴۔ مارچ ۱۹۸۸ء کو حافظ افروغ حسن صاحب ملازمت سے ریٹائر ہو گئے۔ اہلِ کنگن پور کو ان سے والہانہ لگاؤ اور پیار ہو گیا تھا۔ انہوں نے اصرار کیا کہ وہ کنگن پور ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لیں لیکن دوسری طرف لاہور میں مقیم اپنے بھائیوں اور دوسرے اعزہ و اقارب کی خواہش اور شدید اصرار سے مجبور ہو کر وہ ۲۸ جون ۱۹۸۵ء کو کنگن پور سے نقل مکانی کر کے لاہور آ گئے۔ اہلِ کنگن پور نے اشک آلود آنکھوں کے ساتھ بادلِ ناخواستہ انہیں رخصت کیا۔

محترمہ اقبال جہاں بیگم کو مختلف بیماریوں کا مقابلہ کرتے ہوئے تقریباً اٹھارہ برس گزر چکے تھے لیکن آخر وہ وقت آ پہنچا جو ہر ذی روح کا مقدر رہے۔ ٦ مارچ ١٩٩٠ء کو ان پر نمونیہ کا حملہ ہوا سات دن تک گھر میں ہر قسم کا علاج ہوتا رہا لیکن افاقہ نہ ہوا چنانچہ ١٣ مارچ ١٩٩٠ء کو انہیں میو ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ ڈاکٹروں نے ان کی جان بچانے کے لیے ہر طرح کے جتن کئے لیکن سب بے سود۔ ان کا پیمانہ حیات لبریز ہو چکا تھا۔ ٢٦ مارچ کو صبح نو بج کر چالیس منٹ پر وہ اس جہانِ فانی سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئیں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن۔

حافظ صاحب اور مرحومہ کے اعزہ و اقارب اور دوست احباب نے ان کی رحلت کے صدمے کو شدت سے محسوس کیا۔ اسی طرح جب ان کی وفات کی خبر کنگن پور پہنچی تو وہاں بھی صفِ ماتم بچھ گئی بالخصوص خواتین میں تو کہرام برپا ہو گیا۔ ٢٦ مارچ ١٩٩٠ء کی شام کو یہ مثالی صالحہ خاتون میانی صاحب کے قبرستان میں سپردِ خاک کر دی گئیں۔ رحمہا اللہ تعالیٰ

(اُردو ڈائجسٹ لاہور جنوری ١٩٩١ء میں حافظ افروغ حسن صاحب کے مضمون "آہ! اقبال جہاں بیگم سے ماخوذ)

☆☆☆☆

محترمہ بتول النساء رحمہا اللہ تعالیٰ

محترمہ بتول النساءؒ ۔۔۔۔۔۔ معروف کالم نگار، سیاسی مبصر، مصنف، مُبلّغِ اسلام اور ادیب جناب شفیق الاسلام فاروقی کی والدہ ماجدہ تھیں۔ انہوں نے اپنے حُسنِ عمل اور صبر و استقامت کا جو ایمان افروز نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا، اُس نے ان کو مثالی مومنات اور صالحات کی صف میں جگہ پانے کا مستحق بنا دیا۔

محترمہ بتول النساءؒ ١٩٠٠ء عیسوی میں ہریانہ (انڈیا) کے ایک گاؤں رُڑکی ضلع کرنال میں سید مراتب علیؒ کے ہاں پیدا ہوئیں۔ یہ ایک متوسط درجے کا دینی اور علمی گھرانا تھا۔ محترمہ نے قرآن مجید اور اُردو کی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی۔ گھر کے دینی ماحول کی بدولت اُن کو دین سے گہرا لگاؤ ہو گیا بالخصوص قرآن حکیم سے تو ان کے شغف کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ اُن کی شادی بھی رُڑکی سے چند میل دور قصبہ شاہ آباد کے ایک شریف دینی اور علمی گھرانے میں ہوئی۔ شوہر جناب

ناصر الاسلام فاروقی حافظِ قرآن تھے اور علمی شغف کے ساتھ خوش نویسی کا ذوق بھی رکھتے تھے وہ شاہ آباد کی میونسپلٹی میں ملازم تھے۔ ان کا شجرۂ نسب چند پشت اوپر جا کر حضرت مجددؒ الفِ ثانیؒ سے جا ملتا تھا (اور مجددؒ الفِ ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ سیدنا حضرت عمرِ فاروقؓ کی نسل سے تھے) محترمہ بتول النساء شادی کے چند ہی سال بعد ایک دلدوز المیے سے دوچار ہو گئیں۔ المیہ یہ ہوا کہ ان کے شوہر حافظ ناصر الاسلام فاروقی ۱۹۲۶ء میں صرف ۲۷ سال کی عمر میں ایک حادثاتی واقعہ کے نتیجے میں جاں بحق ہو گئے۔ انہوں نے اپنے پیچھے بیوہ کے علاوہ تین کم سن بچے چھوڑے، اختر الاسلام، شفیق الاسلام اور باقر الاسلام، محترمہ بتول النساء کی عمر اس وقت صرف ۲۶ سال کی تھی۔ انہوں نے اس جانکاہ صدمے کا سامنا بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ کیا اور اپنے آپ کو ہمہ تن اپنے یتیم بچوں کی پرورش اور تربیت کے لئے وقف کر دیا۔ بے سرو سامانی اور بیوگی کے باوجود انہوں نے جس طرح بچوں کی عمدہ پرورش اور تربیت کی، وہ اُن کی خود اعتمادی، خودداری، عزم و ہمت صبر و استقامت اور دین سے گہری وابستگی کا مظہر اور ثبوت تھا۔

مرحوم حافظ ناصر الاسلام کے یتیم بچوں کے ساتھ ان کے اعزہ و اقارب کا رویہ دنیا کے اس عمومی دستور کا آئینہ دار تھا کہ تاریکی میں سایہ بھی انسان سے جدا ہو جاتا ہے۔ کسی نے ان کی خبر تک نہ لی لیکن محترمہ بتول النساء کبھی کسی کے خلاف حرفِ شکایت زبان پر نہ لائیں اور اپنے محدود وسائل کے اندر بچوں کو تعلیم بھی دلائی اور ان کی تربیت بھی اس انداز سے کی کہ ان کے دلوں میں دین سے بھی گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا۔ محترمہ کے منجھلے فرزند جناب شفیق الاسلام فاروقی نے اپنے بچپن میں اپنی والدہ ماجدہ کے جو معمولات دیکھے اور جس طرح ان کے اوصاف و خصائل کا مشاہدہ کیا، اس کی روداد انہوں نے اپنی مرتب کردہ کتاب ''عظمت کے مینار'' میں ''میری عظیم ماں'' کے زیرِ عنوان تفصیل سے بیان کی ہے اس سے چند اقتباسات (بادنیٰ تصرف) ملاحظہ ہوں۔

''اُس دور میں بڑے بڑے علمی گھرانوں تک کی خواتین میں سے کوئی خاتون اگر قرآن مجید کی صرف تلاوت کر سکتی تھی تو اس کا شمار پڑھی ہوئی خواتین میں ہوتا تھا لیکن میری والدہ کو یہ منفرد مقام حاصل تھا کہ وہ نہ صرف باترجمہ قرآن مجید پڑھ سکتی تھیں بلکہ دیگر دینی کتب کے مطالعہ کا بھی ذوق رکھتی تھیں۔ والدہ کے پاس شاہ رفیع الدینؒ کا باترجمہ بڑے سائز کا خوبصورت قرآن مجید تھا جس کی وہ تلاوت کیا کرتی تھیں۔

ہماری کم عمری کے دور میں تین چار سپاروں کی تلاوت (روزانہ) کرتی تھیں ان کو نہ صرف تلاوتِ قرآن کا کمال ذوق تھا بلکہ کئی طویل سورتیں بھی انہوں نے حفظ کر رکھی تھیں جن میں سورۃ یٰسین، سورۃ الرحمٰن، سورۃ مزمل بالخصوص حفظ تھیں اور ناظرہ تلاوتِ قرآن کے بعد ان میں سے کسی ایک سورۃ کا وِردِ زبان پر جاری رہتا تھا جبکہ ہر وقت اپنے آپ کو باوضو رکھتی تھیں۔

والدہ نے نمازِ تہجد اور نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد کچھ دیر چکّی پیس کر گھریلو استعمال کے لئے آٹا حاصل کرنے کا معمول بنالیا تھا۔ اُس دور میں ڈیزل سے چلنے والی آٹا مشینیں اگرچہ عام ہو گئی تھیں لیکن اسے بچت کہا جائے یا استطاعت نہ تھی، میری والدہ دستی چکّی چلا کر آٹا پیستی تھیں۔ چکّی پیستے وقت بڑی خوش الحانی سے قرآنِ کریم کی تلاوت کرتی تھیں لیکن چکّی پیسنے کے عمل میں نہ صرف انہوں نے مجھے شامل کر لیا بلکہ مجھے چھوٹی چھوٹی سورتوں کا حفظ کرانا بھی معمول بنالیا یہ اُس کم عمری کے دَور کا قصہ ہے جب میں نے سکول جانا شروع کر دیا تھا اور یہ دَور دو چار سال جاری رہا۔ اس دور میں والدہ صاحبہ کی مدد سے وہ تمام طویل سورتیں بھی حفظ ہوئیں جو خود انہیں حفظ تھیں۔

والدہ مرحومہ کو اپنی اولاد کو اُس کے بچپنے اور نوعمری سے ہی پنج وقتہ نمازوں کا پابند بنانے کا شدت سے نہ صرف احساس تھا بلکہ اسے پوری طرح پابندِ صلوٰۃ بنا ڈالا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں نَو دس سال کی عمر میں نہ صرف نمازِ فجر مسجد میں باجماعت پڑھنے کا پابند تھا بلکہ اذان بھی دیا کرتا تھا۔

والدہ محترمہ اپنی خوش الحانی کی وجہ سے خواتین کی مجالسِ سیرت کا بڑا سرمایہ تھیں۔ قصبہ بھر میں خواتین کی مجالسِ سیرت اُن کی شرکت کے بغیر ادھوری ہوتی تھیں۔ نعت خوانی کے ساتھ والدہ محترمہ پند و نصائح کی کتابوں سے بھی کچھ حصہ پڑھ کر سناتی تھیں اور اُن مجالس میں شریک ہونے والی خواتین کو پابندیِ نماز کی تلقین کرتی تھیں۔

والدہ مرحومہ خود اعتمادی اور توکّل علی اللہ کا ایک عمدہ نمونہ تھیں۔ اُن کے پاس "ذکرِ خیر" کے عنوان سے ایک کتاب تھی جو انبالہ کے معروف ولی اللہ سائیں توکّل شاہؒ کی سیرت پر تھی یہ کتاب سائیں صاحب کے خلیفہ خواجہ محبوب عالم نے مرتب کی تھی۔ "ذکرِ خیر" کا مطالعہ میری والدہ محترمہ اکثر کیا کرتی تھیں۔ میری ماں روایتی پیار و محبت کے ساتھ اپنی اولاد کی تعلیم و

تربیت اور اس کو دینی اقدار کا پابند بنانے سے ایک لحہ کے لئے غافل نہ رہیں۔

یہ قرآنِ پاک کی تلاوت ہی کا اعجاز تھا کہ مرحومہ کی بینائی اور حواسِ خمسہ عمر کے آخری لحہ تک برقرار رہے"۱۹۴۳ء میں محترمہ بتول النساء کا چھوٹا بیٹا باقر الاسلام سترہ سال کی عمر میں قضائے الہیٰ سے فوت ہوگیا۔ محترمہ نے یہ جانکاہ صدمہ مومنانہ صبر کے ساتھ جھیلا اور جزع فزع سے احتراز کیا۔

۱۹۳۹ء میں جناب شفیق الاسلام فاروقی صوبہ سرحد کی تحصیل چارسدہ کے ایک گاؤں میں آگئے جہاں انہیں ایک پرائیویٹ اسکول میں ٹیچر کی جگہ مل گئی تھی ۱۹۴۱ء میں وہ انڈین آرمی کی سپلائی کور میں نان کمیشنڈ آفیسر کی حیثیت سے بھرتی ہوگئے۔ پانچ سال کے بعد فوج سے فارغ ہو کر انہوں نے صوبہ سرحد کو اپنا وطن بنالیا اور ۱۹۴۷ء میں نوشہرہ کینٹ میں آباد ہوگئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ان کی والدہ محترمہ اور بڑے بھائی اہل وعیال سمیت شاہ آباد سے ہجرت کر کے ان کے پاس نوشہرہ آگئے۔ برادرِ بزرگ کو انہوں نے تجارتی کاروبار سے وابستہ کردیا۔ محترمہ بتول النساء نے ۱۹۸۲ء میں بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اس وقت وہ نوشہرہ ہی میں اپنے بڑے فرزند کے پاس مقیم تھیں۔ جناب شفیق الاسلام ۱۹۵۵ء میں نوشہرہ سے نقل مکانی کر چکے تھے لیکن والدہ کی وفات کے وقت وہ نوشہرہ میں موجود تھے۔ اس طرح یہ عظیم خاتون اپنے دونوں سعادت مند فرزندوں کے ہاتھوں میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئیں۔

رحمہا اللہ تعالیٰ

کتابیات

اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں جن کتابوں، رسالوں اور دوسرے ذرائع سے براہ راست یا بالواسطہ استفادہ کیا گیا ہے، اُن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ الجامع الصحیح	امام بخاریؒ
۲۔ الجامع الصحیح	امام مسلمؒ
۳۔ المستدرک	امام حاکمؒ نیشاپوری
۴۔ مُسندِ احمد	امام احمد بن حنبلؒ
۵۔ مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب عمریؒ
۶۔ الاکمال فی اسماء الرجال	شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب عمریؒ
۷۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	حافظ ابنِ عبدالبرؒ
۸۔ الطبقات الکبریٰ	علامہ ابنِ سعدؒ
۹۔ الاِصابہ فی تمیز الصحابہ	حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ
۱۰۔ تہذیب التہذیب	حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ
۱۱۔ زاد المعاد	حافظ ابنِ قیمؒ
۱۲۔ اُسُدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	علامہ ابنِ اثیر جزریؒ
۱۳۔ فتوح الشام	علامہ واقدیؒ
۱۴۔ سیر الصحابہؓ	شاہ معین الدین احمد ندویؒ
۱۵۔ سیرِ انصار	مولانا سعید انصاریؒ
۱۶۔ تفہیم القرآن	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
۱۷۔ قصص القرآن	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

۱۸۔انبیائے قرآن	جناب حافظ نذر احمد
۱۹۔ازواج الانبیاء	اُردو ترجمہ از احمد خلیل جمعہ۔۔مترجم اہلیہ دانش کمال
۲۰۔دورِ تابعین کی نامور خواتین	اُردو ترجمہ نساء من عصر التابعین از احمد خلیل
	مترجم: مولانا ثناءاللہ محمود
۲۱۔اسلام کی بیٹیاں	مولانا محمد اسحاق بھٹی
۲۲۔خواتین ٹملناڈو کی دینی وعلمی خدمات	جناب علیم صبا نویدی
۲۳۔مردِ درویش	حکیم سیّد مسعود احمد برکاتی
۲۴۔ہمیں خدا کیسے ملا	پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی فاروق
۲۵۔اُردو ڈائجسٹ لاہور	عظیم مائیں نمبر
۲۶۔اُردو ڈائجسٹ لاہور	سالنامہ ۱۹۹۴
۲۷۔ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک	اکتوبر ۱۹۶۶
۲۸۔ہفت روزہ الاعتصام لاہور	شمارہ یکم تا ۷ ستمبر ۲۰۰۰ء

اِن کے علاوہ وہ تحریری مواد جو ماضی قریب یا دورِ حاضر کی بعض خواتین کے لواحقین نے بکمال مہربانی ہمیں مہیا کیا، ہم صدقِ دل سے ان کے شکر گزار ہیں۔ان کی مہیا کی گئی معلومات کی روشنی میں متعلقہ خواتین (صالحات) کے تذکرے قلمبند کیے گئے۔

طالب الہاشمی کی دوسری تالیفات

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے متعلق تالیفات

۱۔ حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

۲۔ اخلاقِ پیمبریؐ

۳۔ وفودِ عرب بارگاہِ نبویؐ میں

۴۔ ارشاداتِ دانائے کونینؐ

۵۔ معجزاتِ سرورِ کونینؐ

۶۔ سیرت طیبہ رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم (زیرِ طبع)

۷۔ ہمارے رسولِ پاکؐ (صدارتی ایوارڈ یافتہ)

صحابہ کرامؓ و صحابیاتؓ کے ایمان افروز تذکرے

۸۔ خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ

۹۔ تیس (۳۰) پروانے شمعِ رسالت کے

۱۰۔ خیر البشرؐ کے چالیس (۴۰) جاں نثار

۱۱۔ سرورِ کائنات کے پچاس صحابہؓ

۱۲۔ آسمانِ ہدایت کے ستر ستارےؓ

۱۳۔ رحمتِ دارینؐ کے سَو شیدائیؓ

۱۴۔ فوز و سعادت کے ایک سو پچاس چراغؓ

۱۵۔ حبیبِ کبریا کے تین سَو اصحابؓ

۱۶۔ تذکارِ صحابیات

۱۷۔ سیرۃ حضرت فاطمۃ الزہراؓ

۱۸۔ سیرۃ حضرت ابوایوب انصاریؓ

۱۹۔ سیرۃ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص

۲۰۔ سیرۃ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

۲۱۔ سیرۃ حضرت ابو ہریرہؓ

عشرہ مبشّرہ کے آسان زبان میں جامع تذکرے

۲۲۔ حضرت ابوبکر صِدّیقؓ
۲۳۔ حضرت عُمرِ فاروقؓ
۲۴۔ حضرت عثمان غنیؓ
۲۵۔ حضرت علی مرتضیٰؓ
۲۶۔ حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ
۲۷۔ حضرت زبیرؓ بن عوّام
۲۸۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص
۲۹۔ حضرت سعیدؓ بن زید
۳۰۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح
۳۱۔ حضرت عبدالرّحمانؓ بن عوف

تاریخ اور سوانح کے موضوع پر کچھ اور تالیفات

۳۲۔ یہ تیرے پُر اسرار بندے
۳۳۔ تاریخِ اسلام کی چار سو باکمال خواتین
۳۴۔ الملک الظاہر بیبرس
۳۵۔ سلطان نورالدّین محمود زنگیؒ
۳۶۔ ملک شاہ سلجوقی
۳۷۔ یعقوب المنصور باللہ
۳۸۔ تذکرہ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ
۳۹۔ تذکرہ سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
۴۰۔ تذکرہ خواجہ اجمیریؒ
۴۱۔ تذکرہ بابا فریدالدین گنج شکرؒ
۴۲۔ تذکرہ حضرت موج دریا بخاریؒ
۴۳۔ تذکرے چند اہلِ کمال کے (زیرِ طبع)

متفرق موضوعات

۴۴۔ آج کے بچے کل کے جوان

۴۵۔ سفرنامہ آخرت

۴۶۔ تندرستی ہزار نعمت ہے (زیر طبع)

۴۷۔ حکایات رومی

۴۸۔ حکایاتِ سعدیؒ

۴۹۔ حکایاتِ صوفیہ

۵۰۔ حُسنِ گفتار (زیر طبع)

۵۱۔ اصلاح تلفظ واملا (زیر طبع)

ان کے علاوہ بچوں کی کردار سازی کے لیے ۴۴ کتابوں کا سیٹ۔ جنت کے پھول، کیڑوں مکوڑوں کی حیرت انگیز کہانیاں۔ بدر کا شہسوار۔ غمگسار بیوی۔ آزمائش۔ درویش گورنر، یمامہ کا قیدی۔ اللہ کا شیر۔ اللہ کی تلوار۔ جنت کی خوشبو۔ بادشاہی میں فقیری۔ بہادر بھائی بہن، شیر دل خاتون۔ شرافت کا پُتلا۔ حق کی تلاش۔ ماں راضی اللہ راضی۔ فرض کی پکار۔ آگ میں باغ، خدائی امتحان۔ صبر کی تصویر۔ شہید نبی۔ اللہ کی پکڑ۔ سونے چاندی کا بچھڑا۔ لقمان حکیم، سچائی کی جیت۔ دلوں پر حکومت۔ گمنام محسن۔ شریف دشمن۔ دلیر چرواہا۔ کتابوں کا خمیر، اللہ کا سپاہی۔ غریب بادشاہ۔ غرور کا سر نیچا۔ ڈاکو کا قہقہہ۔ بے وقت کی اذان۔ توبہ کی برکت، دل کی بادشاہی خدا پر بھروسا۔ دریا دل عالم۔ ظلم کا انجام۔ نصیحت کا حق۔ کرخ کا درویش، شیر دل سلطان۔ بہرام کا سپاہی۔

نوٹ: کتابوں کی قیمتوں میں کاغذ کے نرخ اور دوسرے اخراجات کے مطابق ردوبدل ہوتا رہتا ہے۔ ہر کتاب اسی قیمت پر مہیا کی جائے گی جو آرڈر موصول ہوتے وقت ہوگی۔ بڑے آرڈر پر معقول رعایت دی جائے گی۔

ہماری مقبول مطبوعات

★ فضائل قرآن	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
★ کتاب الصوم	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
★ شعور حیات	مولانا محمد یوسف اصلاحی
★ شمع حرم	مولانا محمد یوسف اصلاحی
★ تذکار صحابیاتؓ	طالب ہاشمی
★ تذکار صالحات	طالب ہاشمی
★ پچاس صحابہؓ	طالب ہاشمی
★ سیرۃ فاطمہ الزہرہؓ	طالب ہاشمی
★ ہمارے رسول پاک	طالب ہاشمی
★ چالیس جان نثار	طالب ہاشمی
★ سو شیدائی	طالب ہاشمی

البدر پبلی کیشنز اردو بازار لاہور